سکولوں اور کالجوں کے مقرر
طلبہ اور طالبات کے لیے

انعام یافتہ تقریریں

مصنف
پروفیسر محمد اکرم رضا

مکتبہ حنفیہ گنج بخش روڈ۔ لاہور

سکولوں اور کالجوں کے مقرر
طلبہ اور طالبات کے لیے

انعام یافتہ تقریریں

مصنف

پروفیسر محمد اکرم رضا

مکتبہ حنفیہ گنج بخش روڈ لاہور

Phone
0333-4383766
042-7213575

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب ....---.---.... انعام یافتہ تقریریں

مصنف ....---.---.... پروفیسر علامہ محمد اکرم رضا

پیش کش ....---.---.... محمد نعیم اللہ خان قادری

نظر ثانی ....---.---.... محمد نعیم اللہ خان قادری

اشاعت اوّل ....---.---.... 2009ء 1430ھ

صفحات ....---.---.... 352

کمپوزنگ ....---.---.... عزیز کمپوزنگ سنٹر لاہور 0344-4996495

زیر نگرانی ....---.---.... چوہدری محمد خلیل قادری

تحریک ....---.---.... چوہدری محمد ممتاز احمد قادری

ناشر ....---.---.... چوہدری عبدالمجید قادری

قیمت ....---.---.... =/250 روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ حنفیہ گنج بخش روڈ لاہور

قادری رضوی کتب خانہ۔ گنج بخش روڈ لاہور

Hello: 042-7213575, 0333-4383766

حسن ترتیب

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	افتتاحیہ	7
2	ابھی تو لوگ ترستے ہیں زندگی کیلئے	25
3	قرآن کتاب انقلاب	30
4	اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا	35
5	اسوۂ حضور ﷺ عظمتِ انسانیت کا معیار	44
6	کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں	48
7	ایٹمی توانائی انسانیت کیلئے حیات بخش ہے	51
8	رہبر اعظم کا پیغام انسانیت	54
9	حضور نبی کریم ﷺ امن و سلامتی کے علمبردار	58
10	سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف	63
11	محمد ﷺ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی	68
12	اقبال کا عشق رسول ﷺ	72
13	اقبال کا فلسفۂ جہاد	76
14	علامہ محمد اقبال	79
15	ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں	82
16	کشمیر بنے گا پاکستان	86
17	آزادیٔ کشمیر۔ وقت کا تقاضا	94
18	پاکستان میری پہچان	99
19	افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر	104
20	قسم اس وقت کی	109
21	میں نہیں جانتا' میں نہیں مانتا	113
22	فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں	116
23	اسلام دہشت گردی نہیں' امن چاہتا ہے	120

24	سہارا جو کسی کا ڈھونڈتے ہیں بحر ہستی میں	125
25	اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے	128
26	یوم دفاع پاکستان	132
27	بہترین مشغلہ۔ مطالعہ کتب	135
28	یوم آزادی	138
29	صلۂ شہید کیا ہے تب و تاب جاودانہ	142
30	American War Under Table	147
31	ہم تو شرمندہ ہیں اس دور کے انساں ہو کر	151
32	پاکستان کا نظام تعلیم اور اس کا معیار	155
33	محنت کی عظمت	160
34	سعی مسلسل کامیابی کا راز ہے	164
35	بیسویں صدی کا عظیم راہنما...... میری نظر میں	168
36	ہمارا آج آنے والے کل سے بہتر ہے	171
37	قومی زبان ترقی کی ضامن ہے	174
38	زندگی کا حسن پیسہ ہے	178
39	بول کہ لب آزاد ہیں تیرے	182
40	تیری زندگی اسی سے تیری آبرو اسی سے	186
41	پاکستان کی معاشی ترقی کا راز ایٹمی قوت میں ہے	191
42	ارض پاکستان ...... ایٹمی قوت	194
43	پاکستان ایٹمی قوت اور اکیسویں صدی کے تقاضے	197
44	یوم یکجہتی پاکستان	201
45	منشیات کی لعنت اور اس کا تدارک	205
46	آزادی...... انعام خداوندی	211
47	فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا	214
48	یوم دفاع پاکستان	218
49	فقط ذوق پرواز ہے زندگی	222

۵۰	پاکستان کے سیاسی حالات اور تعلیمی فکر	226
51	تعمیرِ وطن میں طلبہ کا کردار	230
52	لڑکیوں کیلئے تعلیم کی اہمیت	234
53	ہیپاٹائٹس...... بیماری یا عذاب	238
54	ہم نے ساٹھ برسوں میں کیا کھویا کیا پایا	242
55	ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے	246
56	نرم دم گفتگو گرم دم جستجو	250
57	شاعرِ مشرق کو سلام	254
58	یومِ تکبیر اور طلبہ کا کردار	258
59	محسنِ ملت ڈاکٹر عبدالقدیر خاں	261
60	ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی	267
61	نماز مومن کی معراج ہے	271
62	فرزندِ روزگار......امام احمد رضا	275
63	اکیسویں صدی تباہی و بربادی کا پیغام	281
64	نعت-اِنعامِ خُداوندی	288
65	رہ گئی رسمِ اذاں رُوحِ بلالی نہ رہی	295
66	مناصبِ رسول	299
67	بعد از خُدا بزرگ تُوئی قصہ مختصر	306
68	تقریبِ پذیرائی	311
69	تقریب الوداع	317
70	اِتحادِ ملتِ اسلام	322
71	''معاشرتی بگاڑ کے ذمہ دار کون''	328
72	اقبال اس چمن کی رگوں میں سما گیا	332
73	کفایت شعاری	339
74	ہم سب ایک قوم ہیں	342
75	کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے	348

انتساب

اپنے خاندان کے جدِّ اعلیٰ، دینی اور سماجی لحاظ سے پورے علاقہ کی انتہائی سربلند شخصیت، مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں اور سکھوں کے لئے بھی قول فیصل کا درجہ رکھنے والے ڈیڑھ صدی قبل کے ممتاز مُسلم راہنما محترم جناب

میاں بدرالدین خاں رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جن کے فیضان اور روحانی کمالات کی صدائے بازگشت آج بھی اس علاقے کا اعزاز ہے اور معتبر تذکروں کے مطابق مدتوں کوٹلی نواب سعد اللہ خاں انہی کے نام سے اپنی پہچان منواتا رہا۔

پروفیسر محمد اکرم رضا

افتتاحیہ

اصحابِ تقریر وخطابت کیلئے ضروری اُمور اور ہدایات

خطابت محض ایک لفظ ہی نہیں بلکہ اپنے دامن میں ابلاغ واشاعت کی بیشمار رعنائیاں لئے ہوئے ہے۔ وہ باتیں جو ایک انشاء پرداز ایک طویل مضمون میں اپنے قارئین تک پہنچاتا ہے، ایک سحر طراز خطیب اسی بات کو کم سے کم لفظوں میں اس طرح اجتماع عام کے دلوں میں بسا دیتا ہے کہ عقل وخرد حیران رہ جاتے ہیں۔ تقریر لفظوں کی جادوگری ہے۔ برمحل الفاظ' موزوں جذبات اور بے کران خیالات کے سمندر کو مختصر سے پیمانے میں سمونے کی ساحری ہے۔ تہذیب ہستی ہو یا تاریخِ عالم، تقریر وخطابت کا ہمیشہ سے ایک روشن کردار رہا ہے اور تاریخِ سیاست میں لازوال نقوش ثبت کرنے والے بلند لوگ شہرۂ آفاق مقررین بھی ثابت ہوئے ہیں۔

اصحابِ فکر وادب کے میدان میں آئیں تو کہیں نواب بہادر یار جنگ دلوں کو تسخیر کرتے نظر آتے ہیں تو کہیں مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا حامد رضا خاں' مولانا حشمت علی خان پیلی بھیتی' مولانا ظفر علی خاں' مولانا محمد علی جوہر' مولانا شوکت علی' آغا شورش کاشمیری' اپنی خداداد صلاحیتوں کا لوہا منواتے دکھائی دیتے ہیں۔ دین ومذہب کے وسیع میدان میں دیکھیں تو سید عطا اللہ شاہ بخاری' پیر سید فیض الحسن شاہ آلومہاروی' محدث اعظم مولانا سردار احمد، رشید ترابی، علامہ طالب جوہری، مولانا محمد بخش مسلم، پیر محمد کرم شاہ الازہری، ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی صلاحیتیں اپنا جادو جگاتی محسوس ہوتی ہیں۔ اسی دور میں برصغیر کی تاریخ آزادی کا رُخ موڑنے والا

قائدِاعظم محمد علی جناح خطابت کا اعزاز بن کر اُبھرتا ہے اور ملّتِ اسلامیہ کو پاکستان کا تمغۂ آزادی عطا کرتا ہے۔ اسی دوران میں مولانا غلام محمد ترنّم' علامہ ابوالحسنات قادری' میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ' شیرِ بنگال مولوی فضل الحق' مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا عبدالغفور ہزاروی کی صدائیں بھی دلوں کو متاثر کرتی نظر آتی ہیں۔

غرض کس کس دَور کا ذکر کیجئے' اور کس کس فرزندِ روزگار کو خراجِ عقیدت پیش کیجئے۔ تاریخِ عالم کے سب سے بڑے خطیب اور فصیح اللّسان مقرر ہمارے آقا و مولا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جنہوں نے تلوار کی نوک سے نہیں بلکہ اپنی فصاحت و بلاغت سے بیشمار دلوں کو تسخیر کرلیا۔ عربوں کو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز تھا اور یہ ناز برحق بھی تھا کہ اس دَور کے جنگ آزماؤں نے اپنی تقاریر سے جنگوں کے رُخ موڑ دیئے' لیکن ''افصح العرب'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خداداد فصاحت نے تو اقوامِ عالم کو تسخیر کرلیا۔ ان کے دل بھی جیتے' دماغ بھی فتح کئے اور اپنی زبان کی تاثیر سے تلوار کی نوک کا کام لیا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو فصاحت و بلاغت مسلمان کی میراث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک ایسے بیشمار مسلمان فُصحاء بزمِ ہستی پر اُبھرے جن کے جوشِ خطابت کے بہاؤ نے حوادث کے سمندروں کے رُخ موڑ دیئے۔ ورنہ جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا عالم ہے وہ تو ہر مثال سے بلند تر مقام رکھتی ہے' اور یہ عین اعترافِ حقیقت ہے کہ ؎

ترے سامنے ہیں لُچے دَبے فُصحاء عرب کے بڑے بڑے
یوں کہ جیسے مُنہ میں زُباں نہیں' نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

اور پھر ''افصح العرب'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ خطابت اُس وقت عُروج کی آخری سرحدوں کو چُھو رہی تھی جب غزوۂ حُنین میں بارہ ہزار مسلمانوں میں سے صرف چند مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں رہ گئے تھے۔ تیروں کا مینہ برس رہا تھا۔ کفّار ہزاروں کی تعداد میں چراغِ مُصطفوی کو بُجھانے کیلئے سرتوڑ کوششیں کر

رہے تھے، مگر سالارِ اعظم ﷺ کے چہرے پر کوئی پریشانی نہیں تھی۔ آپ سفید خچر پر سوار تھے اور جرأت و ہمت کا کوہِ گراں بن کر فرما رہے تھے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ
اَنَا ابْنُ عَبْدُالْمُطَّلِبْ

یعنی میں نبی ہوں، اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔

اور سن لو! میں سیّدنا عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

حضور ﷺ کی خطابت جرأتِ ایمان، عزم و عمل اور ہمت و شوکت کا پیغام بن گئی اور بھاگتے ہوئے مسلمان تھم گئے، اور یہ عظیم الشان معرکہ تھوڑی دیر میں ہی مسلمانوں نے جیت لیا۔ یہ ہے شانِ خطابت کا کمال۔

تاریخِ اسلام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ، حضرت خالد رضی اللہ عنہ سیف اللہ، حضرت حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، صلاح الدین ایوبی کی خطابت کی صدائے بازگشت آج تک گونج رہی ہے۔

ہٹلر، نپولین، جمال عبدالناصر، چرچل اور ذوالفقار علی بھٹو کی ولولہ انگیز خطابت سے کون آگاہ نہیں۔ انہوں نے اپنی شانِ خطابت سے مُردہ قوموں کو زندہ کر دیا۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے سب سے بڑے خطیب تھے، جن کے خُطبات سے عباسی حکمرانوں پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔

خطابت کی داستان کہیں سے بھی چھیڑیں، سُلطانِ دو عالم ﷺ کی فصاحت و بلاغت ہمیشہ تاریخِ اسلام کا اعزاز بنی رہے گی۔ آپ کی نسبت سے اُمّتِ محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء کو خطابت ورثہ میں ملی ہے۔

فصاحت کیا ہے؟ کسی بھی بات کو اس وضاحت اور حُسنِ ادا سے بیان کرنا کہ سُننے والوں کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو جائیں۔ بلاغت کیا ہے؟ بہت بڑی بات کو اختصار کے ساتھ اس طور بیان کرنا کہ حاصلِ ادب ٹھہرے۔

یہی فصاحت و بلاغت کا حُسن ہے جو صاحبِ اسرارِ کُل ﷺ کی وساطت سے اہلِ اسلام کا مقدر بنا، حق تو یہ ہے کہ

خطابت کیا؟ کمالِ فکر کی بالاتری ہے
خطابت کیا؟ وقارِ زندگی کی ساحری ہے
خطابت کیا؟ جمالِ بزم کی تنویر ہے
خطابت کیا؟ جمالِ فکر کی تصویر ہے
خطابت کیا؟ شرارِ آرزو بھڑکا ہوا ہے
خطابت کیا؟ گلابِ زندگی مہکا ہوا ہے
خطابت کیا؟ نگارِ علم کا حسنِ عمل ہے
خطابت کیا؟ خروشِ فکر و حکمت برمحل ہے
خطابت کیا؟ حسین الفاظ کا اک آبشار ہے
خطابت کیا؟ سراسر رحمتِ پروردگار ہے
خطابت کیا؟ بہارِ جوشِ ایماں کا وفور ہے
خطابت کیا؟ فروزاں صورت قندیلِ نور ہے
فکر و الفاظ و معانی کی حسیں تنویر ہے
سحر میں سب کو بہالے جائے وہ تقریر ہے

(محمد اکرم رضا)

......O......

ایک مقرر کیلئے اپنے جوشِ خطابت کو منوانا اور مطلوبہ نتائج حاصل کرنا اہم چیز ہے۔ وہ ساری محنت اور تگ و دَو اسی لئے کرتا ہے کہ اپنی انفرادیت کا جادو جگا سکے۔ نثر اور نظم کی نسبت اچھی، پرجوش اور جذباتی تقریر مقرر کو بہت جلد شہرت سے ہمکنار کرتی ہے۔ اس لئے مقرر کو بھی بورڈ یا یونیورسٹی کی متعین کردہ حدود کو

پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ تقریر فقط لفاظی یا لفظوں کی جادوگری کا نام نہیں بلکہ اس میں بہت سے دیگر عوامل بھی کارفرما ہوتے ہیں۔ مثلاً

☆ تقریر کا اُتار چڑھاؤ۔ لفظوں کا زیروبم۔
☆ مناسب وقت پر حُسنِ خطابت کی جلوہ گری۔
☆ موضوع کے حسبِ حال اپنے چہرے یا الفاظ کی بدولت شرحِ حال کرنا۔
☆ غیر معمولی جوش وخروش سے پرہیز کرنا۔
☆ سامعین سے زیادہ مُنصفین کی جانب اپنی توجہ رکھنا۔
☆ لاؤڈ اسپیکر سے مناسب فاصلہ پر رہنا۔
☆ سامعین کی داد سے خوش یا بے داد سے مایوس نہ ہونا کیونکہ فیصلہ تو مُنصفین نے کرنا ہے۔

اب ہم چند ضروری عوامل کی تفصیل عرض کرنا چاہیں گے۔

تقریر کی تیاری

مقرر کو تقریر کی تیاری خوب کرنی چاہیے۔ خود لکھے یا کسی صاحبِ فن سے لکھوائے۔ اسے اچھی طرح یاد کرے اور اسٹیج پر آئے تو اس شان کے ساتھ کہ ہر گام پر یہی احساس ہو کہ یہ تقریر اس کو کسی نے لکھ کر نہیں دی بلکہ یہ اس کے اپنے ذہن کی بلندی ہے۔ تقریر زبانی کرے۔ کاغذ سے کسی صورت مدد نہ لے۔ کاغذ کی مدد لینے سے ایک تو حاضرین پر بُرا اثر پڑتا ہے اور دوسرے منصفین کا اعتماد مجروح ہوتا ہے۔ رٹی رٹائی تقریر میں بھی لہجہ ایسا رکھے کہ تقریر اس کی اپنی ادبی صلاحیتوں کی ترجمان محسوس ہو۔ تلفظ کی درستگی اور ادائیگی کا خاص خیال رکھے۔

سٹیج پر آمد

مقرر خوبصورت انداز سے سٹیج پر آئے۔ لباس صاف ستھرا اور اس کے جسم پر سجتا ہو۔ سٹیج پر پہلوانی شان کے ساتھ نہیں بلکہ عالمانہ وقار کے ساتھ نمودار ہو۔

اس کے چہرے اور حرکات و سکنات سے ادبی وقار ٹپکتا ہو۔ وہ ایک دو لمحات کیلئے طائرانہ نظر سے صورتِ حال کا جائزہ لے اور تقریر کا آغاز کر دے۔

تقریر کا آغاز

تقریر کے آغاز ہی میں شدّتِ گفتار کا مظاہرہ کرنا نہ شروع کر دے بلکہ سامعین اور خاص طور سے منصفین کی طرف دیکھ کر متوازن اور ہموار لہجے میں تقریر کا آغاز کرے۔ اس سے اس کا انداز مستحکم ہو جائے گا اور سبھی اس کی جانب متوجہ ہو جائیں گے، یہی تقریر کا آغاز ہے۔ اب وہ آہستہ آہستہ اپنی تقریر کو لب و لہجہ کا شکوہ عطا کرے۔ یوں محسوس ہو جیسے اس کے لبوں سے ٹپکنے والا ہر لفظ سامعین کے دلوں پر نقش ہو رہا ہے۔ اگر مقرر اس مقام کو سر کرنے میں کامیاب ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کی تقریر نے اس ایوان میں اپنا مؤثر مقام بنا لیا ہے۔

کلائمیکس یا نکتۂ عروج

جب سامعین ہمہ تن مقرر کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ جب منصفین اپنی پوری توجہ سے اسکی تقریر کا زیر و بم ملاحظہ کرنے لگیں، اور ہر گام پر احساس ہونے لگے کہ

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہی وقت مقرر کے ماحول پر چھا جانے کا ہوتا ہے، کامیابی اس کے قدموں کے قریب آنے لگتی ہے۔ بشرطیکہ تقریر جاندار ہو، نفسِ مضمون دلکش اور برمحل ہو۔ مقرر کوشش کرے کہ ایسے موقعہ پر اس سے کوئی بھول نہ پیدا ہونے پائے اور اس کے الفاظ اپنی پوری تاثر انگیزی کے ساتھ دلوں کی خلوتوں میں جگہ بنانے لگیں۔

اختتامیہ

یہاں مقرر اپنے لہجے کو پُر اثر تاثر بناتا ہے۔ اپنے مدّعا کو اس طرح سے

منطقی انجام کی طرف لاتا ہے کہ سُننے والے ہمہ تن گوش ہوتے ہیں۔ اس کی تقریر کا بہاؤ اپنے آپ سمٹتے سمٹتے سننے والوں کو اپنی پُرتاثیر لَے کا اسیر بنا لیتا ہے۔ وہ اچانک ہی تقریر ختم نہ کر دے بلکہ آہستہ آہستہ کہیں جوش اور کہیں مدھم لہجے کے ساتھ اختتام کی طرف آئے جیسے پُرشور ندی پہاڑوں سے ٹکراتی اور راستہ بناتی ہوئی ایک خوبصورت لَے کے ساتھ زمین کو چھو لیتی ہے۔

مُنصفین اور مقرّر

مقرر کو سامعین سے کہیں زیادہ مُنصفین اور صاحبِ صدر کی طرف توجہ رکھنی چاہیے کیونکہ نمبر تو سامعین نے نہیں بلکہ منصفین نے دینے ہوتے ہیں، جو بے تاثر چہروں کے ساتھ اس کی تقریر کا اُتار چڑھاؤ اور مقرر کی سامعین پر مقررانہ گرفت ملاحظہ کر رہے ہوتے ہیں۔ ایوانِ خطابت کے منتظمین کو لاؤڈ سپیکر کا نظام اس طور رکھنا چاہیے کہ منصفین پوری صحتِ لفظی کیساتھ تقریر کو سماعت کر سکیں۔

حرکات وسکنات

تقریر میں حرکات وسکنات بھی خطابت کا حصّہ ہوتی ہیں' مگر یہ حرکات و سکنات برمحل اور تقریر کے عین مطابق ہونی چاہئیں۔ کہیں مقرر کا لہجہ دھیما ہوتا ہے، کہیں پر جوش اور ساحرانہ انداز لئے ہوئے ہوتا ہے، کہیں اس کے لہجے سے غم و اندوہ کا انداز ٹپکتا ہے۔ کہیں وہ صاحبِ صدر کی طرف دیکھتا ہے، کہیں سامعین اور منصفین کی طرف۔ اسے ساکت و صامت بھی نہیں رہنا چاہیے مگر بے ہنگم اُچھل کود کا مظاہرہ بھی نہیں کرنا چاہیے۔ تقریر کے درمیان پُرجوش انداز سے ہاتھ بلند ہوں تو الفاظ کا عروج بھی ہمنوا ہونا چاہیے۔ وہ اُنگلی کا اشارہ کرے تو خطابت کی نکتہ آفرینی بھی ساتھ دے۔ اسے ڈائس سے اپنا رشتہ منقطع کر کے دائیں بائیں گھومنا نہیں چاہیے۔ اُسے ہر لمحہ یہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے کیا اس کی جسمانی حرکات بھی اسی طور اُس کا ساتھ دے رہی ہیں۔ اگر تقریر کی ادائیگی

اور حرکات و سکنات میں ہم آہنگی نہ رہی تو تقریر اپنا وقار کھو بیٹھے گی۔

تقریر ایسی ہو کہ جو ہو جوش و جذبہ کی اسیر
گاہ مدھم، گاہ پورے جوش پر اور گاہ جذبوں کی سفیر

سامعین اور حاضرین کا رویّہ

سامعین اور حاضرین کسی کے سگے نہیں ہوتے۔ انہیں ایسی محافل میں موقعہ بے موقعہ مذاق سُوجھتا ہے۔ کبھی بے تحاشا شور مچاتے ہیں، اشارے کرتے ہیں، عجیب وغریب چہرے بناتے ہیں۔ یہ سب مقرر کا حوصلہ پست کرنے کی باتیں ہیں۔ مقرر کو ان سے مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ نتائج کا اعلان انہوں نے نہیں بلکہ مُنصفین نے کرنا ہوتا ہے جو ایسے مشکل مقامات پر بھی مقرر کا اعتماد دیکھتے ہیں۔ یہی اعتماد اسے مجموعی تاثر کے نمبر عطا کرتا ہے۔ جبکہ تلفّظ اور نفسِ مضمون کے نمبروں کا سامعین کے شور و غور کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور پھر سامعین ہر موقعہ اور ہر لحہ ایسا نہیں کرتے بلکہ جب مقرر کی تقریر اور الفاظ کا زیر و بم اپنے عُروج پر ہوتے ہیں تو لپکتی ہوئی زُبانیں خود بخود بند ہو جاتی ہیں۔ قہقہے رُک جاتے ہیں اور حاضرین کے مضحکہ خیز چہرے حوصلہ افزائی کی چمک سے مُنوّر ہونے لگتے ہیں۔ یہاں جوش و جذبہ کا اعتدال، لفظوں کی بے ساختگی اور حُسنِ گفتار کی موزونیت چاہیے۔

حاضرین کے تاثرات سے بے نیازی

مقرر کو اپنی تقریر سے لگاؤ ہونا چاہیے۔ اسے یہ حقیقت مدِّنظر رکھنی چاہیے کہ اس نے چار پانچ یا سات منٹ میں اپنی تقریر مکمل کرنا ہے۔ وہ کسی طور بھی ہراساں نہ ہو، پریشانی قریب نہ آنے دے۔ سامعین کی داد سے خوش یا بے داد سے غمگین نہ ہو۔ اگر شعر پڑھے اور سامعین زبردست تالیاں بجائیں تو سامعین کی پذیرائی کے جوش میں آ کر وہ شعر بار بار نہ پڑھنے لگے۔ اس طرح سامعین تو داد سے نواز دیں گے مگر تقریر کا دورانیہ کم سے کم ہوتا چلا جائے گا۔ تقریر کے دورانیہ کو

ہر صورت مدنظر رکھنا ہے، اگر تقریر کے دورانیہ سے زیادہ آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا تو منصفین کی طرف سے اس کے نمبروں میں کمی ہوتی جائے گی اور اپنے پاؤں پر آپ ہی کلہاڑی مارنے والے کو کوئی بھی صاحبِ شعور نہیں کہتا۔

تقریر کی تیاری

مقرر کسی اچھے استاد سے جو مقرر بھی رہا ہو تقریر لکھوائے۔ تقریر دورانیہ سے آدھ منٹ کم ہی ہونی چاہیے تاکہ وہ اعتماد سے گفتگو کر سکے، سانس لے سکے، حرکات وسکنات سے متاثر کر سکے۔ ورنہ اگر تقریر دورانیہ سے زیادہ ہو گی تو اسے تیز رفتاری سے بولنا پڑے گا۔ ایسی تیز رفتاری کو تقریر نہیں بلکہ گھوٹا کہا جاتا ہے۔ ہر لحہ یہی خوف دامن گیر رہتا ہے کہ وہ گھنٹی بجنے تک اپنی تقریر ختم کر لے۔ اس طرح اس کی تقریر بے جان لفظوں کا ڈھیر نظر آئے گی اور اس میں شانِ خطابت کا وقار بھی نظر نہیں آئے گا تو پھر ایسے بے ہنگم عمل کا کیا فائدہ؟

تقریر کے اہم اُمور

تقریر تین عوامل پر مشتمل ہوتی ہے۔ تلفظ کی دُرستگی، تقریر کے مواد کی برجستگی اور عُنوان کے مطابق ہونا۔ منصفین یہ بھی دیکھتے ہیں کہ مقرر کی تقریر کا مجموعی تاثر کیا ہے۔ اس ضمن میں اساتذہ کو بھرپُور راہنمائی کرنی چاہیے۔ لُغت اور دوسرے ادبی وسائل کی مدد سے تقریر کا تلفظ دُرست سے دُرست تر ہونا چاہیے۔ نفسِ مضمون (مواد) میں جہاں الفاظ کا شکوہ خطابت کا وقار جگمگاتا نظر آئے وہاں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ تقریر کا باطنی حسن نفسِ مضمون تقریری مواد ہے۔ اس لئے اساتذہ کو طلبہ کی راہنمائی کرتے ہوئے تقریر میں درست اور تاریخی وادبی لحاظ سے برمحل مواد دینا چاہیے جو منصفین کو علمی طور پر متاثر کر سکے۔ اسی طرح طالب علم کو تقریر کے نشیب وفراز اور الفاظ کے زیر و بم کا ڈھنگ سکھانا چاہیے تاکہ ان کا طالب علم سٹیج پر اپنے ادارہ کے اعزاز میں اضافہ کر سکے۔ اس کے ساتھ ہی

اساتذہ کو اپنے طالب علم کو سمجھا دینا چاہیے کہ سٹیج پر کس طور سے آنا ہے۔ حاضرین اور منصفین کے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہونا ہے۔ صدرِ محفل کی طرف اس نے کب اور کس طرح متوجہ ہونا ہے۔ اشارہ کرنا ہے تو کس طرح کرنا ہے۔ سٹیج ایک آزمائش گاہ ہوتی ہے، اس پر ایسے بھی نہیں جانا چاہیے جیسے محمود غزنوی کی سومنات میں آمد ہوئی تھی، اور نہ ہی اس طرح لرزیدہ بدن جانا چاہیے کہ حاضرین مقرر کی سہمی ہوئی صورت دیکھ کر قہقہے برسانے لگیں اور مقرر پہلے ہی ہلّے میں سٹیج سے دستبردار ہونے پر مجبور ہو جائے۔ بہرحال اساتذہ کو نہایت ذمّہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے طالب علم کی تربیت کرنی چاہیے۔ تقریر مقابلہ سے چند یوم قبل تیار ہو جائے تو اچھا ہے' اس طرح مقرّر کو اسے یاد کرنے کا خُوب خُوب موقعہ مل جاتا ہے۔ اور نفسیاتِ انسانی شاہد ہے کہ مقرّر اس تیاری سے فائدہ اٹھائے گا۔ جب روزانہ بار بار تقریر دُہرائے گا تو تقریر کے الفاظ اُس کے وجدان کا حصّہ بن چکے ہوں گے اور وہ جو کچھ سٹیج پر کہے گا وہ اس کی ذاتی محنت کا کمال نظر آئے گا۔ اگر ایسا ہو جائے تو یہی مقرر کے مقابلہ جیتنے کی تمہیدِ اوّل ہے۔

اشعار کا حُسنِ استعمال

شعر کا ایک قدرتی حُسن ہوتا ہے۔ موزوں اور خُوبصورت شعر بعض اوقات مُنصفین کی تمام تر توجہ سمیٹ لے جاتا ہے جبکہ غیر موزوں، مُہمل اور بے مقصد شعر تقریر کے اصل حُسن کو بھی برباد کر دیتا ہے۔ اس لئے تقریر کے لئے ایسے اشعار کا استعمال کیجئے جن کی معنویت اور حُسنِ استعمال تقریر کے وقار کو کہیں سے کہیں پہنچا دے۔ شعر کو تقریر میں اس طرح استعمال کیجئے کہ وہ تقریر کا باقاعدہ حصّہ معلوم ہو۔ ورنہ "بقولِ شاعر" کہہ کر بار بار شعر پیش کرنے سے تقریر اپنی رہی سہی عزّت بھی کھو بیٹھے گی۔ اس ضمن میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ تقریر میں اشعار کی تعداد بہت زیادہ نہ ہو ورنہ اچھے اشعار بھی کثرت کی بناء پر اپنی جاذبیت کھو بیٹھیں گے۔

تلفّظ۔ تقریر کی جان

تلفّظ پر خصوصی توجہ دی جائے۔ اساتذہ سے بھرپور راہنمائی لی جائے۔ ڈکشنری سے مدد لی جائے۔ ہر استاد تلفّظ کا ماہر نہیں ہوتا اس لئے ''اساتذہ'' سے مراد ایسی شخصیات ہیں جو تقریر اور تلفّظ میں کمال رکھتی ہیں۔ مقررین کی کلاسوں کے اساتذہ بھی کسی قسم کی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کریں بلکہ خُوب سے خُوب تر کی تلاش میں اپنے طالب علم کو ہر ممکن ادبی آسانی فراہم کریں، اگر خود مدد نہیں کر سکتے تو اس فن کے ماہرین سے مدد لینے کو انا کا مسئلہ نہ بنائیں۔

مقرّر کی تقریری تربیت

کوئی آدمی پیدائشی مقرر نہیں ہوتا۔ اس کی ذہانت اور اس کے اساتذہ کی راہنمائی اسے قبولیتِ عام کا درجہ عطا کر دیتی ہے۔ جب کسی طالب علم کے دل میں مُقرّر بننے کا احساس پیدا ہوتا ہے تو اس کے لئے مُشکل ترین مرحلہ سامعین کا سامنا کرنا ہے۔ شروع شروع میں مقرر جب سٹیج پر آتا ہے تو اسے حاضرین خونخوار شیروں کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ اساتذہ لاکھ سمجھاتے ہیں کہ سامعین سے گھبرانا نہیں بلکہ انہیں بے جان پتھر یا درخت سمجھ کر ڈٹ کر بولنا چاہیے۔ مگر سٹیج پر آتے ہی جب مقرر حاضرین کو بولتے اور مضحکہ خیز رویّہ اپناتے دیکھتا ہے تو وہ لرز اٹھتا ہے کہ یہ کیسے بے جان پتھر اور درخت ہیں جو مسکرا بھی رہے ہیں اور حیرت انگیز آوازوں سے اس کا استقبال بھی کر رہے ہیں۔ مقرّر کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر اس نے سٹیج نہ چھوڑا تو فوراً گر کر بے ہوش ہو جائے گا۔ یہ گھبراہٹ فطری ہے اور بڑی مشکل سے دُور ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں اساتذہ اپنے طالب علم کی بھرپُور حوصلہ افزائی کریں۔ روزانہ اسے ایک کلاس کے سامنے تقریر کرنے کا موقع دیا جائے۔ اس طرح آہستہ آہستہ اس کا اعتماد بحال ہو جائے گا۔ جب وہ اس تقریری ریاضت کے بعد سٹیج پر آئے گا

تو سامعین اُسے دُشمن نظر نہیں آئیں گے بلکہ اُسے یُوں لگے گا جیسے وہ اسی کی تقریر سُننے کے لئے آئے ہیں۔ یہ خیال اُسے خُود اعتمادی عطا کرے گا۔ پہلے دو منٹ خُوب گُزر گئے تو پھر آگے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیریت ہوگی۔ اس ضمن میں تقریر بہترین انداز سے یاد ہونی چاہیے، مگر اس کے ساتھ ساتھ سامعین کے تیور اور ان کے جذبات بھی پیشِ نظر رکھے جائیں تو تقریر اپنا حسین تاثر قائم کر سکے گی۔

تقریر کا انتخاب

اگر تقریری مقابلہ میں کئی موضوعات ہوں تو ایسے موضوع کا انتخاب کیجئے جس کے حوالے سے زیادہ سے زیادہ مواد آپ کے پاس ہو۔ لائبریری میں زیادہ کُتب مُیسر آسکیں یا اساتذہ زیادہ سے زیادہ نکات آپ تک پہنچا سکیں۔ محض موضوع کا پُرشکوہ ہونا نہ دیکھیے بلکہ اپنے دامانِ مطالعہ اور ذخیرۂ علم کا جائزہ لیجئے کہ کس موضوع کے حوالے سے آپ علمی اور فکری طور پر زیادہ سے زیادہ خُود کفیل ہیں۔

تقریر کے لئے مقرّر کی عُمر

تقریر کے لئے مقرر کی کوئی عمر نہیں ہوتی۔ یہ تو خدا کی دین ہے۔ ذوق مطالعہ کی بالاتری ہے یا باطن سے اُبھرنے والے جذبات کی فراوانی ہے جو کسی کو کسی بھی لمحہ سٹیج کی زینت بنا سکتی ہے۔ بعض اوقات ہائی سکول کا ایک طالب علم غضب کا مقرر ہوتا ہے اور ڈگری کلاسز کو کامیابی سے پڑھانے والے پروفیسر صاحبان تقریر کے تصور سے ہی لرز اُٹھتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ وہی پروفیسر صاحب جو نہایت ذہین ہیں اور اُن کی کلاس اُن کے اندازِ تدریس کی مُعترف ہے، لیکن جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ آج جو کچھ آپ نے بڑی کامیابی سے پڑھایا ہے اسی کے حوالے سے شہر کے ایک ایوان میں دس منٹ خطاب فرما دیجئے تو ان پر لرزہ طاری ہو جائے گا اور کہے گا کہ میں پروفیسر تو ضرور ہوں مقرّر نہیں ہوں۔ اب انہیں کون سمجھائے کہ جناب آپ تیس سال پڑھانے کے بعد پروفیسر بنے ہیں۔

تیس سال قبل تو آپ لیکچرار تھے اور لیکچرار کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ کسی موضوع پر اظہارِ خیال کر سکے۔ معلوم نہیں ''تقریر'' کا لفظ اتنا خوفناک کیوں ہے کہ بڑے بڑے سینئر پروفیسر حوادث کا سامنا تو کرلیں گے مگر بے ضرر انسانوں کے سامنے خطاب کے تصور سے لرز اٹھیں گے۔

راقم کی ساری زندگی پہلی جماعت سے بحیثیت پروفیسر ریٹائرمنٹ تک سٹیج پر گزری ہے۔ کثرتِ مطالعہ نے مجھے اتنا حوصلہ دیا کہ تمام موضوعات میرے لئے ایک جیسے ہوگئے۔ کالج سے نکل کر شہر اور پھر پورے وطن کے کالجوں، ادبی فورموں، علمی ایوانوں اور مذاکرہ گاہوں میں ہزاروں تقریریں کر ڈالیں۔ بعض منٹوں پر اور بعض گھنٹوں پر محیط تھیں۔ مجھے سب کچھ میرے بے پناہ مطالعہ نے سکھایا یا پھر اوائلِ عُمر میں بلند پایہ مقررین کو کثرت سے سُنا اور محض ایک مقرر کو سُننے کے لئے بیس بیس میل سائیکل کا سفر کیا۔ ایک پوسٹ گریجوایٹ کالج میں ۱۸۰ کے قریب اساتذہ کی تعداد تھی۔ کئی پی ایچ ڈی بھی تھے۔ لیکن تقریر کے نام سے سب لرزاں تھے۔ بس یہی حکم ہوتا آپ تقریر لکھ دیں۔ میں نکات بتاتا مگر وہ تقریر لکھنے کے لئے کہتے، اِدھر اتنے بڑے کالج کے طلبہ کی ادبی راہنمائی، مقابلوں کا انعقاد، اُدھر تقریر لکھنے کی فرمائش۔ طلبہ کی آواز تقریر لکھ دیں' اساتذہ کا حکم تقریر لکھ دیں' ڈائریکٹر تعلیمات کا فرمان تقریر لکھ دیں۔ وُزراء کا حکم تقریر لکھ دیں۔ معلوم نہیں کس کس کے لئے کیا کیا لکھا۔ طُلبہ کے لئے خوشی سے لکھا۔ اساتذہ کی فرمائشیں پُوری کیں۔ حُکّام کے حُکم کی تعمیل کی۔ وُزراء کے لئے حکم وزارت سمجھ کر لکھا۔ حتیٰ کہ ایک مرحوم صدرِ پاکستان کے لئے بھی تقریریں لکھیں۔ لاکھوں کے اجتماعِ عام میں گھنٹوں کی نقابت بھی کی۔ یہی نہیں میری شاعری' میری نثر، رسالے کی ادارت، قومی رسائل و جرائد کے لئے مضامین، اپنی کتابوں کی اشاعت، یہ سب اُمور اپنی جگہ مگر تقاریر لکھنے کا تکلیف دہ حکم اپنی جگہ اٹل۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ بڑی منت سماجت اور

معذرت سے پروفیسر صاحبان کو سمجھایا کہ اپنے طلبہ کے سامنے مثال بنیں۔ آپ اپنے علم پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔ خُدارا کتابوں سے بھی پیار کیجئے۔ کہتے ہیں خلوص و محبت کی اپنی زبان ہوتی ہے۔ یہ زبان تھوڑا بہت اثر کرگئی۔ بعض اساتذہ گاہے اور دو تین مسلسل سٹیج کی زینت بننے لگے۔

میرا مقصود یہ تھا کہ مقرر بننے کے لئے عمر کا کوئی تعین نہیں ہوتا۔ بعض اوقات اچانک ایسے لمحات آ جاتے ہیں کہ رُک رُک کر بولنے والے یکلخت نہایت استدلالی انداز سے روانی سے بولنے لگتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے قضا و قدر نے ان کے لئے لحہ خاص مقرر کر رکھا تھا۔ ان کے مقابلہ میں بعض ہائی سکولوں اور کالجوں کے طلبہ کا تقریر کا شوق رُکنے میں نہیں آتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی دین ہے مگر ساری زندگی لکھواتے لکھواتے تو گزار نہیں دینی چاہیے۔ مقررین کو یہ بات خاص طور پر یاد رکھنی چاہیے کہ بعض اوقات کئی کُتب تصنیف کرنے کے بعد بھی انسان کو وہ شُہرت نہیں ملتی جو راتوں رات ایک شُہرۂ آفاق تقریر کرنے والے کا مقدر بن جاتی ہے۔

عظمتِ تقریر اپنی شان یُوں دِکھلا گئی
یک بہ یک ہی رفعتیں تاریخ کی دِکھلا گئی
تھی وہ اک تقریر یا الفاظ کی تھی ساحری
وقت کی نوکِ زباں سے شہر کو گرما گئی

(محمد اکرم رضا)

تقریری مقابلہ یا مباحثہ

مقرر کو تقریری مقابلہ اور مباحثہ میں فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔ تقریری مقابلہ میں یا تو ایک عنوان ہوتا ہے جو تمام مقررین کے لئے ہوتا ہے یا کئی عُنوانات ہوتے ہیں جن میں سے اپنی پسند کا عنوان منتخب کر کے تقریر کرنا ہوتی ہے۔ مقرر کو عنوان

کے انتخاب میں ذہانت اور اپنی فکری قابلیت سے کام لینا چاہیے۔ منصفین اسی عنوان یا عنوانات کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ تقریر کا ایک لگا بندھا اصول ہے جس کے مطابق عمل کا پہیہ حرکت میں آ جاتا ہے۔

جب کہ اس کے مقابلہ میں مباحثہ میں آپ عنوان منتخب نہیں کر سکتے۔ وہاں ایک عنوان دیا گیا ہوتا ہے جسے ''قرارداد'' کہا جاتا ہے۔ عنوان ایسا ہوتا ہے کہ اس کی حمایت اور مخالفت میں دونوں اطراف سے بولا جاتا ہے۔ یہ تمام کارروائی اسمبلی کی طرح ہوتی ہے۔ اس میں صدرِ تقریب ہی سب کی تقریروں کا مرکز ہوتا ہے۔ ایک قائدِ ایوان ہوتا ہے جو زیر بحث قرارداد (عنوان) پر اپنے دلائل کا آغاز کرتا ہے۔ اس کے بعد قائد حزبِ اختلاف اسی قرارداد کے خلاف بحث اور دلائل سے کام لیتا ہے۔ اس میں مختلف کالجوں کے طلبہ میں سے ایک حمایت میں اور دوسرا مخالفت میں بولتا ہے۔ کالجوں کی ترتیب بدل جائے مگر حمایت اور مخالفت کی ترتیب وہی رہنی چاہیے۔ آخر میں موضوع زیر بحث یعنی قرارداد کے بارے میں حاضرین کی رائے لی جاتی ہے اور اس کے مطابق یا تو قرارداد منظور کر لی جاتی ہے یا مسترد کر دی جاتی ہے۔

مباحثے کا انداز تقریری مقابلہ سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ یہاں رٹا کام نہیں آتا۔ یہاں ہم نے زیادہ تر وہی مقرر کامیاب دیکھے ہیں جو اپنے دلائل خود تیار کرتے ہیں اور ایک ترتیب سے پیش کرتے ہیں جبکہ رٹا لگانے والا تقریر تو کر جائے گا مگر یہ تقریر مباحثہ میں اجنبی سی محسوس ہوگی۔ زیادہ بہتر ہے کہ آپ پہلے سے کچھ دلائل یا مباحث سوچ لیں اور عین وقت پر اپنے مقرر یا مقررین کے دلائل کا رَد کرنے کے لئے مزید نکات جمع کرتے جائیں تاکہ جب آپ بولنے لگیں تو اجنبی نہیں بلکہ اسی ایوان کا حصہ محسوس ہوں۔ اس میں حاضرین، سامعین یا طلبہ سے خطاب نہیں کیا جاتا بلکہ صرف اور صرف سپیکر (یا چیئرمین) کو خطاب کیا جاتا

ہے۔ تقریری مقابلہ کی نسبت مباحثہ میں زیادہ دلچسپی، جاذبیت اور توجہ کا احساس ہوتا ہے۔ جو مقرر حاضرین کی توجہ اپنی جانب مبذول کروانے میں کامیاب ہو گیا (دلائل کی صورت میں) از خود حوصلہ افزائی اور تالیوں کا حق دار قرار پا گیا۔

مباحثہ میں آپ فریقِ مخالف کو زچ کرنے کے لئے طنزیہ کلمات یا مزاحیہ اشعار کا سہارا بھی لے سکتے ہیں۔ قائدِ ایوان اور قائد حزب اختلاف کی نوک جھونک اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔ آنے والے مقررین بھی طعنوں اور جگت بازیوں کی سنگباری خوب خوب کرتے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ جو کچھ کریں اخلاق اور مباحثے کے دلائل کی حدود میں رہ کر کریں۔ ورنہ آپ کا انداز بھانڈوں جیسا بن جائے گا جو ہنسا تو لیتے ہیں مگر ذلت بھی انہی کا حصہ بنتی ہے۔ اب تو گردشِ حالات نے تعلیمی اداروں کی تدریسی کارکردگی اور ہم نصابی سرگرمیوں پر اس شدت سے شب خون مارا ہے کہ جوہرِ قابل ہی دکھائی نہیں دیتا۔ تقریری مقابلے تو تھوڑے بہت ہو جاتے ہیں مگر مباحثوں کا تصور مٹتا جا رہا ہے۔ حالانکہ ایک کامیاب مباحثے کی صدائے بازگشت سال سال بھر کالج میں سُنی جاتی تھی اور طلبہ منتظر رہتے تھے کہ اگلا مباحثہ کب ہو گا۔

......O......

غرض تقریر لفظوں کی ساحری ہے، فقرات کی جادوگری ہے، شوکتِ گفتار کی صدرنگی ہے، فکر و مطالعہ کا اندازِ دلبری ہے، مقرر کے جذبوں کا پیغام ہے۔ خطیب کے حُسنِ خطابت کی ہر لحظہ نکھرتی ہوئی چاندنی ہے۔ تقریر جذبات کا شکوہ اور احساسات کا اظہارِ نَو ہے۔ یہ مقرر کی شہرت کے در کھلنے کی صدائے عام ہے، جو بولے تو پھول جھڑیں، محوِ تکلم ہو تو جواہر بکھریں، سٹیج پر جگمگائے تو سامعین کی نظروں میں ستارے اُتریں۔ اندازِ تقریر دلآرا ہو، ذوقِ تقریر جلوۂ زیبا ہو، نازشِ تقریر کا شوخ نغمہ جو گاہ دلوں میں اُتر جائے گا اور گاہ سُننے والوں کی سماعت کو اپنا اسیر بنا لے۔

مقررین نے اپنی شوکتِ گفتار سے فکر و نظر کے انقلابات برپا کئے۔ فکری

طور پر منجمد ذہنوں کو نئی زندگی کی بشارت بخشی، مُردہ دلوں کو جینا سکھایا، درماندہ اقوام کو وقت کا طلسم پارا پارا کرنے کا حوصلہ بخشا۔ آج بھی مُحبِّ وطن اصحابِ تقریر وخطابت اپنی صلاحیتیں چھوٹے چھوٹے مقاصد سے بلند ہو کر عظیم افکار کی بالاتری کے لئے صرف کریں تو وطنِ عزیز کی فضائیں ایک بار پھر حُبّ الوطنی کے جذباتِ نُور سے ضَوریز ہو سکتی ہیں۔

شوکتِ تقریر ہے الفاظ کی وہ کہکشاں
جس سے ہے گُلِ رنگ فطرت، جس سے دُنیا ضَوفشاں

چونکہ راقم (محمد اکرم رضا) کی اپنی زندگی نثر نویسی، انشاء پردازی، شاعری اور تحقیق وتنقید کے علاوہ تقریر وخطابت کی نذر ہوتی رہی ہے' اس لئے بچپن ہی سے سٹیج سے رشتہ قائم ہوا جو آج تک اسی تسلسل سے میرے شاملِ حال ہے۔ اس لئے ہر موضوع پر بڑے بڑے اسٹیجوں پر علمی تقاریر کا جادو جگانے کے ساتھ ساتھ کالج کے تدریسی ماحول میں ہم نصابی سرگرمیوں سے تعلقِ خاطر رکھنے والے طلبہ کی تقریری راہنمائی کا خوب خوب موقع ملا۔ گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ اور اس سے پہلے دوسرے کالجوں میں گزاری ہوئی تدریسی مدّت کے دوران میں یہ ذمّہ داریاں میرے سپرد رہیں اور میں نے بھی نسلِ نَو کی صلاحیتوں کو ادبی جگمگاہٹ عطا کرنے کے لئے بھرپور کردار ادا کیا۔ جو تقاریر، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اعلیٰ انعامات کی حق دار قرار پائیں، میں انہیں جمع کرتا گیا۔ اس کتاب کی اشاعت سے پہلے مختلف تقریری موضوعات پر راقم کی تین کُتب شائع ہو چکی ہیں جن کو ایجوکیشن بورڈ اور دوسرے اداروں نے اعزازات سے نوازا۔

ان کے نام یوں ہیں۔

☆ حُسنِ تکلّم
☆ رُوحِ تکلّم

☆ ضربِ تکلم

زیرِ نظر کتاب ''انعام یافتہ تقریریں'' پہلے سے شائع شدہ مجموعہ ہائے تقاریر سے ظاہری ضخامت اور عنوانات کے تنوع کے لحاظ سے زیادہ وُسعتِ بیان اور موضوعاتی رنگا رنگی کی حامل ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ تقریری مجموعہ اصحابِ ذوق کی توجہ کا مرکز و محور ٹھہرے گا اور میدانِ تقریر و خطابت میں اپنی خُداداد صلاحیتوں کا جادو جگانے والے اس سے بھرپور خوشہ چینی کریں گے۔ رانا محمد نعیم اللہ خاں حسبِ سابق اپنے علمی تعاون کے لئے میرے جذباتِ تشکُر کے حق دار ہیں۔ جبکہ چوہدری محمد خلیل ڈائریکٹر قادری رضوی کتب خانہ گنج بخش روڈ لاہور کا حُسنِ عمل، فکری وقار اور جذباتی شکوہ بھی لائقِ تحسین ہے جو ہمیشہ منزل کو نشانِ منزل سمجھتے ہیں اور بہتر سے بہتر کی تلاش میں ہر کتاب کے اشاعتی حُسن کو ایک روشن مثال بنانے کے لئے سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔

بے پناہ دُعائیں اپنے اُن مخلص کرم فرماؤں کے لئے جن کی محبتیں ہمیشہ میری تحریروں کے اشاعتی حُسن کی علامت بنی رہیں گی۔

پروفیسر محمد اکرم رضؔا

......○......

ابھی تو لوگ ترستے ہیں زندگی کیلئے

صدر والا قدر اور محترم حاضرین! آج کے علم آفریں ماحول میں مجھے جس موضوع پر اظہار خیال کرتا ہے' وہ ہے۔

کہاں کا عشق و محبت' کہاں کا حسن و جمال
ابھی تو لوگ ترستے ہیں زندگی کے لئے

جناب والا! یہ شعر گہرے کرب اور درد کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ یوں نظر آتا ہے کہ جیسے صدیوں کی آفاقی سچائی نے اس شعر کا لبادہ اوڑھ لیا ہو۔ ملال انگیز ساعتوں نے مستقل طور پر ہمارے عہد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو۔ زوال و ادبار نے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اپنے پنجے گاڑ دیئے ہوں۔ حسن و عشق قصہ ماضی کے فسانے بن گئے ہیں اور بوالہوسی و ریاکاری نے اپنا طلسم پھیلا دیا ہو۔ گوشت پوست کا بنا ہوا انسان مشینی دور میں پس رہا ہو۔ شرمندگی اپنا مقدر اور باوقار زندگی خواب بن گئی ہو۔ ایسے دور میں ایک حساس دل چیخ اٹھتا ہے کہ۔

ہونٹ خاموش ہیں' اک مرگ کا سناٹا ہے
ہم تو شرمندہ ہیں اس دور کے انسان ہو کر

والا قدر! حسن و جمال کا جادو بے شک سر چڑھ کر بولتا ہے۔ حسن و جمال کی لطافتوں سے دلوں کے گلستاں مہکتے اور زندگی کے شگوفے چٹکتے ہیں۔ حسن قدرت کا انداز زیبائی ہے' جلوۂ رعنائی ہے' روح کا قرار ہے' غموں کی دھوپ میں جھلسنے

والوں کیلئے سایہ بہار ہے۔ حسن بزم ہستی کا نکھار ہے اور حسین حسین خواہشات کی قبولیت کا اظہار ہے۔

حاضرین کرام! تاریخ ہستی شاہد ہے کہ حسن و جمال کی دلآویزیوں سے عشق و محبت زندگی پاتے ہیں اور پھر یہ عشق و محبت کے جذبات بلاخیز ہیں جن سے امنگیں جوان ہوتیں اور جذبات شوق ہمالہ کی چوٹیوں کو سر کرنے کیلئے آمادۂ عمل ہوتے ہیں۔ انہی سے مشکلات کو آسان اور ناممکنات کو ممکنات میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ انہی کی بدولت ویرانے شہروں میں اور بیاباں گلستانوں میں تبدیل ہوتے ہیں۔ اسی عشق بلاخیز کا قافلہ وقت کی طنابیں توڑ کر ستاروں پر کمندیں ڈالنے کو سوچتا ہے۔ غلامی کے بطن سے آزادی کا سورج ابھارتا ہے اور ایک پسماندہ قوم کو عالم اسلام کی ایٹمی قوت بنا دیتا ہے۔

لیکن جناب صدر! عشق و محبت کی بلاخیزی اپنی جگہ، حسن و جمال کی جاذبیت اپنی جگہ، لیکن اصل حقیقت بدستور کربناک کیفیت سے آگاہ کر رہی ہے کہ ؏

ابھی تو لوگ ترستے ہیں زندگی کے لئے

ہم حسن و جمال اور عشق و محبت کا تذکرہ تو کرتے ہیں لیکن زندگی کے بحر بے کنار کی ایک بوند کیلئے ترسنے والے انسانوں کی ناکام حسرتوں کو بھول جاتے ہیں۔ یہ زندگی بھی کوئی زندگی ہے جس میں انسانیت شرم سے منہ چھپا رہی ہے۔ ہم نے جس نام نہاد زندگی کی صلیب اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھی ہے، کیا ہم نے کبھی اس صلیب کی کربناکی کو محسوس کیا ہے؟ زندگی انسانیت سے عبارت ہے لیکن انسانیت اس وقت دم توڑ دیتی ہے جب انسانوں کی زندگی کے اسباب مفلسی کی گرد میں گم ہو جاتے ہیں۔ لرز لرز کر جینا، موت کے بھیانک سایوں تلے جینا، بلکتے ہوئے جذبوں، ویران آنکھوں اور مرگ ناگہانی اور فاقہ کشی کے پہاڑ تلے دب کر جینا بھی کوئی زندگی ہے؟

یہ شاہراہیں اسی واسطے بنی تھیں کیا
کہ ان پہ دیس کی جنتا سسک سسک کر مرے
زمیں نے کیا اس کارن اناج اگلا تھا
کہ نسل آدم و حوا بلک بلک کے مرے

جناب والا! اس ایوان سے نکل کر ذرا ان لوگوں تک جایئے جنہیں عوام کہا جاتا ہے اور جنہوں نے فاقہ کشی کے ہاتھوں موت پر زندگی کی تہمت سجا رکھی ہے۔ گھی' آٹا' چینی' پٹرول غرضیکہ تمام زندگی پرور چیزیں مہنگائی کے اس آسمان تک جا پہنچی ہیں جہاں تک غریب تو کجا اوسط درجے کے وسائل رکھنے والے کی رسائی بھی ممکن نہیں۔ کرایے اتنے زیادہ کہ پیدل بھی چلیں تو چلا نہ جائے' اشیائے خوردنی نایاب یا اتنی مہنگی کہ جینا چاہیں تو جیا نہ جائے۔ پیٹ خالی ہوں تو رازداروں کے سامنے رونا چاہیں تو رویا نہ جائے' خالی پیٹ' پھٹے پیرہن پاؤں اور سر سے ننگے انسان جو فٹ پاتھ کی زینت بنے ہوئے ہیں' ان کی بات کریں تو کوئی سننے کو تیار نہیں' لیکن کہے بغیر رہا بھی نہ جائے۔ کیا یہی وہ مستقبل ہے جس کے خواب ہم نے آنکھوں میں سجا رکھے تھے۔ یہی زندگی ہے جس کیلئے حسن و جمال کا خراج مانگ رہے تھے۔

جناب صدر! آج مائیں اپنے بچے بیچ رہی ہیں۔ خودکشی قومی نشان بنتی جا رہی ہے۔ غریب خودسوزی کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں جب بغداد لٹا تھا' جب دمشق ویران ہوا تھا۔ جب فلسطین' عراق اور بوسنیا میں لاشوں کے انبار سجے تھے تو اس وقت بھی مائیں اپنے جگر پاروں کو بیچ کر زندگی کی خیرات مانگ رہی تھیں۔ جنگ عظیم اوّل اور دوم کو دیکھئے تو انسانیت اپنی قبریں کھودتی نظر آتی ہے۔ شیخ سعدی کے بقول جب انسان روٹی کے ایک لقمے کو ترس رہا ہو تو وہ حسن و جمال کو دیکھے یا روٹی کو؟ معلوم نہیں گذشتہ ادوار سے اب تک ذلت و خواری کے مظاہر میں کس کس

نے اپنے آنسوؤں کو ساحر کی زباں دی ہوگی۔

انسان کی قیمت گرنے لگی' اجناس کے بھاؤ چڑھنے لگے
چوپال کی رونق بڑھنے لگی' بھرتی کے دفاتر بڑھنے لگے
دھول اڑنے لگی بازاروں میں' بھوک اگنے لگی کھلیانوں میں
ہر چیز دکانوں سے اٹھ کر روپوش ہوئی تہہ خانوں میں
افلاس زدہ انسانوں کے ہل بیل بکے' کھلیان بکے
جینے کی تمنا کے ہاتھوں جینے کے سب سامان بکے

جناب والا! اگر ہمیں زندہ رہنا ہے تو آیئے ہم زندگی کا سراغ لگائیں۔ وہ زندگی جو اصحاب ثروت اور صاحبان اقتدار کے کاخ و ایوان کی زینت بنی ہوئی ہے' لیکن ہمارے مقدر میں تو سسکنا ہی ہے۔ عصر حاضر نے ہمیں کیا کچھ نہیں دیا؟ یہ خود کش حملے۔ مساجد' مقابر اور مقدس درگاہوں کا لٹتا ہوا تقدس' غربت و افلاس کا آخری نقطۂ عروج۔ اب تک موت سستی تھی۔ لیکن زہر بھی نایاب ہوگیا تو جینا روز محشر سے کم دردناک نہ ہوگا۔ ان سے پوچھو جو مر مر کے جیتے ہیں' اس تمنا میں کہ شاید کل ہی روز محشر بپا ہو جائے۔

صدر محترم! ہمارے بہت سے دانشور تو عصر حاضر کو انسانیت کی معراج قرار دے رہے ہیں لیکن یہ کیسی معراج ہے کہ چاروں طرف سسکیاں ہیں' آہیں ہیں' نالہ و فریاد ہے' غربت و افلاس کے پھنکارتے ہوئے عفریت ہیں۔ بدحالی' بے کاری' قتل و غارت اور استبدادی طاقتوں کا ہماری مقدس سرحدوں پر دستک کا خوف ہے۔ ہم نے تو لوگوں کو مرگ ناگہانی دینے کے بہانے جنت کے ٹکٹ فروخت کرنے شروع کر دیئے۔

اغواء برائے تاوان سے خوفزدہ والدین نے بچوں کو گھروں کے قید خانوں

میں بند کر دیا ہے۔

جناب والا! میں ایسے دور پرآشوب میں خدا کی رحمت کے سہارے پھر سے زندگی کے خواب بنتا ہوں۔ کاش کوئی تو انسانیت کی سرفرازی کا پرچم اٹھا کے چلے۔ کاش کوئی تو فلک بوس محلات سے نیچے اترے۔ کوئی تو غربت بانٹتے ہوئے فٹ پاتھوں اور نان جویں کے ایک ٹکڑے کیلئے انسانوں کی جھگیوں کی طرف خلوص ومحبت کی نظر سے دیکھے۔ اصحابِ سیاست میں کوئی تو ایسا ہو جو ہمیں معیشت کی ترقی کی محض خوشخبری ہی نہ سنائے بلکہ غریبوں کے پیٹوں پر بندھے ہوئے پتھر دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو جائے۔

جناب والا! خدا گواہ ہے کہ اگر صاحبان اقتدار ایک دفعہ بھی اپنے ہاتھوں سے پھیلائی ہوئی مفلسی و بدحالی دیکھ کر شرمندگی سے دوچار ہو گئے تو پھر لوگ زندگی کیلئے نہیں ترسیں گے بلکہ زندگی کی خوشحالیاں ان کے قدموں کی بلائیں لیں گی۔ پھر ایک سنہرے مستقبل کا سورج طلوع ہوگا۔ ایک نئی زندگی جگمگاہٹیں بکھیرے گی اور اس زندگی کا حسن عارضی یا لمحاتی نہیں ہوگا بلکہ اس سے دوام کے سرچشمے پھوٹیں گے۔ پھر یہی زندگی ہوگی جو حسن و جمال سے عبارت ہوگی اور عشق ومحبت کی رعنائیاں میرے وطن کے ذرے ذرے کو خورشید بداماں کر دیں گی۔ میں اسی پیغام کے ساتھ اجازت چاہوں گا کہ

قصرِ مرمر کی بلندی سے نظر کیا آئے گا
خلق سے ملنا ہے تو پھر نیچے اترنا چاہیے
پھر ابھر آئیں یہاں تعمیر کی رعنائیاں
ان خوابوں میں کچھ ایسا رنگ بھرنا چاہیے

قرآن کتاب انقلاب

صدر والا قدر اور حاضرین ذی وقار! میری تقریر کا عنوان ہے۔ ''قرآن کتاب انقلاب''

جناب والا! آج سے چودہ صدیاں پہلے کا منظر ہے۔ خطۂ عرب گمراہی کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ خطۂ عرب ہی کیا پورا عالم انسانیت لامتناہی اندھیروں میں روشنی کی ننھی سی کرن کیلئے تڑپ رہا تھا۔

اور پھر والا قدر! یکا یک زمانے نے تاریخ کا سب سے زیادہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ اسی سرزمین وحشت پر انسانیت نوازی کا آفتاب طلوع ہوا۔ وہ آفتاب مدتوں غار حرا کی خلوتوں کو جگمگاتا رہا' اور پھر اس شان سے کوہ فاران پر ضوفگن ہوا کہ زمانہ پکار اٹھا۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

جناب صدر! یہ نسخۂ کیمیا قرآن تھا۔ تیس سیپاروں پر مشتمل کتاب انقلاب۔ وہ کتاب انقلاب جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت زمانے کو عطا ہونے والا سب سے بڑا انعام ہے۔ وہ قرآن جو خود معجزہ ہے۔ اور جو اس کے قلزم نور میں غواصی کرے

وہ معجزہ نما بن جاتا ہے۔ وہ کتاب انقلاب کہ جس سے پھوٹنے والی کرنیں ذروں کو آفتاب اور حزف ریزوں کو ماہتاب بناتی ہیں۔

جناب والا! کتاب انقلاب سے انقلاب برپا کرنے کیلئے ایک داعی انقلاب کی ضرورت تھی۔ یہ داعی انقلاب ذات مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء تھی جو کتاب انقلاب کے خدوخال میں اس طرح ڈھل گئی کہ قرآن ناطق کہلائی۔ یہ قرآن ناطق اس قدر جامع اور اکمل تھا کہ اس کے خالق نے اسے سب سے بڑا نمونۂ عمل قرار دے دیا۔ خالق کائنات نے ''لَارَطْبٍ وَّلَایَابِسٍ اِلَّا فِی کِتٰبٍ مُّبِین'' فرما کر اس کتاب انقلاب کی ہمہ گیری اور جامعیت کا اعلان فرما دیا۔

صدر ذی وقار! ایک طرف کتاب انقلاب تھی اور دوسری طرف داعی انقلاب کا کردار۔ جو بھی دامان رسول سے وابستہ ہوا' قرآن کے سانچے میں ڈھل گیا۔ عظیم ترین انقلاب کے خطوط ابھرنے لگے' ظلمتیں چھٹنے لگیں' انوار توحید ابھرنے لگے۔ حق کی پہچان ہوئی اور باطل سرنگوں ہو گیا۔ صدیوں کے مے خوار خم خانہ وحدت کے طلبگار بن گئے۔ رہزنوں کو رہبری کا شعور اور اصنام پرستوں کو خدائے واحد کا نور ملا۔ عزتوں سے کھیلنے والے عصمتوں کے نگہبان اور جاہلی شاعری پر فخر کرنے والے حافظ قرآن بن گئے۔ وحشت و بربریت کے علمبردار امن و سلامتی کے معمار اور اپنے وجود سے ناآشنا قرآن کی عظمتوں کے پاسدار بن گئے۔

غرض تہذیب حق ابھری' تمدن پر شباب آیا
خداوند جہاں کے لطف و رحمت کا سحاب آیا
فضا بدلی' جہاں بدلا' خدا کا انتخاب آیا
کتاب انقلاب آئی تو ہر سو انقلاب آیا

حاضرین کرام! مذہب ہو یا سیاست' عمرانی علوم ہوں یا معیشت' رزم آرائی

ہو یا کشور کشائی' اصول شہریت ہوں یا آداب جہانگیری' قرآن نے ہر میدان میں اپنی ہمہ گیری کے پرچم لہرادیئے۔ سیاست اور مذہب کو ہم آہنگ کر دیا کہ کسی طور بھی چنگیزیت کو فروغ نہ مل سکے۔ شہری اور قومی معیشت کو نئے خطوط پر استوار کیا۔ سود اور جوا حرام قرار دیئے گئے۔ زکوۃ اور صدقات کا نظام نافذ کیا گیا اور کہا گیا کہ جو کچھ تمہاری ضروریات سے زائد ہے خدا کی راہ میں خرچ کر دو۔

جناب صدر! کتاب انقلاب کا معاشی نظام اس قدر موثر اور پاکیزہ تھا کہ اسلامی معاشرے میں رزق حلال کو عبادت کا درجہ حاصل ہوگیا۔ زکوۃ دینے والے تو بہت تھے مگر قبول کرنے کو کوئی تیار نہ تھا۔ قرآن نے انسانی حقوق پامال کرنے والوں کو اخلاقی ضابطوں کا پابند بنایا۔ آجر اور اجیر' سرمایہ دار اور مزدور کو فرائض و حقوق کا توازن عطا کیا۔ اخوت اور مسلم بھائی چارے کی فضا میں غیر مسلموں کے حقوق بھی مقرر کیے گئے۔ غرضیکہ قرآن حکیم عالم انسانیت کیلئے جامع ترین کتاب انقلاب ہے۔ علامہ محمد اقبال کے لفظوں میں۔

نوع انساں را کتاب آخریں
حاملِ او رحمۃ للعالمیں

جناب والا قدر! داعی انقلاب ﷺ کے فیضان صحبت سے خوشہ چینی کرنے والوں نے قرآن مجید کو پڑھا' سمجھا اور اسی کی عملی تفسیر بن گئے۔ انہوں نے ایسا نظام سیاست وضع کیا جس کی بنیادیں ملوکیت پر نہیں بلکہ خدمت خلق خدا پر استوار تھیں۔ تین براعظموں پر حکومت کرنے والا خلیفۂ اسلام اس احساس سے لرزتا تھا کہ اس کی سلطنت کے آخری کنارے پر کوئی کتا بھی بھوکا نہ رہے۔

ذی وقار! انقلاب وہی زندہ رہتا ہے جس کے اثرات عارضی نہیں بلکہ دائمی ہوں۔ کتاب انقلاب قرآن مجید نے حق پرستوں کی ایسی جماعت تیار کی جس نے

فقط تین عشروں میں قیصر و کسریٰ کا تکبر خاک میں ملا دیا اور پھر انہی کی کوششوں سے یہ اسلامی انقلاب ایشیا سے نکل کر افریقہ اور یورپ کو فیضاب کرنے لگا۔

جناب والا! اس کتاب مبین کا محافظ خود رب جلیل ہے۔ اسلامی حکومتوں کو سخت ترین زوال سے دوچار ہونا پڑا مگر اس کتاب انقلاب نے بہت جلد اس زوال کو اقبال سے ہمکنار کر دیا' یورپ کا عیسائی متعصب مورخ فلپ اعتراف کرتا ہے۔

''اسلام دشمن قوتوں نے وقت کی سب سے بڑی حکومت خلافت عباسیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ دریائے دجلہ لہو رنگ ہو گیا۔ لاکھوں عوام اور حفاظ و علماء شہید کر دیئے گئے۔ ہلاکو نے نعرہ لگایا کہ اس نے اسلام اور قرآن مجید کو ختم کر دیا ہے۔ مگر قرآن کی تعلیمات زیر زمین کام کرتی رہیں اور اس نے چند برس بعد ہی پھر سے اسلامی انقلاب برپا کر دیا۔ ایسا اسلامی انقلاب جو پہلے سے زیادہ پرشکوہ اور ہمہ گیر تھا''۔

عالی مرتبت! ان حقائق کی روشنی میں مجھے عرض کرنے دیجئے کہ قرآن مجید ہی وہ واحد کتاب انقلاب ہے جو ہر دور کے علمی' روحانی' سائنسی اور مابعد الطبیعاتی تقاضوں کو پورا کر سکتی ہے۔ ایک صحابی رسول نے کیا خوب کہا تھا کہ اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہو جائے تو میں اسے بھی قرآن کی روشنی میں تلاش کر لوں گا۔

جناب والا! ہمارا شاندار ماضی اسی کتاب انقلاب سے خوشہ چینی سے عبارت ہے۔ ہمارا عہد حال اور مستقبل اسی کتاب انقلاب کی برکات حاصل کرنے کیلئے سسک رہے ہیں۔ دلوں کے دریچے کھول دیجئے' تاکہ اس صحیفۂ نور کا پیغام ہمارا مقدر بن سکے۔ بلاشبہ یہ واحد سرچشمۂ حکمت اور واحد پیغام کامرانی ہے' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ میں اس شوکت اظہار کے ساتھ اجازت چاہوں گا کہ

قرآن صحیفہ ہے' وظیفہ ہے' دعا ہے
اللہ کی آواز ہے' تخلیق خدا ہے

آئین مکمل ہے ریاست کیلئے بھی
مذہب کیلئے بھی ہے سیاست کیلئے بھی
قائد کیلئے ہی نہیں ملت کیلئے بھی
قرآں ہی فقط راہبر و راہنما ہے
قرآن صحیفہ ہے' وظیفہ ہے' دعا ہے
اللہ کی آواز ہے' تخلیق خدا ہے

اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

صدر ذی وقار' محترم حاضرین و سامعین!

آج میں جس ایمان افروز موضوع کو اصحاب ایمان کے اس ایوان کی زینت بنانا چاہتا ہوں' وہ ہے۔

''اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا''

صدر محترم! کہتے ہیں باران رحمت کی سب سے زیادہ ضرورت وہاں محسوس کی جاتی ہے جہاں زمین خشک سالی کی بناء پر اناج کی کونپلوں کی جگہ ببول اگلنے لگے۔ حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس ریگزار عرب میں سحاب رحمت بن کر تشریف لائے تھے کہ جہاں انسانی تہذیب و تمدن اور اخلاق و کردار کے سوتے خشک ہو چکے تھے' اور جہاں صلح و خیر کے گلہائے تازہ کی جگہ ظلم و تعدی اور کفر و شرک کے جھاڑ جھنکار اگ رہے تھے۔ وہاں کے تپتے ہوئے صحراؤں اور ظلم و ستم کی باد سموم سے جھلتے ریگستانوں میں خدا کی عظمت و تقدیس اور انسانی عظمت کردار کے منکر انسانوں کی آنکھوں سے شرم و حیا کے پانی کی ایک ایک بوند خشک ہو چکی تھی۔ ایسے وقت میں جب حضور پرنور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجسم رحمت و برکت بن کر آئے تو یکا یک ہی کشت ایمان و یقین لہلہا اٹھی۔ شاعر نے اسی احساس کی ترجمانی یوں کی ہے۔

سلام اے آمنہؓ کے لال' اے محبوبؐ سبحانی
سلام اے فخر موجودات' فخر نوع انسانی

ترے آنے سے رونق آ گئی گلزار ہستی میں
شریک حال قسمت ہوگیا پھر فضل ربانی

حاضرین کرام! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے قبل عالم عرب بے شمار خباثتوں اور جہالتوں کا شکار ہو چکا تھا۔ کفر و شرک کے علاوہ انسانی حقوق کی بے دردی سے پامالی اور اخلاقی اقدار کی بے حرمتی کی بدولت عرب معاشرہ شرمناک حد تک قعر مذلت میں غرق ہو چکا تھا۔ اس دور کا انسان اخلاق و شرافت کا نام تک سننے کا روادار نہ تھا۔ شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ جوا' قمار بازی اور زنا کاری قطعاً مذموم فعل تصور نہیں کیے جاتے تھے' بلکہ ان کو جوانی کا اعزاز اور مردانگی کا افتخار سمجھا جاتا تھا۔

جناب صدر! کوئی شخص بیٹی کا باپ کہلانا پسند نہیں کرتا تھا اور اگر کسی کے ہاں بیٹی جنم لے لیتی تو اسے زندہ زمین میں گاڑ دیا جاتا تھا۔ وہ لوگ انسانی عظمت کردار کے نہیں بلکہ ذاتی حسب و نسب کی برتری اور خاندانی تفاخر کے اسیر تھے۔ لڑائی جھگڑا اور قتل و غارت گری ان کی قبائلی زندگی کا لازمی جزو بن چکے تھے۔ معمولی معمولی باتوں پر تلواریں نیاموں سے باہر آ جاتیں اور پیاسے ریگستانوں کی پیاس بجھنے لگتی۔ عکاظ کا میلہ قبائلی تعصبات اور فخر و مباہات کے نعروں سے شروع ہو کر برسوں تک جاری رہنے والی لڑائیوں کیلئے موزوں ترین مقام قرار پا چکا تھا۔ بعض معمولی لڑائیوں سے طویل جنگ کی ایک ایسی بھٹی سلگ اٹھتی کہ ہزاروں عرب اپنے بھائیوں کی تلواروں کا شکار بن کر اس کا ایندھن بن جاتے۔

لیکن جناب والا! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انسانی حقوق کے محافظ بن کر جلوہ افروز عالم ہوئے تو حالات نہایت تیزی سے بدلنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات کی بدولت انسانی حقوق کو پامال کرنے والے انسانی اقدار کی محافظت کا فریضہ انجام

دینے لگے۔ راہزن راہبر بن گئے۔ بت پرست بت شکن بن گئے۔ بے حیاؤں کو شرم و غیرت کا شعور میسر آ گیا۔ آپ ﷺ کے ارشاد کی تاثیر کی عظمت اس وقت دیکھنے میں آئی کہ جب آپ ﷺ نے حکم خداوندی کے مطابق شراب کو حرام قرار دیا تو شراب پانی کی طرح شہر نبی کی گلیوں میں بہادی گئی۔ دشمن دوست بن گئے۔ اخلاق و شرافت کی دھجیاں بکھیرنے والے رفعت کردار کا نمونہ بن گئے۔ ذرا ذرا سی بات پر قتل و غارت کا بازار گرم کرنے والے انسانیت کی عظمت اور تقدیس پر ایمان لے آئے اور اپنی ذات سے بڑھ کر دوسروں کے حقوق کی پاسداری کرنے لگے۔

کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا در یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

جناب صدر! آج دنیا مساوات کے نعرے لگا رہی ہے۔ پسماندہ اور کچلے ہوئے انسان رنگ و نسل اور ذات پاک کی زنجیروں کو توڑ کر ابھرنا چاہتے ہیں۔ وہ انسانی حقوق کی بالادستی کے نام پر اپنی پسماندگی اور سماجی زبوں حالی کا مداوا چاہتے ہیں۔ لیکن باوجود اپنی انتہائی کوشش کے وہ اس سماجی اونچ نیچ' طبقاتی حد بندی' اور معاشرتی عدم مساوات کی دیواروں میں شگاف پیدا نہیں کر سکے۔ نظریات کے نام پر اپنا سب کچھ تج دینے کے باوجود بھی ایک نچلے طبقے کا انسان اپنے سے اوپر کے زینے پر بیٹھنے والے کے برابر نہیں بیٹھ سکتا۔ افریقہ کا حبشی چاہے تو کریم رگڑتے رگڑتے اپنی کھال تک چھیل ڈالے مگر وہ حقوق میں گورے کے برابر نہیں ہو سکتا۔

ہندوستان کا اچھوت انتہائی اپٹوڈیٹ ہونے کے باوجود براہمن کے حقوق نہیں پا سکتا اور امریکہ کا ریڈانڈین برسراقتدار سفید فام طبقے کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتا لیکن اسلام کی آغوش میں جو بھی آتا ہے' وہ رنگ ونسل کے امتیازات اور ذات برادری کی تفریق کو بھول کر ایک ملت مسلمہ میں گم ہو جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو اپنے غلام کو مارتے دیکھا تو فرمایا:

''جتنا قابو تم کو غلام پر ہے' اس سے زیادہ قابو تم پر اللہ کو ہے''۔

صحابی رضی اللہ عنہ نے ہاتھ روک کر عرض کیا:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم! یہ غلطی سے باز نہیں آتا''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''معاف کرو' حتیٰ کہ باز آجائے''۔

صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی اسی وقت غلام کو آزاد کر دیا۔ سرداران قریش کہا کرتے تھے کہ:

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم تمہاری محفل میں کیسے آئیں' جب کہ وہاں کمین بھی بیٹھے ہوتے ہیں''۔

لیکن اس رحمت مجسم نے امیروں کی خاطر غریبوں کو دھتکارنے سے انکار کر دیا اور ''الفقر فخری'' کو اپنا افتخار بناتے ہوئے زمانے بھر کے مظلوم ومقہور انسانوں کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلاموں سے شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کہا کرتے تھے۔

جناب والا قدر! حضور صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہے۔ آپ نے شاہراہ حیات پر جو تابندہ نقوش ثبت کئے ہیں' وہ کائنات کے ہر منشور سے زیادہ قابل تقلید' ہر دستور سے زیادہ محترم اور ہر ضابطہ

حیات سے زیادہ قابل عمل ہیں۔ پرامن شہری کی حیثیت سے، فتح عظیم کے شادیانے بجانے والی فوج کے سالار اعلیٰ کی حیثیت سے، لاکھوں مربع میل پر مشتمل عظیم سلطنت کے مقتدر اعلیٰ کی حیثیت سے، عدل وانصاف کا پرچم سربلند رکھنے والے منصف کی حیثیت سے، اعجاز نطق سے بہرہ ور راہنما، صاحب تدبیر سیاستدان اور معجزانہ صلاحیتیں رکھنے والے دانشور کی حیثیت سے آپ ﷺ نے اپنی سیرت و کردار اور ارشادات و فرمودات کا جو انمول خزانہ چھوڑا ہے وہ تا ابد اقوام عالم کیلئے حکمت و موعظت اور راہنمایانہ بصیرت افروزی کا باعث بنا رہے گا۔

چشم اقوام یہ نظارا ابد تک دیکھے
رفعت شان رَفَعنا لکَ ذِکرَك دیکھے

آپ ﷺ کی جلیل القدر شخصیت ہر دور اور ہر زمانے میں مشعل راہ رہی ہے۔ ہر عہد اور ہر صدی نے آپ ﷺ سے فیض اٹھایا ہے۔ اگر دلوں سے تعصّبات کی آلائش دور کر دی جائے تو ہر دل نبی کریم ﷺ کی مسلمہ عظمت کا معترف اور ہر زبان آپ ﷺ کی ثناء خوانی پر مجبور نظر آئے گی۔

صدر محترم! طائف کی بستی میں آپ کے ساتھ کیا کچھ نہیں ہوا۔ کون سی بد سلوکی تھی جس کا وہاں مظاہرہ نہ کیا گیا۔ آپ ﷺ پر اس قدر پتھر برسائے گئے کہ آپ ﷺ کے نعلین مبارک جسم اطہر سے بہنے والے خون سے لبریز ہو گئے۔ بستی سے باہر نکل کر نڈھال ہو کر اپنے غلام کی معیت میں ایک درخت کی چھاؤں تلے بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ کے غلام نے اس بستی کے ظالم اور بے رحم انسانوں کیلئے بددعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس بستی کی بربادی کیلئے بددعا کیوں مانگوں، مجھے یقین ہے کہ اس بستی سے میرے دین کے حامی اور پاسبان اٹھیں گے۔ دعا فرمائی تو فقط یہی کہ

الٰہی فضل کر کہسار طائف کے مکینوں پر
خدایا پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر

حاضرین محترم! آپ نے ''الفقر فخری'' کہہ کر دنیا بھر کے مظلوموں' بے نواؤں' محنت کشوں اور مزدوروں کو سینے سے لگا لیا۔ آپ ﷺ کی زندہ تعلیمات اور روشن کردار کی بدولت نہ صرف محنت کی عظمت دوبالا ہوئی بلکہ مزدوروں اور محنت کشوں کو روحانی سکون کا احساس ہوا۔ غریبوں' لاچاروں اور دکھیاروں کو قرار آ گیا کہ معین بے کساں' زینت ہر دو جہاں' سرور کشور کشایان عالم' جناب رسالت مآب ﷺ نہ صرف ان سے پیار کرتے ہیں بلکہ قیامت کے روز ان کے ساتھ اٹھائے جانے کی دعا بھی فرماتے ہیں۔

میری غربت بن گئی اس وقت سے میرا وقار
کہہ کے جب اَلْفَقْرُ فَخْرِی وہ ہمارے ہو گئے

جناب والا! آپ ﷺ سے قبل عرب معاشرے میں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں عورت اس کرہ ارض کی سب سے مظلوم ہستی تھی۔ عورت کو پاؤں کی جوتی سے بھی حقیر سمجھا جاتا تھا۔ جنس بازار کی طرح اس کے دام لگائے جاتے تھے۔ روما و یونان میں جو اپنے ادوار کے عظیم تہذیبی مراکز تھے' عورت کو صرف جنس بازار تصور کیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں خاوند کے مرنے پر اس کی بیوی کو زبردستی آگ میں جلا کر ستی کی رسم کو مذہبی ضابطہ بنا لیا گیا تھا۔ عرب معاشرہ میں بعض جگہ باپ کے مرنے پر اس کا ورثہ تقسیم کرتے ہوئے بیٹے اس کی بیویاں بھی بانٹ لیا کرتے تھے۔ بدنصیب ماں' بیٹی جنتی تو باپ مجسم قہر و غضب بن کر بیٹی کو زندہ زمین میں دفن کر دیتا کیونکہ اس کیلئے یہ تصور ہی ناقابل برداشت تھا کہ مستقبل میں کوئی شخص اس کا داماد بن کر اس کی غیرت کیلئے چیلنج بن جائے۔ چونکہ حضور سرور دو عالم ﷺ پوری کائنات

کیلئے رحمت و شفقت کا پیغام سربلند تھے' اس لئے آپ ﷺ نے عورت کو مرد کے برابر حقوق عطا کرتے ہوئے مردوں کو تلقین کی کہ:۔

''جو تم کھاؤ وہ انہیں کھلاؤ' جو خود پہنو وہ انہیں پہناؤ اور ان پر ظلم نہ کرو''۔

محترم سامعین! تاریخ نے بڑے بڑے جرنیلوں اور کشور کشاؤں کو دیکھا ہے' جو عام زندگی میں انسانی اقدار کے کتنے بڑے مبلغ تھے' لیکن جب حالت جنگ کا اعلان ہوا تو انہوں نے ہر قیمت پر کامیابی حاصل کرنے کیلئے تمام اخلاقی قوانین اور تہذیبی ضوابط اپنے ہی قدموں تلے پامال کر دیئے۔

محسن کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی انسانیت نوازی دیکھنی ہو تو تاریخ کے دھارے کو چودہ صدیاں قبل موڑ دیجئے اور اس وقت کا تصور کیجئے جب آپ ﷺ مکہ میں فاتحانہ انداز سے داخل ہو رہے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ کے دشمنوں کی ہر تحریک مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ آپ ﷺ اپنے خدائے جلیل کی عظمت و برتری کے مظہر بن کر تاریخ کے عظیم ترین فاتح کی حیثیت سے اپنے آبائی شہر مکہ میں قدم رنجہ فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کے حکم سے بیت اللہ کے صدہا اصنام توحید کی ہیبت سے زمین پر گر کر ٹکڑوں کی صورت بکھر چکے تھے۔ یہ وہی شہر تھا' جہاں سے آپ ﷺ کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ بزم ہستی دم بخود تھی۔ وقت کی رفتار تھم چلی تھی۔ آپ ﷺ کے تمام اعداء' آپ ﷺ کے خون کے پیاسے' آپ ﷺ کے جسم اطہر پر غلاظت پھینکنے والے' آپ ﷺ کو پتھر مارنے والے' آپ ﷺ کی راہوں میں کانٹے بچھانے والے' جنت کے گلزاروں کی بشارت دینے والے پر عرصۂ حیات تنگ کرنے والے' پیکر انوار خداوندی کو اپنی ناپاک سازشوں سے نقصان پہنچانے کے عزائم باندھنے والے' جس کے قدموں پر محراب کعبہ جھکے اس پر بہتان طرازی کرنے والے' ظلم و تعدی کے خوگر' انسانی لہو کی بھینٹ لینے والے' تہذیب و تمدن

سے ناآشنا' اقدار انسانی سے بے بہرہ' جذبات محبت و شفقت سے محروم' وحشت و بربریت کے رسیا۔ یہ سب کے سب جناب رحمۃ للعالمین ﷺ کے حضور لرزہ براندام کھڑے تھے اور اپنے بدترین ماضی کی خباثتوں کو یاد کر کے اپنے آپ کو سخت سے سخت سزا کے مستحق بنا چکے تھے۔ ان سب کے دل آنے والے لمحوں کی ہولناکی سے لرزاں تھے۔ ان کی نگاہیں شرم و ندامت کے مارے زمین میں گڑی جا رہی تھیں لیکن اپنے تمام لرزیدہ احساسات کے ساتھ ساتھ وہ اپنے دلوں میں آپ ﷺ کی رحمت للعالمینی سے خوشگوار توقعات بھی وابستہ کئے ہوئے تھے۔ اچانک آپ ﷺ کے لب ہائے جاں نواز سے زندگی بخش صدائے عام ابھرتی ہے۔

لَاتَثْرِیبَ عَلیکمُ الیُومَ

''جاؤ' آج تم سے کوئی باز پرس نہیں''۔

جناب والا! آپ ﷺ کے مقدس لبوں سے زندگی کی نوید کیا ملی' عالم عرب میں گلشن انسانیت یکا یک ہی رنگ لے آیا۔ کائنات نے یہ منظر پہلے کب دیکھا ہوگا۔ آپ ﷺ کا یہ آوازہ بخشش قافلۂ انسانیت کو منزل مقصود تک لے جانے کا باعث بن گیا۔ آپ ﷺ کے خلق عظیم کے تصور سے یہ کہنا غلط تو نہیں کہ:

کچھ ان کے خلق نے کرلی' کچھ ان کے پیار نے کرلی
مسخر اس طرح دنیا شہ ابرار نے کرلی

صدر عالی مقام! یہ رسول خدا جناب سرور کائنات ﷺ کی عظمت بے پایاں اور انسانیت نوازی کا ہی اعتراف ہے کہ آج دشت و جبل میں' بحر و بر میں' زمینوں آسمانوں میں' عرب کے ریگ زاروں میں' ایشیا کی عبادت گاہوں میں' یورپ کے علمی و تہذیبی سرمائے میں' افریقہ کے کالے انسانوں کے چمکتے دلوں میں' محسوسات کے مہکبار گلستانوں میں' عشق و عقیدت کے پرانوار ایوانوں میں' فکر و تدبر کی روشن

وادیوں میں، شعراء کی مدحت طرازیوں میں، ادیبوں کی ادب نوازیوں میں اور خطیبوں کی تکلم باریوں میں حضور پرنور محمد رسول اللہ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی انسانیت کے سب سے بڑے محسن کی حیثیت سے ابھرتا اور جگمگاتا ہے۔

روح فطرت کا یہ جاں نواز پیغام اقبال کے لفظوں میں یوں محبت رسول ﷺ کا احساس بخش رہا ہے۔

قوت عشق سے ہر ست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے
ظلمت و کفر و جہالت پہ زوال آتا ہے
نورِ قرآن لئے بدرِ کمال آتا ہے
زندگی مجھ پہ لٹاتی ہے مسرت کے گلاب
جب بھی سرکار کی رحمت کا خیال آتا ہے
"سیدی" کہہ کے بلاتے ہیں صحابہ اس کو
زیرِ دامانِ محمدؐ جو بلالؓ آتا ہے
جس کو سرکارِ دو عالم کا ہوا لطف نصیب
کون کہتا ہے کہ پھر اس کو زوال آتا ہے

اسوۂ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عظمتِ انسانیت کا معیار

صدر والا قدر اور حاضرین ذی وقار! آج مجھے ارباب علم وفکر کے سامنے جس مہکبار موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے۔

اسوۂ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عظمت انسانیت کا معیار

جناب والا! زمانے میں کتنے ہی انقلاب آئے اور وقت کے صحراؤں میں گم ہو گئے۔ کتنے ہی مصلحین صفحۂ ہستی پر ابھرے اور تاریخ کے نہاں خانوں میں کھو گئے۔ کتنے ہی منشور اور نظام انسانیت کی سرفرازی کے دعویدار بن کر طلوع ہوئے مگر سرابوں کے گرد بار میں ان کے غروب ہونے کا منظر نہایت ہی عبرتناک تھا۔ یہ شرف فقط آقائے عالی مرتبت حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لازوال اسوہ وکردار ہی کو حاصل ہے کہ جس کی ابدیت مسلمہ اور جس کی جامعیت عظمت انسانیت کا سب سے بڑا معیار ہے۔ اس لئے ہر صاحب بصیرت کی فکر اس اعتراف پر مجبور ہے کہ

پیغام صبح زندگی اُسوۂ حضور کا
ہے تازگی ہی تازگی اُسوۂ حضور کا
دُنیا کی آرزو یہی عقبیٰ کی جستجو یہی
عظمت رہ حیات کی اسوۂ حضور کا

صدر عالی مقام! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ عظمتِ انسانیت کا معیار کیوں نہ ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انسانیت تھی کہاں؟ انسانی ہاتھوں کے تراشیدہ اصنام کی

پرستش ہو رہی تھی۔ بچیاں زندہ زمین میں دفن ہو رہی تھیں۔ شراب، جوا اور بے حیائی کو تہذیب اور قتل و غارت گری کو تمدن کا نام دے دیا گیا تھا۔ صرف جزیرہ نمائے عرب میں ہی نہیں بلکہ چودہ صدیوں پہلے کے ایران، مصر، ہند اور چین میں بھی مصلحت کی سولی پر لٹکتی ہوئی انسانیت کا نوحہ سننے والے کان بہرے ہو چکے تھے۔

ایسے دور پر آشوب میں جناب والا! فاران کی چوٹیوں سے ابھرنے والے ماہتاب نبوت کی کرنوں نے انسانیت کو حیات نو بخش دی۔ میرے آقا نے غمزدوں کو زندگی کا شعور دیا۔ بے بسوں کو اوپر اٹھایا اور زمانے بھر کا مولیٰ کر دیا۔ زندہ دفن کی جانے والی مظلوم بچیوں کا دریدہ دامن باوقار زندگی کے موتیوں سے بھر دیا۔ ماں باپ کے قدموں تلے جنت رکھ دی۔ غلاموں کو شوکت کسرائی اور مجبوروں کو عظمت دارائی بخش دی۔ انسانی مظاہر کی پرستش کرنیوالوں کو انوار توحید سے آشنا کر دیا۔ شیطانیت کا قصر ہلاکت زمیں بوس ہو گیا اور چمنستان انسانیت پر بہار آ گئی۔

آئے حضور زیست کا سامان مل گیا
انسانیت کا چاک تھا دامان سل گیا
معیار زندگی بنی سیرت حضور کی
شرک و ہوا و حرص کا ایوان ہل گیا

حاضرین کرام! اس چمنستان انسانیت کو اسوۂ حضور ﷺ کا نم ملا۔ یہ اس امی لقب مگر دانائے کل کا فیضان تھا جس کی سیرت آیات کلام ربانی میں ڈھل کر قرآن ناطق کا روپ اختیار کر چکی تھی، جو صادق بھی تھا اور امین بھی، جو ملک کا بہترین شہری بھی تھا اور کشور اسلام کا تاریخ ساز حکمران بھی، جو سالار افواج بھی تھا اور مقنن اعظم بھی، جو شارح قرآن بھی تھا اور شارع اسلام بھی، جو قاضی القضاۃ بھی تھا اور معیشت کے عقدے سلجھانے والا تاجر بھی، جو مسجد کی چٹائی پر بیٹھتا تھا مگر ماضی حال

اور مستقبل تینوں زمانوں پر گرفت رکھتا تھا جو لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہ حسنہ کی تفسیر تھا۔ ہاں وہی جو انک لعلی خلق عظیم کی تنویر تھا۔ ہاں ہاں وہی جو "وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" کی تصویر تھا۔ جو تلوار کی نوک سے نہیں بلکہ الفاظ کی تاثیر سے دلوں پر حکومت کرتا تھا۔ جس کے کردار کی عظمتوں کو دیکھ کر اغیار بھی اس کی توصیف میں رطب اللسان ہو گئے کہ۔

انسانیت کا دل نشیں معیار آپ ہیں
دنیا ہے ایک دشت تو گلزار آپ ہیں

جناب والا! ہر دور کے مصلحین کے مقام و مرتبہ کا تعین کرنے کیلئے عظمت انسانیت کے معیار کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے مگر میرے حضور ﷺ کا اسوۂ لازوال اس بلندی کو چھو رہا ہے کہ جہاں انسانی ذہنوں کے تخلیق کردہ تمام معیار دم توڑ دیتے ہیں اور آپ کے سیرت و کردار کے آئینے میں عظمت انسانیت کا Unchallenged معیار وجود میں آتا ہے جس کے اول بھی آپ ہیں اور آخر بھی آپ۔

تجھ سے پہلے کا جو ماضی ہے ہزاروں کا سہی
تا ابد اب کے جو فردا ہے وہ تنہا تیرا

جناب صدر! آیئے چند لمحوں کیلئے احادیث اور کتب سیرت کے ایوان نور میں قدم رکھیں۔ اور عظمت انسانیت کے اس سب سے بڑے معیار کی رفعتوں پر نظر ڈالیں جن کے عدل و انصاف کا یہ عالم ہے کہ ایک امیر خاتون کی چوری کی سزا معاف کروانے کیلئے آنے والوں کو یہ کہہ کر لاجواب کر دیتے ہیں کہ

"اگر محمد کی بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ قلم کر دیتا"۔

انسانی حقوق کی پاسداری کا یہ عالم ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جو لفظ بھی منہ سے نکلا وہ تاریخ کا اعزاز بن گیا۔ اس خطبۂ عالیہ نے "نیو اسلامک ورلڈ

آرڈر" کی بنیاد رکھ دی۔ رحمت وشفقت کی معراج عظمیٰ ہے کہ جب بھی تلوار اٹھائی مظلوم کی حمایت ہیں۔ اور پھر چشم فلک اس ایمان آفریں لمحے کو کیسے فراموش کر سکتی ہے جب فتح مکہ کے موقعہ پر آپ نے لاتثریب علیکم الیوم فرماتے ہوئے تمام دشمنوں کو اپنے سایۂ رحمت میں چھپالیا۔

والا مرتبت! عزم واستقلال دیکھنا ہو تو اس لمحے کا تصور کریں جب آپ نے کفار مکہ کی تمام دھمکیوں اور ترغیبات کے جواب میں فرمایا تھا کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں تو بھی میں اشاعت اسلام کا فریضہ نہیں چھوڑوں گا۔ آپ نے لات ومنات کو ہی ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا بلکہ رنگ ونسل کے صنم کدے بھی ویران کر دیئے۔

جناب والا! غیر مسلم دانشور مائیکل ایچ ہارٹ اپنی کتاب "دی ہنڈرڈ" میں آپ کے اسم گرامی کو منتخب ترین شخصیات میں اولین مقام دیتے ہوئے اقرار کرتا ہے کہ آپ کا کردار ہی آپ کی عظمت کی سب سے بڑی گواہی ہے۔

صدر والا قدر! بلاشبہ اسوۂ حسنہ ہی عظمت انسانیت کا معیار ہے۔ وہ معیار کہ جس کو شمع راہ بنا کر ہم آج بھی ظلمتوں کے صحراؤں میں بھٹکنے والے قافلے کے مسافروں کی ابدی سرخروئی کا پیغام دے سکتے ہیں اپنے آقا ومولا ﷺ کی عظمتوں کے حضور جبین نیاز خم کرتے ہوئے اس احساس کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں کہ

اس عقل کم نگاہ کی زد سے نکل کے آ
تو اُسوۂ حضور کے سانچے میں ڈھل کے آ
ملتی ہے آنسوؤں کو ستاروں کی آب و تاب
اے شوقِ بے کراں سرِ مژگاں مچل کے آ

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

صدر عالی مرتبت اور معزز حاضرین! مجھے آج اس ایوان میں جس مقدس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

جناب والا! آج کا موضوع شاعر مشرق علامہ محمد اقبال کا لافانی پیغام ہے۔ اقبال تاریخ اسلام کے آئینے میں جھانکتے ہیں۔ غلامان محمد پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ عشاق مصطفٰی پر کہکشاں کی صورت اترنے والی رحمت خداوندی کا جائزہ لیتے ہیں۔ ان پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جب مرد مومن صحیح معنوں میں محبت و اطاعت رسول کے نام پر سلطان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاداری کو اصل ایمان بنا لیتا ہے تو تقدیر خداوندی اس کی تدبیر کے اشاروں کی محتاج ہوتی ہے اور پھر پردۂ افلاک سے یہ صدا ابھرتی ہے کہ۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

صدر محترم! محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاداری کا اعلان صرف لفظوں کا اظہار نہیں بلکہ یہ تو عمل کی میزان ہے۔ یہ محض زبانی اقرار نہیں بلکہ جانی و مالی ایثار ہے۔ یہ صرف ایک نعرہ نہیں بلکہ خون کی دھاروں پر چلنے کا نام ہے۔ یہ ریا کاری یا مصلحت نہیں بلکہ عشق محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر خاک و خون میں غسل کرنا ہے۔ یہ محض تقریر کی ساحری نہیں بلکہ شمع انوار مصطفوی پر پروانہ وار نثار ہونے کی جلوہ گری ہے۔

حضور ﷺ سے وفاداری کا عہد ماضی‘ حال اور مستقبل سے بے نیاز ہوتا ہے۔ محبت رسول ﷺ اس کی زندگی‘ اطاعت مصطفیٰ ﷺ اس کی سربلندی اور ناموس رسالت کی پاسداری اس کی تابندگی ہوتی ہے۔ وہ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ سے وفاداری کے نام پر ہر قدم پر یہ ثابت کرتا ہے کہ

غلامانِ محمد جان دینے سے نہیں ڈرتے
یہ سر کٹ جائے یا رہ جائے کچھ پروا نہیں کرتے

حاضرین محترم! ہم چند لمحوں کیلئے ماضی میں کھو جاتے ہیں کہ ہمارے اسلاف نے رسول اللہ ﷺ سے وفاداری کے نام پر کیا کیا۔ ماضی کے گلشن ایمان میں کہیں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے کوڑے کھا کر رسالت مصطفیٰ ﷺ کے گواہی دینے کی آواز آتی ہے‘ کہیں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے کانٹوں پر گھسیٹے جانے کی صدا سنائی دیتی ہے‘ کہیں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی زنجیروں کی جھنکار سنائی دیتی ہے‘ کہیں صہیب رومی کے زخمی جسم کے قطرے توحید و رسالت کی گواہی دیتے نظر آتے ہیں‘ کہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے کفار کے مظالم کا نشانہ بنتے ہیں کہ ظالمو مجھے مار ڈالو مگر میرے محمد ﷺ کو کچھ نہ کہو۔ کہیں حضرت زید رضی اللہ عنہ کو وفاداری محمد مصطفیٰ علیہ السلام کے نام پر تختہ دار پر لٹکایا جا رہا ہے‘ کہیں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے جسم میں نیزوں کی نوکیں چبھوئی جا رہی ہیں‘ کہیں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ میدان کربلا میں خاندان نبوت کی قربانی دیتے نظر آتے ہیں۔

اور پھر جناب والا! تاریخ کے دوش پر سفر کرنے والے غازی علم الدین شہید کا ناموس رسالت پر قربان ہونے کا ایمان آفریں منظر نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک بطل جلیل اسم محمد ﷺ سے وفاداری کے نام پر اس حقیقت کا اعلان ہے کہ

آنکھوں میں نور' دل میں بصیرت ہے آپ سے
میں خود تو کچھ نہیں' میری قیمت ہے آپ سے
قربان ہو رہا ہوں محمد کے نام پر
عقبیٰ ہے' آپ سے' میری جنت ہے آپ سے

صدر محترم! سلطان دو عالم سے وفاداری حسن عمل کا تقاضا کرتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰه

یعنی جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ عزوجل کی اطاعت کی۔

گویا سلطان مدینہ کی اطاعت ہی اطاعت خداوندی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اطاعت رسول ہماری زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہونی چاہیے۔ ہم سے کوئی راعی ہے یا رعایا' حکمران ہے یا عام شہری۔ قاضی القضاۃ ہے یا معیشت دان' قانون دان ہے یا سیاسی رہنما۔ امام ہے یا مقتدی' میر کارواں ہے یا مسافر منزل شوق۔ ہر ایک کو اطاعت مصطفیٰ کا طوق اپنی گردن میں سجانا پڑے گا۔

جناب والا! آج ہم حالات کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ وقت ہمارا دشمن ہے۔ اغیار نے اسلام دشمنی کے سلسلہ میں سمجھوتہ کرلیا ہے۔ زندگی کی تیز دھوپ نے ہمارے پاؤں جھلسا دیئے ہیں۔ چشم فلک ہماری ذلت کا تماشا دیکھ رہی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم نے اطاعت رسول اور ناموس مصطفیٰ سے وفاداری کیلئے صرف گفتار کا سہارا لے لیا ہے۔ آج اگر ہم پھر سے عظمت اسلاف کی داستانیں تازہ کرنا چاہتے ہیں' آج اگر ہم پھر سے لوح وقلم کی میراث کو اپنانا چاہتے ہیں تو اس جذبے کے ساتھ حضور محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے عملی عقیدت کا رشتہ قائم کرنا ہوگا کہ

؎ تیرے در کے سوا آسودگی دل کہاں ملتی
زمانہ تیرے در پر ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا

ایٹمی توانائی انسانیت کیلئے حیات بخش ہے

صدر گرامی قدر! مجھے آپ کی وساطت سے آج کے ایوان میں پیش ہونے والی اس قرارداد کی حمایت مقصود ہے کہ

ایٹمی توانائی انسانیت کیلئے حیات بخش ہے

والا قدر! تاریخ شاہد ہے کہ طاقتوروں نے ہمیشہ اپنے فیصلے منوائے ہیں۔ ہر دور میں قیصر و کسریٰ جنم لیتے رہے ہیں۔ ہر عہد میں چنگیز اور ہلاکو اپنے ظلم و ستم کی داستان رقم کرتے رہے ہیں۔ انسانی کھوپڑیوں کے سجتے ہوئے مینار آج بھی تاریخ انسانیت کے چہرے کا بدترین داغ ہیں۔ جب چاروں طرف جنگل کا قانون نافذ ہونے لگے تو پھر کمزور اقوام کو بھی اپنے دفاع کا بھرپور حق حاصل ہے۔

جناب صدر! اپنے دفاع کیلئے تمام صلاحیتیں بروئے کار لانا ہر فرد اور حکومت کیلئے لازم ہے۔ ایسے عالم میں اگر رحمت خداوندی شامل حال ہو جائے اور خشک پتے کی طرح لرزنے والی مجبور قوم کو ایٹمی توانائی حاصل ہو جائے تو یہ اس قوم کیلئے ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کیلئے حیات بخش ہے۔ ایٹمی توانائی مردہ قوم کو حیات نو عطا کرتی ہے۔ اس قوم کے ہر فرد کو منزل جرأت و ہمت پر فائز کرتی ہے۔ پاکستان کو عطا ہونے والی ایٹمی توانائی بھی اس پریشاں حال قوم کو باوقار مستقبل کی نوید بخش رہی ہے۔

ایٹمی قوت خدائے پاک کا احسان ہے
اس سے روشن تر مرا یہ ملک پاکستان ہے
اس کے صدقے میں ملی عزم و عمل کی روشنی
ایٹمی قوت ہی ہر اک درد کا درمان ہے

صدرذی وقار! آج پاکستان ایٹمی توانائی سے بہرہ ور ہے۔ اس کی بدولت میرے وطن کی جغرافیائی سرحدیں محفوظ ہیں۔ ہمیں روزانہ بدترین انجام کی دھمکیاں دینے والا ہمارا ازلی دشمن اپنی دس لاکھ افواج واپس لے جا چکا ہے۔ جنگ و جدل کا نعرہ لگانے والے امن کے ترانے الاپ رہے ہیں۔ ہماری ذلت کا تصور کرنے والے ہماری جرأت و پامردی کو سلام کر رہے ہیں۔ ایسے عالم میں میرا یہ کہنا برحق ہے کہ ایٹمی قوت نے ملت پاک کو حیات نو بخش کر عالم انسانیت کو پرامن زندگی کی بشارت دی ہے۔

ایٹمی قوت میرے ہر درد کا مرہم بھی ہے
جانتا ہے غیر میرے پاس ایٹم بم بھی ہے

جناب والا! ایٹمی توانائی صرف ایٹم بم کا نام ہی نہیں ہے بلکہ اس سے انسانیت کے ارتقا کا کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ جوہری توانائی تو حیات بخش ہے۔ کارخانوں کے پہیے کی رفتار کو تیز تر کرنے کیلئے اس کی ضرورت ہے' ملک میں صنعتی انقلاب اس کی بدولت ہی برپا کیا جا سکتا ہے۔ بنجر زمینوں کو آباد کرنا ہو' ریگستانوں کو شہروں میں تبدیل کرنا ہو' کوہساروں کو مرغزاروں کا رنگ بخشنا ہو' ناممکنات زمانہ کو ممکنات کا روپ عطا کرنا ہو' سائنسی ایجادات اور علمی انکشافات کو عام کرنا ہو تو ایٹمی توانائی کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے۔ یہ ایٹمی توانائی ہی ہے جو عالم انسانیت کو انسانیت کا حسن عطا کر رہی ہے۔ یہ ایٹمی توانائی ہی ہے جو حیات بخش تقاضوں کی بجا آوری کیلئے اعلان کرتی ہے کہ

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

والا قدر! طاقتور اقوام کو کسی صورت گوارا نہیں ہے کہ کسی کمزور قوم کو ایٹمی قوت عطا ہو جائے۔ آج جو لوگ ایٹمی قوت کی مخالفت کر رہے ہیں کیا ان کو امریکہ اور اس کے حلیفوں کے ایٹمی ہتھیار نظر نہیں آتے۔ طاقتور اقوام کا معیار بھی جدا ہے اگر طاقتور کے ہاتھ میں ہتھیار ہو تو سبھی اس کی ادائے ناز سمجھتے ہیں لیکن پاکستان اور اس جیسے ترقی پذیر ممالک کی ایٹمی قوت کو انسانیت کیلئے زہر قاتل قرار دیا جاتا ہے۔ دوہرا معیار تخلیق کرنے والوں کی خدمت میں میں فقط یہی عرض کروں گا۔

؎ خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

جناب صدر! کمزور قوم کی ایٹمی قوت فقط دفاع کیلئے ہے اور جب تک کمزور اقوام دفاعی قوت سے مالا مال رہیں گی، اس وقت تک عالم انسانیت کو حیات نو عطا ہوتی رہے گی، چنگیز اور ہلاکو لشکر کشی سے باز رہیں گے۔ خون آشام بھیڑیوں کو ان کی حدود تک رکھنا، عالم انسانیت کیلئے حیات بخش پیغام ہے۔

جناب والا! ایٹمی قوت صرف جنگی ہتھیار نہیں بناتی بلکہ ارتقائے ہستی کا فریضہ بھی انجام دے رہی ہے۔ ایٹمی بجلی گھر، خلاؤں کی تسخیر، مریخ پر قبضے کے منصوبے، کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور ہر ممکن ٹیکنالوجی کو آگے بڑھانا۔ معدنیات کی تلاش، زمین میں پوشیدہ خزانوں کو سامنے لانا، مہلک بیماریوں کا علاج سمیت ایٹمی قوت قدم قدم پر حیات نو عطا کر رہی ہے۔

جناب صدر! ان حقائق کی روشنی میں مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ ایٹمی قوت انسانیت کیلئے حیات بخش ہے۔

رہبر اعظم کا پیغام انسانیت

جناب صدر محفل! معلمین ذی وقار اور عزیز طلبہ و طالبات! مجھے آج تاریخ فطرت کے جس سب سے زیادہ پاکیزہ موضوع پر اظہار خیال کرنے کی سعادت حاصل کرنا ہے' وہ ہے۔

رہبر اعظم کا پیغام انسانیت

جناب والا! یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کاروان ہستی کے رہبر اعظم ہیں۔ آپ نے اس خطے میں مبعوث ہو کر انسانیت نوازی کا پیغام سنایا جو ظلم و تشدد کا مرکز تھا۔ جزیرہ نمائے عرب پر انسانوں کا خون پانی کی طرح بہایا جاتا تھا۔ معصوم بچیوں کو پیدا ہوتے ہی زمین میں دفن کر دیا جاتا کیونکہ کوئی ان کا باپ کہلانا گوارا نہیں کرتا تھا۔ عورت کو پاؤں کی جوتی اور شرافت و حیا کی کمزوری سمجھا جاتا تھا۔ غیرت و حمیت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ خدا کے گھر میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ نفرت' انتقام اور وحشت و بربریت کی تاریک آندھیاں چل رہی تھیں' کمزوروں' بے کسوں اور مظلوموں کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ انسانیت رو رہی تھی۔ زمین کی آغوش میں دفن ہونے والی بے گناہ معصوم بچیوں کی روحیں خدا کی رحمت کو آواز دے رہی تھی۔

اور پھر جناب صدر! خدا کی رحمت کا بحر بے کراں مواج ہو گیا اور ہمارے آقا و مولا حضور محمد مصطفیٰ ﷺ قافلہ انسانیت کے رہبر اعظم بن کر کائنات میں جلوہ

آرا ہو گئے۔ آپ آئے تو روتے دلوں کو قرار آ گیا۔ مایوس انسانوں نے سمجھا کہ جان بہار آ گیا' بزم ہستی پکاری دو عالم کا افتخار آ گیا' کمزوروں کا سہارا اور بے نواؤں کا حامی و مددگار آ گیا اور کوہ فاران کی چوٹیوں سے آوازۂ حق گونج اٹھا۔

وہ دیکھو نور برساتا عرب کا تاجدار آیا
غلاموں' بے نواؤں' بے کسوں کا غم گسار آیا

عالی مرتبت! راہنمائی دنیا کا مشکل ترین منصب ہے اور پھر اس قوم کی راہنمائی کہ جو گمراہی و ذلت کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔ یہ کام بہت دشوار تھا مگر آپ تو رہبر اعظم تھے' ہادیٔ اکرم تھے' رحمت مجسم تھے۔ قدرت نے آپ کو رہبر اعظم کا منصب عطا کرنے کیلئے ازل سے ابد تک کے تمام محاسن سے نواز رکھا تھا۔ آپ میں ایوب علیہ السلام کا صبر تھا' داؤد علیہ السلام کی دانائی اور سلیمان علیہ السلام کی شان فرمانروائی تھی' یحییٰ علیہ السلام کا حلم تھا' شعیب علیہ السلام کی شفقت تھی' یونس علیہ السلام کا استقلال تھا' موسیٰ علیہ السلام کی پامردی تھی' نوح علیہ السلام کا ذوق تبلیغ تھا' یوسف علیہ السلام کا ایثار تھا' ابراہیم علیہ السلام کی نرم دلی تھی' یعقوب علیہ السلام کا حوصلہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی خاکساری تھی۔ آدم علیہ السلام کی شان قیادت اور اسماعیل علیہ السلام کی سیادت تھی۔ آپ کی انہی راہنمایانہ صفات کو دیکھ کر اہل نظر کو اقرار کرنا پڑا۔

یا صاحب الجمال و یاسید البشر
من وجہک المنیر لقد نور القمر
لایمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حاضرین کرام! جب رہبر اعظم ﷺ اپنی ابدی قیادت کا پرچم اٹھا کر آگے بڑھے تو عالم انسانیت کے خزاں رسیدہ گلشن پر بہار آ گئی۔ اہل ایمان آپ کی ایک

جھلک دیکھتے ہی پکار اٹھے کہ محمد مصطفیٰ علیہ السلام کی صورت میں رحمت پروردگار آ گئی۔ صدیوں سے بگڑے ہوئے معاشرہ کو سنوارنا ایک انتہائی کٹھن امر تھا مگر آپ کوئی عام انسان تو نہیں تھے' آپ تو محبوب خدا تھے۔ آپ پر پتھر برسائے گئے مگر آپ رحمت کے پھولوں سے نوازتے رہے۔ آپ کو کانٹوں پر چلنا پڑا مگر آپ جنت کی بشارت دیتے رہے۔ کافر عورتیں آپ پر گندگی پھینکتی رہیں مگر آپ دعاؤں سے نوازتے رہے۔ دشمن آپ کی شہادت کے منصوبے بناتے مگر آپ لطف و رحمت کی ردائیں بخشتے رہے۔ آپ کو گالیاں دی گئیں' نعوذ باللہ آپ کو ساحر و کاذب کہا گیا۔ آپ کے ماننے والوں کیلئے زندگی تنگ کر دی گئی۔ ابلیس اور اس کے ماننے والے اس رہبر اعظم کے پیغام کو روکنے کیلئے تمام باطل قوتیں آزماتے رہے مگر خدا فیصلہ کر چکا تھا کہ

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْن

بجھاتے ہی رہے پھونکوں سے رہ رہ کر کفار اس کو
مگر نور اپنی ساعت پر رہا قائم تمام اس کا

صدر والا قدر! اور پھر تاریخ نے دیکھا کہ نور محمد مصطفیٰ کفر و شرک کی تاریکیوں پر غالب آ چکا تھا۔

جناب والا! آج کا مورخ سوال کرتا ہے کہ وہ کون سی قوت تھی جس کے سہارے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تن تنہا باطل کا سر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جھکا دیا۔ وہ قوت میرے آقا و مولا کا کردار تھا جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَه

سیدہ عائشہ کے لفظوں میں قرآن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کی تفسیر ہے۔ آپ مجسم رحمت اور سراپا شفقت تھے۔ آپ کی لافانی سیرت ہی انسانیت کیلئے سب

سے بڑا پیغام ہے کیونکہ

؎ کچھ ان کے خلق نے کرلی کچھ ان کے پیار نے کرلی
مسخر اس طرح دنیا شہ ابرار نے کرلی

صدر محترمہ! حضور انور ﷺ کی زندگی وقت کے ہر پہلو پر محیط ہے۔ ایک عام انسان کی حیثیت سے دیکھیں یا محبوب خدا کی حیثیت سے' مکہ کے شہری کی حیثیت سے دیکھیں یا دو عالم کے حکمران کی حیثیت سے' اطاعت گزار بیٹے کی حیثیت سے دیکھیں یا مہربان والد کی حیثیت سے' منصف اعلیٰ کی حیثیت سے دیکھیں یا سپہ سالار کی حیثیت سے' قانون دان اور قانون ساز کی حیثیت سے دیکھیں یا سرور کائنات کی حیثیت سے' سید البشر کی حیثیت سے دیکھیں یا امام الانبیاء کی حیثیت سے' غرضیکہ انسانیت کا قافلہ جس راستے سے بھی گزر رہا ہو' نبی کریم کی سیرت اسے راہنمائی کے آداب سکھاتی رہے گی۔

عزیز بہنو! لاکھوں درود اور سلام ہوں اس رہبر اعظم پر جس کا پاکیزہ کردار مادیت کی تاریکیوں میں بھٹکنے والوں کو یہ پیغام دے رہا ہے کہ

؎ دہر کو سیرت سرکار سکھا دی جائے
سنگباری جو کرے کوئی دعا دی جائے
روشنی سیرت سلطان حرم سے لے کر
قلب کو حلم' نگاہوں کو حیا دی جائے

حضور نبی کریم ﷺ امن وسلامتی کے علمبردار

صدرِ ذی وقار اور حاضرین والا تبار! مجھے آج جس موضوع کو الفاظ کے گلدستے میں سجانا ہے وہ ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ امن وسلامتی کے علمبردار

جناب والا! میں اس وقت تاریخ کے لہورنگ موڑ پر کھڑا ہوں۔ ہلاکو اور چنگیز خان کے وارث انسانیت کی قبائے نور کو تار تار کر رہے ہیں۔ انسانی خون کو مانند آب ارزاں کرنے والے عصر حاضر کے نمرود اور شداد انسانی لاشوں کے ڈھیر پر کھڑے ہیں اور ذرائع ابلاغ کی چکا چوند کا سہارا لے کر اصرار کر رہے ہیں کہ ہمیں مانو، ہمیں تسلیم کرو کہ ہم ہی امن وسلامتی کے علمبردار ہیں۔

مگر جناب صدر! اچانک تاریخ انسانیت اس اولاد تا تار کے سامراجی طلسم کو پارا پارا کر دیتی ہے اور وقت کی ایک ہی جست مجھے چودہ سو سال پہلے کے خطۂ حجاز میں لے جاتی ہے۔ وہ خطۂ حجاز جہاں سے امن وسلامتی کے سب سے بڑے علمبردار جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ظلم وستم کے ریگستانوں میں گلستان انسانیت کو اس شان سے بہار جاودانی سے ہمکنار کیا کہ

شدت ظلم ہوئی خلق محمد سے فنا
جتنے شداد تھے ہر ایک نے دم توڑ دیا
تھا برہمن کو بہت رشتۂ زنار پہ ناز
آپ سے سلسلہ جوڑا تو صنم توڑ دیا

جناب صدر! اس حقیقت کے گواہ اپنے ہی نہیں بیگانے بھی ہیں کہ امن و سلامتی کے سب سے بڑے علمبردار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ رب کریم نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنایا۔ آپ نے شفیع المذنبین ہونے کا اعزاز پایا۔ قدرت نے آپ کے سر پر خلق عظیم کا تاج سجایا۔ آپ کے پیغام امن وسلامتی کی قوت نے ہر قوت کو جھکایا۔ ماضی ہو یا حال اور مستقبل ہر زمانے نے آپ کے سایۂ رحمت تلے ہی قرار پایا۔

جناب والا! میرے حضور نے زندگی کے ہر موڑ پر امن وسلامتی کے پھول کھلائے۔ مکہ کے عام شہری کی حیثیت سے مدینہ کے تاجدار اعلیٰ کی حیثیت غزوات کے فاتح اور کشور کشا کی حیثیت سے ہر مقام پر آپ امن وسلامتی کی نوید دیتے نظر آتے ہیں۔ ہجرت سے قبل آپ مکہ میں تھے تو آپ کے جانثاروں کی تعداد سینکڑوں میں تھی مگر آپ نے کہیں بھی قتل و غارت گری کی مثال قائم نہیں کی۔ آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے مگر آپ جنت کے پھولوں کی بشارت دیتے رہے۔ آپ کے چہرۂ یٰسین پر غلاظت پھینکی گئی مگر آپ دشمنوں کے حق میں دعا کرتے رہے۔ آپ پر پتھروں کی بارش کی گئی مگر آپ کے لب ہائے جاں نواز گنہگاروں کیلئے دعاؤں کے جواہر لٹاتے رہے۔ آپ نے خون کے پیاسوں کو قبائیں اور جان کے دشمنوں کو ردائیں دیں۔ حق تو یہ ہے کہ

وہ اک امی کہ ہر دانش کو ٹھکراتا ہوا آیا
وہ اک دامان بخشش پھول برساتا ہوا آیا
وہ اک نرمی کہ سنگ وخشت کے سینے میں جا اتری
وہ اک شیشہ کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوا آیا
تیرے در کے سوا آسودگی دل کہاں ملتی
تیرے در پہ زمانہ ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا

جناب والا! میرے آقا مدینہ تشریف لائے تو یہود اور نصاریٰ کے ساتھ امن وسلامتی اور بقائے باہمی کا معاہدہ کرلیا۔ طاقت بڑھی تو بزور شمشیر طاقت منوانے کی کوشش نہیں کی۔ تلوار اٹھائی تو اہل ایمان کی نصرت اور مظلوموں کی حمایت میں۔ تاریخ شاہد ہے کہ بعض اوقات امن وسلامتی کی بقا کیلئے جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے۔ آپ نے اگر تلوار اٹھائی تو اس عزم کے ساتھ کہ وقت کی کوکھ سے جنم لینے والے ہر قیصر و کسریٰ کا خاتمہ کر دیا جائے تاکہ امن وسلامتی کیلئے ترسنے والے سکون کا سانس لے سکیں۔

جناب صدر! میرے حضور ﷺ پیامبر امن وسلامتی ہیں۔ اس وقت بھی جب آپ ﷺ بدر' احد' خندق اور حنین کی معرکہ آرائیوں میں مصروف تھے' اور اس وقت بھی جب عالم عرب تسخیر ہو چکا تھا اور آپ ﷺ کے مجاہدوں کے گھوڑوں کی ٹاپ وقت کے فرعونوں کو گردنیں جھکانے پر مجبور کر رہی تھیں۔ شہر فتح ہو رہے تھے' علاقے تسخیر ہو رہے تھے' وحشت و بربریت کے خونیں ماحول میں فتح و نصرت کی ایک نئی کتاب انقلاب رقم ہو رہی تھی۔ وہ کتاب انقلاب جس کا پیش لفظ محبوب خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تلوار کی نوک سے نہیں بلکہ امن وسلامتی کے گل و لالہ کی مہک سے تحریر کیا تھا۔

جناب والا! احادیث اور تواریخ شاہد ہیں کہ جب انقلاب مصطفوی ﷺ اپنی قوت منوا چکا تھا تو اس وقت بھی آپ ﷺ عساکر اسلام کو روانہ کرتے وقت یہی فرماتے۔

''سرسبز کھیتوں کو برباد مت کرنا' کمزور بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا' ان مردوں کو بھی قتل نہ کرنا جو جنگ سے گریز کرتے ہیں' جہاں گفتگو سے کام نکلے وہاں تلوار نہ اٹھانا''۔

تمام سلاطین اور کشور کشاؤں کی تاریخ پڑھیے' کہیں بھی ایسا امن وسلامتی کا جاودانی شہپارہ نظر نہیں آئے گا۔

جناب صدر! طاقت اور اقتدار کا نشہ بڑے بڑے مصلحین سے عدل وتوازن کا معیار چھین لیتا ہے مگر یہاں تو نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر جمیل ہے جن کو عطا ہونے والی ہر بلندی ان کا سر خالق کے حضور فرط تشکر سے جھکا دیتی ہے۔ وہ بھی ایسا ہی منظر تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر جرار کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ انداز سے داخل ہوئے۔ وہ شہر مکہ جہاں کے درودیوار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تنگ کر دیئے گئے تھے۔ وہ مکہ جس کے مکینوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پل بھی چین لینے نہیں دیا تھا۔ آج اسی مکہ کے تمام مکین اس عظیم ترین داعی امن وسلامتی کے سامنے لرزیدہ بدن کھڑے تھے۔ وقت کی ہر جنبش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی منتظر تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ ہو اور مکہ کی سرزمین ان دشمنان خدا و رسول کے خون سے رنگین کر دی جائے مگر سلام اس داعی امن وسلامتی پر جس نے ''لاتثریب علیکم الیوم'' کہہ کر خون کے پیاسوں کو اپنے دامان رحمت میں پناہ دے دی۔

ذی وقار! نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے امن وسلامتی کا جو پرچم بلند کیا تھا وہ آج بھی سربلند ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماہتاب امن وسلامتی آج بھی ''ورفعنالك ذكرك'' کی ضیائیں بکھیر رہا ہے' مگر افسوس ہم نے اسی روشنی سے منہ پھیر کر دلوں کے دروازے مقفل کر لئے ہیں' نبی رحمت کے نام لیواؤں نے عبادت گاہوں کو مورچوں میں تبدیل کر لیا ہے' ضمیر کے سوتے خشک اور دلوں کے گلشن بنجر ہو چکے ہیں' ہماری سجدہ گاہیں ہمارے ہی خون سے سرخ ہو رہی ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم نبی رحمت سے محبت کے دعویدار بھی ہیں اور ہمارے ہی ہاتھوں سے قبائے امن وسلامتی چاک ہو رہی ہے۔ ہم توحید و رسالت کے وارث بھی کہلاتے ہیں اور ہماری آستینوں

میں فرقہ واریت کے خنجر بھی پوشیدہ ہیں۔

جناب والا! ان حالات کے تناظر میں تاریخ انسانیت کے سب سے بڑے داعی امن و سلامتی حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے حضور اپنی زبوں حالی کا استغاثہ پیش کرتے ہوئے اجازت چاہوں گا کہ

دے تبسم کی خیرات ماحول کو ہم کو درکار ہے روشنی یانبی
اک شیریں جھلک' ایک نوریں ڈھلک تلخ و تاریخ ہے زندگی یانبی
دشمن جاں ہوا میرا اپنا لہو' میرے اندر عدو میرے باہر عدو
ماجرائے تحیر ہے پرسیدنی' صورت حال ہے دیدنی یانبی
زیست کے تپتے صحرا پہ شاہ عرب' تیرے اکرام کا ابر برسے گا کب
کب ہری ہوگی شاخ تمنا مری' کب مٹے گی مری تشنگی یانبی

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

صدرِ ذی وقار اور حاضرین کرام! مجھے آج جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ علامہ محمد اقبال کے قلم سے ابھرتا ہوا محبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عالمگیر پیغام ہے کہ

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

جناب والا! آج سے چودہ صدیاں قبل فاران کی چوٹیوں سے جو شمع ہدایت نمودار ہوئی تھی، اس کی لافانی جگمگاہٹ اور ابدی ایمان افروزی میں کسی دور میں بھی کمی واقع نہیں ہوئی۔ انقلابات دہر رونما ہوتے رہے، وقت کی گردشیں محو سفر رہیں، عالم انسانیت کی تاریخ بگڑتی اور سنورتی رہی لیکن مہر فاران صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی آج بھی مینارہ نور ہے۔ دل و نظر کا قرار اور گلشن فطرت کا نکھار ہے۔ آپ کی تعلیمات سے رشد و ہدایت کے دھارے پھوٹتے اور فیضان عام کے چشمے بہتے ہیں۔

والا مرتبت! خوش بخت ہیں وہ آنکھیں کہ جن کی زینت خاک مدینہ و نجف ہے۔ نکہت و نور کا مرکز ہے وہ دل جو یاد حضور سے آباد ہے۔ عظمت انسانیت کا حسن ہے وہ سینہ کہ جس میں مدینہ بس رہا ہے۔ خاک مدینہ و نجف کو آنکھوں کا سرمہ بنانا دراصل حب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج ہے۔ خاک مدینہ و نجف کے سرمے سے روشن ہونے والی آنکھیں ہر لحظہ عشق رسول علیہ السلام کی تجلیات سے آباد رہتی ہیں۔ اس احساس کے ساتھ کہ

شاید اسی کا نام ہے توہین جستجو
منزل کی ہو تلاش تیرے نقش پا کے بعد

صدر محترم! خاک مدینہ و نجف کو آنکھوں کا سرمہ بنانا محض ایک ادبی ترکیب نہیں بلکہ ذات رسول ﷺ سے وابستگی کا بے مثال اظہار ہے۔ محبت رسول ﷺ ہی اطاعت رسول ﷺ کے آداب سکھاتی ہے۔ پھر عشاق کا ہر عمل اپنے آقا و مولا کی صورت سے دل کا سرور اور سیرت سے آنکھوں کا نور حاصل کرنے لگتا ہے۔ یہی وہ قدسی لمحہ ہے جب مَنْ یُّطِعِ الرَّسول فَقَد اطاع اللّٰه کی عملی تفسیر عشاق مصطفیٰ کا اعزاز بن جاتی ہے۔ وہ فنا فی الرسول کے قلزم نور میں گم ہو کر فنا فی اللہ کی منزل کا تمنائی بن جاتا ہے۔ یہیں سے اسے اطاعت رسول کے صلے میں حیات دوام کی خلعت نور عطا ہوتی ہے اور اس فکر کی تازگی سے محبت رسول کے گل و لالہ کی مہک اس طرح محسوس ہوتی ہے کہ

یادِ رحمت سنک جائے
وادیٔ جاں مہک جائے
جب چھڑے بات نطق حضرت کی
غنچۂ فن چٹک جائے

جناب والا! عقیدت سے عقیدہ اور عشق سے غیر مشروط اطاعت کا جذبہ جنم لیتا ہے۔ جب چشم بصیرت خاک شہر حضور سے روشن ہو تو پھر محب وہی چاہتا ہے جو محبوب کی رضا ہوتی ہے۔ آنکھوں میں عشق رسول ﷺ کے ستارے روشن ہو جائیں تو پھر مال و زر ہی لٹایا نہیں جاتا بلکہ جان بھی رضائے محبوب الٰہی کے نام پر نچھاور کر دی جاتی ہے۔

والا مرتبت! جب خاک مدینہ حاصل آرزو بن جائے تو پھر جلوۂ دانش فرنگ

اپنی خیرگی کھو بیٹھتا ہے۔ باطل نظریات کے سراب وقت کے گرد باد میں گم ہو جاتے ہیں۔ ہم ایک نظر دیکھتے ہیں کہ یہ شہر مدینہ کیا ہے؟ یہ وہی شہر ہے جس کے متعلق شفیع دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جسے مرنے کی قدرت حاصل ہو وہ مدینے میں موت کو سینے سے لگائے۔ وہی مدینہ جو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کیلئے جنت نگاہ ہے۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو جس کے صحرا پہ کوہ طور اور جس کے گلی کوچوں پہ رہگزار نور کا گمان ہوتا ہے۔ وہ مدینہ کہ

نبی کا جس جگہ پر آستاں ہے
زمیں کا اتنا ٹکڑا آسماں ہے

والا قدر! شہر مدینہ سے محبت سلطان مدینہ ﷺ سے غیر متزلزل محبت کا اسلوب عطا کرتی ہے۔ بارگاہ رسول ﷺ میں فقط لفظ نہیں بلکہ عمل کا حسن مقبول ہوتا ہے۔ جس نگاہ میں صورت و سیرت حضور کی تجلیات بس جائیں وہ رسالت کے ایوان نور میں توحید الٰہی کی جگمگاہٹ دیکھتی ہے۔ اسی لئے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

جب صاحب ایمان محمدیت کے انوار میں گم ہوتا ہے تو اسے احدیت کا سراغ ملتا ہے اور جوں جوں وہ محمدیت کے جلووں کا تمنائی بن کر آگے بڑھتا ہے اس پر فَقَد اطاع اللہ کے اسرار منکشف ہوتے ہیں۔ یہی مقصود فطرت ہے جو عشق رسول کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔

روحِ قرآں جان ایماں مغزِ دیں
ہست حب رحمۃ للعالمیں

جناب صدر! خاک شہر حضور کو سرمۂ چشم بصیرت بنانے والوں کا حوصلہ تو دیکھئے۔ وہ گنتی کے مجاہد تھے مگر قیصر و کسریٰ کے مقدر کے مالک بن گئے۔ وہ بے سر و سامان تھے مگر تقدیر خداوندی ان کے پابۂ رکاب چلتی تھی۔ وہ دنیاوی لحاظ سے کم

مایہ تھے مگر فرشتے ان کی تائید و نصرت کو اترتے تھے۔ رُخ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے روبرو تھا۔ وہ بولتے کم مگر عمل زیادہ کرتے تھے۔ وہ قیل و قال کے مرد میدان نہیں بلکہ رزم حق و باطل کے غازی تھے۔ قرآن ان کا رہبر تھا' ایمان ان کا اسلحہ اور اسلام ان کا اعزاز تھا۔ حضور سلطان دو عالم عین قرآن بلکہ روح قرآن ان کیلئے نمونہ عمل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جدھر بھی گئے محبت رسول ان پر سایہ فگن رہی۔ ان پر یہ حقیقت الم نشرح تھی کہ حضور راضی ہیں تو ان کا ایمان مکمل ہے۔ وہ حضور کو دیکھ کر جیتے تھے اور آپ کے نام پر مر مٹنے کو حیات دوام سے تعبیر کرتے تھے۔ انہوں نے خون کی دھاروں سے غسل کر کے محبت رسول اور اطاعت خداوندی کا جو پیغام دیا' وہ شام ابد تک حسن فطرت کا غازہ بنا رہے گا۔

والا قدر! آج کا موضوع تقریر ہمیں جھنجھوڑ رہا ہے۔ ہمارے منجمد ضمیر کو حرارت بخش رہا ہے۔ ہم تعداد میں ایک ارب بیس کروڑ ہو کر بھی ذلیل و رسوا ہیں۔ زمانہ ہماری پریشاں حالی پر مسکراتا ہے کہ خاک مدینہ و نجف کو آنکھ کا سرمہ بنانے والو تم نے منافقت کو کب سے شعار زندگی بنالیا ہے۔ تم حب رسول کا دعویٰ بھی کرتے ہو اور اغیار کی دانش برہانی کے گن بھی گاتے ہو۔ کشکول گدائی توڑنے کا دعویٰ بھی کرتے ہو اور آئی ایم ایف اور امریکہ کے سامنے جبین نیاز بھی جھکاتے ہو۔ توحید و رسالت کے وارث ہونے کے دعویدار بھی ہو اور حرص و ہوس کے لات ومنات بھی سجا رکھے ہیں۔ کاش تم نے اپنا کشکول تمنا صاحب گنبد خضریٰ کے حضور دراز کیا ہوتا۔ کاش تم نے محبت رسول کے نام پر اسلام کے سرچشمہ حیات سے فکرو نظر کی شادکامی کا اہتمام کیا ہوتا۔

جناب صدر اور فعسالك ذكرك کا علم نور آج بھی لہرا رہا ہے۔ اس کی سربلندی میں کبھی کمی نہیں آئیگی۔ ضرورت فقط اس امر کی ہے کہ ہم محبت واطاعت

حضور ﷺ کا وہ نظارا پیش کریں جو اصحاب حضور کا شعار زندگی تھا۔ میں اپنے آقا و مولا کا ادنیٰ سا غلام خاک مدینہ و نجف سے روشنی لے کر بارگاہ رسالت مآب میں اپنی زبوں حالی کا استغاثہ پیش کرتے ہوئے اجازت چاہوں گا۔

روشنی مٹ گئی، تیرگی بڑھ گئی المدد یانبی المدد یانبی
دل ہے مغموم تو آنکھ پرنم ہوئی المدد یانبی المدد یانبی
وقت کی ذلتیں اب مقدر بنیں، اور خوشحالیاں خواب میں ڈھل گئیں
کب نظر آئے گی شوکت زندگی المدد یانبی المدد یانبی

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی

صدر گرامی قدر اور حاضرین ذی وقار! مجھے آج جس ایمان آفریں موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے' وہ ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی

جناب والا! حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم محبوب خدا ہیں' مطلوب کائنات ہیں' حاصل ایمان ہیں' روح قرآن ہیں۔ آپ کا دامن ہر دور کیلئے دامان رحمت ہے۔ آپ کے لطف و عطا سے ہر زمانہ مستفید ہو رہا ہے۔ ہر صاحب ایمان کیلئے ذات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مرکز عقیدت ہے۔ سارا زمانہ اس آرزو میں مچل رہا ہے کہ سلطان دو عالم کی غلامی نصیب ہو جائے۔ کیونکہ یہ غلامی رشک شہنشاہی ہے' افتخار کجکلاہی ہے' اور زمانہ اس حقیقت سے آگاہ ہے۔

آنکھوں میں نور' دل میں بصیرت ہے آپ سے
میں خود تو کچھ نہیں' مری قیمت ہے آپ سے

صدر والا قدر! حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی بلاشبہ دو عالم میں سرخروئی کی ضمانت ہے۔ یہ غلامی دو عالم کے دکھوں سے آزاد کرتی ہے۔ ویران دلوں کو عشق رسول سے آباد کرتی ہے۔ رنج و آلام کے مارے ہوؤں کو زندگی کی راحتیں عطا کرتی ہے۔ غلاموں کو آقائی عطا کرتی ہے۔ مظلوموں کو شان دارائی بخشتی ہے۔

مگر صدر محترم! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی جس قدر بڑا اعزاز ہے' اس کیلئے

اتنی ہی زیادہ قربانی دینی پڑتی ہے۔ آپ کی غلامی ہمیں آپ کی غیر مشروط اطاعت کا پیغام دیتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی محبت عین محبت الٰہی ہے۔ اسی طرح آپ کی اطاعت ہی اطاعت خداوندی۔ اسی اطاعت رسول کا نام غلامی رسول ہے۔ اور جو اطاعت رسول کی تصویر بن گئے' انہی کو صحیح معنوں میں آزاد ہونے کی فضیلت عطا ہوئی' اور وہی نگاہ رسول میں محبوب تر ٹھہرے کیونکہ

تری نگاہ جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبی قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

جناب والا! محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کی برکات دیکھنی ہوں تو حضور ﷺ کے غلاموں' جانثاروں اور شہدائے اسلام کے کارنامے دیکھئے۔ ذرا اس بلال رضی اللہ عنہ کا تصور کیجئے جو مکہ میں امیہ بن خلف کا غلام تھا' اسے کوئی پوچھتا نہ تھا مگر جب وہ اسلام کی دولت سمیٹ کر آقائے دو عالم ﷺ کی غلامی میں آیا تو اس نے اسلام کے سب سے پہلے مؤذن کا رتبہ پایا۔ بے نام ونشاں بلال (رضی اللہ عنہ) کو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کہا جانے لگا۔ اقبال نے بلال رضی اللہ عنہ کو یوں خراج عقیدت پیش کیا۔

چمک اٹھا جو ستارا تیرے مقدر کا
حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا
ہوئی ہے اسی سے ترے غمکدے کی آبادی
تیری غلامی کے صدقے ہزار آزادی
ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

معزز حاضرین! غلامی رسول ﷺ تقاضا کرتی ہے کہ حضور ﷺ کو اپنے مال' اولاد' ماں' باپ حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھا جائے۔ آزادی کی سند حاصل

کرنے کیلئے آپ کے کردار کو شمع راہ بنایا جائے۔ آپ کی سیرت سے خوشہ چینی کی جائے۔ تاریخ اس منظر کو فراموش نہیں کر سکتی جب رسول اللہ ﷺ نے جنگ کی تیاری کیلئے مال مانگا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گھر میں جھاڑو پھیر کر تمام سرمایۂ حیات اٹھا کر لے آئے اور جب محبوب خدا نے پوچھا کہ گھر میں کیا چھوڑ آئے تو ادب سے یہی عرض کیا۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

صدر ثریا جاہ! میں تاریخ اسلام کے چودہ سو برسوں کا تصور کرتا ہوں تو ہر طرف غلامان مصطفیٰ ﷺ کے عشق و عقیدت کی بہار نظر آتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی! اللہ اکبر کہ جس پر آسمانوں کی بلندی بھی شرما جائے۔ میں تصور کرتا ہوں ان خوش بختوں کا جو محبت رسول کے نام پر مال و جان کے نذرانے پیش کر گئے۔ میں کبھی حضرت خبیب رضی اللہ عنہ و حضرت زید رضی اللہ عنہ کے دار و رسن کی آزمائش سے گزرنے کا منظر دیکھتا ہوں۔ کہیں حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت سمیہ کے جان سے گزرنے کا نظارا ایمان تازہ کرتا ہے۔ کہیں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ' حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی غلامی رسول کی ادائیں یاد آتی ہیں۔ کہیں حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ' حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا جذبۂ رندانہ دکھائی دیتا ہے تو کہیں غلامی رسول کے نام پر حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور خاندان اہلبیت کے سر کٹا کر آزادی حاصل کرنے کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ عہد حاضر میں آتا ہوں تو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اور غازی عبدالقیوم کے فنا فی الرسول ہونے کی صدائے ایمان آفریں سنائی دیتی ہے۔

جناب صدر! حقیقت تو یہ ہے کہ جنہیں غلامی رسول کی بدولت دو عالم میں

سرخروئی اور ہر غم سے آزادی کی نوید عطا ہوئی وہ زمانے بھر کی غلامی کی زنجیریں کاٹنے لگے۔ غلامانِ مصطفیٰ ﷺ آپ کی تعلیمات کو دل میں بسا کر نکلے تو طاغوتی قوتوں کا غرور مٹی میں ملا دیا۔ قیصر و کسریٰ کے غرور کو قدموں تلے روند ڈالا۔ براعظم ایشیا سے لے کر یورپ تک جدھر بھی گئے غلامی رسول کے حوالے سے آلام ہستی سے آزادی کا پیام لہراتے گئے۔

والا قدر! آج حالات نے پھر غلامانِ رسول کو آزمائش سے دوچار کر دیا ہے۔ کشمیر، فلسطین، افغانستان اور عراق سمیت کتنے ہی مسلم خطوں کے مظلوم مسلمان ہمیں آواز دے رہے ہیں کہ سلطان مدینہ کے نام لیواؤ ہم خاک و خون میں لوٹ رہے ہیں، ہم پہ قیامت ٹوٹ رہی ہے، ہماری غلامی کی زنجیریں کاٹنے کب آؤ گے؟ وقت ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ خود کو بلاتاخیر دامانِ رسول ﷺ سے وابستہ کرلو۔ یہی سہارا ہے دنیا میں سرخروئی کیلئے۔ یہی ذریعہ ہے آخرت میں کامرانی کیلئے۔ میں اسی وابستگی کے حوالے سے اجازت چاہتا ہوں۔

؎ تیرے در کے سوا آسودگی دل کہاں ملتی
زمانہ تیرے در پر ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا

اقبال کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

صدر محترم اور حاضرین کرام! آج مجھے جس موضوع کو اپنے جذبات کے
گلدستے میں سجانا ہے وہ ہے۔

اقبال کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ محمد اقبال وہ دانائے راز تھے کہ جن کے وجود کیلئے بزم ہستی مدتوں مح
دعا رہی ہے۔ آپ نے ملت اسلامیہ کے تن مردہ میں آزادیٔ حیات اور عزم و عمل
کی نئی روح پھونک دی۔ اقبال وہ ترجمان خودی تھے جنہوں نے فطرت کے اسرا
منکشف کیے۔ قوم کے جوانوں کو شاہینی پرواز اور فرزندان توحید کو "مرد مومن"
تصور دیا۔ سکندرانہ جلال کا تصور رکھنے والوں کو قلندرانہ ادائیں سکھائیں۔

جناب صدر! آپ کی شاعری آفاقی اور ابدی ہے۔ اس ابدیت کا سرچشم
عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھوٹتا ہے۔ یہی عشق رسول تھا جو شاعر مشرق کی زندگی او
شاعری کا مرکز و محور تھا۔ اسی عشق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشبو ان کے قلم سے پھوٹتی او
عشاق حضور کے دلوں میں اس پیغام کے ساتھ گھر کر لیتی ہے۔

ترا جوہر ہے نوری' پاک ہے تو
فروغ دیدۂ افلاک ہے تو
تیرے صید زبوں فرشتہ و حور
کہ شاہینِ شہِ لولاک ہے تو

صدر والا مرتبت! اقبال کا عشق رسول ﷺ اسلامیان عالم کو شاہین شہ لولاک بننے کا پیغام دیتا ہے۔ اس عظیم پیغام کے پس پردہ علامہ اقبال کی علمی زندگی کی تب وتاب اور فکری تگ وتاز پوشیدہ ہے۔ یہی عشق رسول ﷺ ہے جو انہیں یورپ کے ظلمت کدوں میں بھی اپنی تب وتاب میں گم رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ بڑے فخر کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

محترم حاضرین! خاک مدینہ و نجف کو اپنی آنکھ کا سرمہ قرار دے کر اقبال حضور نبی کریم ﷺ کی ذات کو فکر و عمل کا محور قرار دیتے ہیں تو ان کے اندر ایک عظیم عاشق رسول مچلنے لگتا ہے۔ ان کے شب و روز حضور کی محبت میں بسر ہوتے ہیں۔ وہ محبوب دو عالم کی یاد میں تڑپتے اور پروانے کی طرح جلتے ہیں' مگر مدینہ کے سفر کا عزم کرتے ہیں تو قدم ڈگمگا جاتے ہیں کہ کس منہ سے شفیع عاصیاں کے حضور جاؤں گا۔ روز قیامت کے تصور سے' اعمال کے محاسبہ کا خوف نہیں ستاتا بلکہ یہ خیال مارے ڈالتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے نامۂ اعمال کو دیکھ کر کیا خیال فرمائیں گے۔ اسی لئے خدا کے حضور اپنی عرضداشت پیش کرتے ہوئے سسک اٹھتے ہیں کہ

مکن رسوا حضور خواجہ مارا
حساب من ز چشم اونہاں گیر

جناب والا! اقبال کا عشق رسول محض لفظی نہیں بلکہ عملی ہے۔ وہ پوری ملت اسلامیہ کو اسوۂ حضور ﷺ کے سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک "اطیعوالرسول" ہی عشق رسول کی معراج ہے۔ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ سے انسانیت اپنی معراج کبریٰ کو پہنچ گئی۔ اب ہر انسان کے سامنے معراج انسانیت کا نمونہ محمد ﷺ موجود ہیں۔ جتنا کوئی محمدیت کے رنگ میں رنگا جائے گا۔ اتنا ہی قرآن اس پر نازل ہوتا جائے گا۔

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

صدر ذی وقار! اقبال کی شاعری اور عشق رسول لازم وملزوم نظر آتے ہیں۔ عشق حضور ﷺ میسر ہو تو ذروں کو آفتاب کی چمک' قطروں کو سمندر کی وسعت اور بندے کو سلطان مدینہ کی نسبت عطا ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ پنجاب کی خاک سے ابھرنے والا اقبال عصر حاضر میں کاروان عشق و سرمستی کا سب سے بڑا حدی خواں بن گیا۔ اس کی آنکھیں مدینہ کے تصور سے ضوبار تھیں تو دل محبت محبوب خدا سے سرشار تھا۔ اسم محمد ﷺ کی جاذبیت نے اس کے افکار کو منور کر رکھا تھا۔ یہی عشق رسول ﷺ تھا جس نے اس کی فکر کی وسعتوں سے اسلامی ریاست کا تصور ابھارا اور وہ مسلمان کو محبت رسول ﷺ کی نسبت کا واسطہ دے کر پکار اٹھا کہ

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے' تو مصطفوی ہے

حاضرین محترم! اقبال حضور ﷺ کی محبت کو ایمان ہی نہیں بلکہ جان ایمان قرار دیتا ہے۔ وہ امت اسلام کو احساس دلاتا ہے کہ دین و دنیا کی ہر سرخروئی محبت رسول سے وابستہ ہے۔ عشق حضور میسر ہو تو لوح و قلم مومن کی میراث بن جاتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک، اسم محمد ﷺ سے وفاداری بلند ترین منصب ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر دل میں محبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جگمگاہٹ نہ ہو تو پھر ''بولہبی'' کے اشرار ایمان کے انوار چھین لیتے ہیں۔ اسی لئے وہ پیغام دیتا ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باونہ رسیدی تمام بولہبی ست

جناب والا! اقبال بوستان عشق رسول ﷺ کا وہ گل سدا بہار ہے جس کی لازوال مہک سے بزم ہستی ہمیشہ معنبر ہوتی رہے گی۔ وہ اگر ترجمان خودی و بے خودی تھا تو عشق مصطفیٰ کے اسرار میں گم تھا۔ شاعر مشرق اور حکیم الامت تھا تو اس کا ماخذ وہ عشق رسول ﷺ تھا جو شرار بولہبی سے ٹکراتا اور صدق خلیل وصدیق کو مومن جانباز کی میراث بناتا ہے۔ اسی عشق رسالتمآب نے اسے وقت کی حدود اور زمانے کی قیود سے بلند کر کے آفاقیت کا نقیب بنا دیا۔ یہی آفاقیت بارگاہ سلطان دو عالم ﷺ میں۔ یوں ارمغان عقیدت پیش کر رہی ہے۔

لوح بھی تو قلم بھی تو' تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ' تیرے محیط میں حباب
شوکت سنجر و سلیم' تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و بایزید' تیرا جمال بے نقاب
شوق تیرا اگر نہ ہو' میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب' میرا سجود بھی حجاب

اقبال کا فلسفہ جہاد

جناب صدر! اور محترم حاضرین! مجھے آج کے ایوان میں جس موضوع پر
اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے

اقبال کا فلسفہ جہاد

جناب والا! علامہ محمد اقبال شاعر اسلام تھے حکیم الامت تھے۔ انہوں نے
ملت اسلامیہ کے زوال کو شدت سے محسوس کیا۔ وہ یہ سوچ کر خود بھی رنجیدہ تھے اور
ملت اسلامیہ کو بھی خون کے آنسو رلا رہے تھے کہ

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

والا قدر! اسی ٹوٹے ہوئے تارے کو مہ کامل بنانے کیلئے انہوں نے جہاد
اور ہر قیمت پر جہاد کا نسخہ تجویز کیا۔ علامہ اقبال صحیح معنوں میں قرآن شناس تھے
اور تاریخ اسلام کی روشنی میں سمجھتے تھے کہ جب تک مسلم قوم میں جذبہ جہاد بیدار
نہیں ہوگا اس وقت تک اسلام کی حیات نو کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔

معزز حاضرین! اسی خاطر انہوں نے اپنی شاعری میں مسلم مجاہدین کے
کارنامے سنائے مسلم شہداء کی لازوال قربانیوں کو بیان کیا۔ کبھی جنگ یرموک اور
کبھی غزوہ تبوک اور کبھی شہادت کو سینے سے لگانے والے مجاہدوں کے شوق شہادت
کو بیان کیا۔ "طارق کی دعا" کے حوالے سے اقبال کے جذبہ جہاد کو کون نہیں جانتا

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت' نہ کشور کشائی

جناب والا! اقبال جانتے تھے کہ مسلمان یا تو غازی ہوتا ہے یا شہید۔ درمیان میں باعزت زندگی کیلئے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ اقبال جانتے تھے کہ مسلمان اپنی جنگ لشکر کی تعداد یا اسلحہ کی قوت سے نہیں جیتتا بلکہ جذبۂ جہاد اس کی قوت اور شوق شہادت اس کا اسلحہ ہوتا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

والا قدر! یہ بے تیغ سپاہی وہی مرد ایمان ہوتا ہے جس کے سینے میں جہاد کے شعلے رقصاں ہوتے ہیں جو حکومت' مال غنیمت یا دنیاوی شوکت کیلئے نہیں لڑتا۔ بلکہ اس کا ہر قدم خدا کی حاکمیت اور عظمت اسلام کیلئے اٹھتا ہے۔ اس پس منظر میں دیکھئے حکیم الامت علامہ محمد اقبال کس شان کے ساتھ غازیان اسلام کے جذبۂ جہاد کو سلام عقیدت پیش کرتے ہیں۔

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

اور پھر اس لاہوتی قوت کا تذکرہ دیکھئے۔

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اکھڑ جاتے تھے

والا مرتبت! اقبال اس حقیقت سے بھی آگاہ ہیں کہ جب تک ہم صحیح معنوں میں صاحب ایمان نہیں بنیں گے۔ جب تک توحید ہمارا اعزاز اور عشق مصطفیٰ ﷺ ہماری پہچان نہیں بنیں گے اس وقت تک جہاد کا لفظ ایک نعرہ ہی رہے گا۔ جذبۂ جہاد بیدار کرنے کیلئے ہمیں اپنے اندر اسلامی روایات کو تابندہ کرنا ہوگا۔ اقبال کہتے ہیں۔

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا زور حیدرؓ، فقیر بوذرؓ صدق سلمانی

اور اس کے ساتھ ہی اقبال کا یہ پیغام بھی دیکھئے کہ لا الہ الا اللہ کی تلوار کے ساتھ ہمیں پہلے اپنی نفسانی خواہشات کے عفریت کا سر کاٹنا ہوگا۔ حرص و ہوس کے بتوں کو پاش پاش کرنا ہوگا۔ خود آگاہی سے خدا شناسی تک کے مرحلوں کو طے کرنا ہوگا۔ اس خاطر فرماتے ہیں۔

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

حضرات محترم! آج اقبال کا پیغام یہی ہے کہ پہلے ہم خود اپنا محاسبہ کریں۔ اپنی کوتاہیوں کا جائزہ لیں۔ ہمیں محسوس ہوگا کہ ہم صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ سب سے پہلے ہمیں اپنی صفوں میں جہاد کرنا ہوگا۔ تاکہ خاک کے اندر سے ایک نیا جہان پیدا کرسکیں۔ وہ جہان جہاں ہر طرف توحید و رسالت کے نغمے گونج رہے ہوں۔ میں اقبال کے اس تاریخ ساز پیغام پر اپنی گزارشات کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

علامہ محمد اقبال

صدر محترم اور حاضرین کرام! آج مجھے جس عظیم شخصیت کو سلام عقیدت پیش کرنا ہے وہ ہے

علامہ محمد اقبال

جناب والا! علامہ محمد اقبال بلاشبہ ہماری دعاؤں کا جواب تھے۔ بزم ہستی کا انتخاب تھے۔ آپ عظیم مرد مومن تھے اور قدرت ان جیسے عظیم انسانوں کو تاریخ ساز کارناموں کیلئے تخلیق کرتی ہے۔ برصغیر میں چاروں طرف غلامی کے اندھیرے چھائے ہوئے تھے۔ فرزندان اسلام غفلت کی نیند سو رہے تھے۔ ایسے عالم میں اقبال کی آواز آزادی کا ترانہ بن کر گونجی۔ آپ کا پیغام قدرت کا انعام بن کر گونجا۔ اسی احساس سے آپ فرماتے ہیں۔

اِک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو
لاہور سے تاخاک بخارا و سمرقند

جناب صدر! علامہ محمد اقبال شاعر مشرق تھے، حکیم الامت تھے۔ آپ مرد مومن تھے اور چاہتے تھے کہ برصغیر کا ہر مسلمان ایمان کی تفسیر بن جائے۔ آپ نے مردہ دلوں کو حیات نو کا نغمہ سنایا، گرتے ہوؤں کو اٹھایا، غلامی میں بھٹکنے والوں کو صبح آزادی کا جلوہ دکھایا۔ اس مقصد کی خاطر آپ نے ایمان ویقیں کے چراغ روشن کئے اور مسلمانوں کو سمجھایا کہ

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

معزز سامعین! علامہ محمد اقبال محسن اسلام تھے۔ آپ نے اپنی قوم کو ماضی کے نغمے سنائے۔ اپنے عظیم اسلاف کی شان دکھلائی۔ آپ کی پوری شاعری ہمارے روشن ماضی کے جلوؤں سے آباد ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ آج کے مسلمان اپنے عظیم بزرگوں کے کارناموں پر ایک نظر ڈالیں تاکہ انہیں آزادی کی قدر و قیمت کا احساس ہو سکے۔ اسی لئے کہتے ہیں۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا جس کا ہے تو اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سر دارا

جناب صدر! اقبال نے مشرق کو دیکھا۔ تعلیم کیلئے یورپ کی درس گاہوں میں گئے۔ وہاں کی تہذیب و تمدن کی چکا چوند دیکھی۔ انہیں احساس ہوا کہ یورپ کی چمک دمک عارضی ہے، جبکہ اسلام کا تہذیبی جمال حقیقت میں لازوال ہے۔ آپ کی نظروں میں عشق مصطفیٰ ﷺ کا نور بسا ہوا تھا' اس لئے یورپ کی تہذیب آپ کو متاثر کرنے میں ناکام ہوگئی۔ چنانچہ بڑے فخر سے محبت رسول ﷺ کا اظہار فرماتے ہیں۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

جناب والا! علامہ اقبال بڑوں کے شاعر بھی تھے اور بچوں کے بھی۔ آپ کا پیغام مسلمانوں کیلئے بھی تھا اور عالم انسانیت کیلئے بھی۔ آپ کو ملت کے نوجوانوں

سے خصوصی پیار تھا۔ آپ ان نوجوانوں کو شاہین کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ شاہین جو ہمیشہ محو پرواز رہتا ہے۔ آسمانوں کی بلندیوں کو چھوتا ہے۔ اسی لئے آپ مسلمان نوجوانوں کو شاہین بننے کا پیغام دیتے ہوئے شاہین کے حوالے سے کہتے ہیں۔

پلٹنا جھپٹنا جھپٹ کر پلٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ
یہ پورب یہ پچھم چکوروں کی دنیا
مرا نیلگوں آسماں بے کرانہ

صدر محترم! اقبال کی آواز دلوں میں اتر گئی اور فرزندان اسلام شاہین اسلام بن گئے۔ اقبال ماضی حال اور مستقبل کے شاعر تھے۔ سب سے بڑھ کر آپ کی خواہش تھی کہ مسلمان حضور نبی کریم ﷺ کے سچے غلام بن جائیں۔ محبت رسول ﷺ وہ قوت ہے جو بندوں کو خدائی کے آداب بخشتی ہے۔ غلاموں کو آقائی سکھاتی ہے۔ جو نبی کریم ﷺ کا غلام بن جاتا ہے زمانہ ہی اس کے سامنے نہیں جھکتا بلکہ لوح و قلم بھی اس کے بن جاتے ہیں۔ میں اپنی گزارشات کا اختتام اقبال کے اس پیغام پر کرنا چاہتا ہوں۔

نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں
خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں
نہ چھوڑ اے دل فغان صبح گاہی
اماں شاید ملے اللہ ہو میں

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

صدر ذی وقار! اور محترم حاضرین محفل! آج کے اس ایوان فکر و ادب میں مجھے اس صداقت کو اجاگر کرنا ہے کہ

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

جناب والا! انسانی کائنات خوب سے خوب تر کی جستجو میں ہے۔ زمانہ مسلسل محو سفر ہے۔ وقت کا دھارا ہر دم آگے کو بہہ رہا ہے۔ نئے نئے حقائق وقت کی آغوش سے ابھر رہے ہیں۔ کائنات کے اسرار برق رفتاری کے ساتھ واضح تر ہو رہے ہیں۔ ایسے عالم میں مغنی فطرت علامہ محمد اقبال کی آواز ذوق جستجو کو آمادۂ کار رکھنے کیلئے ابھرتی ہے۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں

صدر والا قدر! آغاز کائنات سے لے کر اب تک کے ارتقائی سفر پر نظر دوڑائیں تو حیرت ہوتی ہے کہ عالم انسانیت نے کس تیزی سے اپنے رنگ و روپ کو نکھارا ہے۔ ناممکنات ایک پل میں ممکنات میں ڈھل رہے ہیں۔ کتنے ہی خواب حیرت انگیز تعبیر سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔ صداقتوں نے اپنے چہرے سے پردہ اٹھا

دیا ہے۔ زمینوں نے اپنے سینے کھول دیئے ہیں اور انسان خلاؤں کو تسخیر کرتا ہوا اس عزم کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔

جو تھا' نہیں ہے' جو ہے نہ ہوگا' یہی ہے اک حرف محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی' اسی کا مشتاق ہے زمانہ

حاضرین کرام! ستاروں سے آگے جو جہان آباد ہیں انہیں سر کرنے کیلئے جرأت رندانہ یعنی عشق بے کراں کی ضرورت ہے۔ یہی جذبۂ عشق ممولے کو شہباز سے لڑاتا اور زمین پر بیٹھ کر تسخیر مہر و ماہ کے منصوبے بناتا ہے۔ جب جذبۂ عشق اپنے امتحان میں سرخرو ہو جاتا ہے تو پھر آدم خاکی' خلیفۃ اللہ بن جاتا ہے۔ وہ خلیفۃ اللہ کہ جو نائب خدا ہے مگر جس کے ہاتھوں میں ساری خدائی تھما دی گئی ہے۔

صدر محترم! آج کا موضوع ہمیں ذوق پرواز بھی بخشتا ہے اور جذبۂ عمل پیہم بھی۔ ہم مسلمان ہیں' ہمارے نبی کریم ﷺ نے قرآن حکیم کی صورت میں ہمیں چودہ صدیاں قبل نسخۂ کیمیاء عطا فرمایا۔ اسی نسخۂ کیمیاء نے ہمیں اس دور میں خلاؤں کی تسخیر کا پیغام دیا' جب پوری دنیا اوہام کے سایوں میں بھٹک رہی تھی۔ قرآن مجید نے ہمیں مدتوں پہلے بتا دیا کہ چاند' سورج اور سیاروں کو تمہارے لئے تسخیر کر دیا گیا ہے۔ قرآن پاک نے ہمیں دعوت تدبر دی' پیغام تفکر دیا' حالات کے قلزم میں غواصی کر کے تسخیر کائنات کی طرف راغب کیا۔ معراج رسول ﷺ بھی تو تسخیر افلاک کا ایمان آفریں اشارا ہے۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

جناب والا! ستاروں سے آگے جو جہان ہیں مرد مومن ان تک بھی رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ آج کے انسان کی بلند ہمت نے وہ کچھ کر دکھایا جس کا ایک صدی

پیشتر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ فاصلے سمٹ گئے، پوری کائنات ''گلوبل ولیج'' میں تبدیل ہوگئی۔ تصورات عمل میں ڈھل گئے۔ زمین سے خلائی سیارے ابھرے اور انسان نے چاند پر قدم رکھ کر نئی منزلوں کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔

آج ضرورت ہے کہ قرآن حکیم کے پیغام تفکر سے کام لیں۔ بوعلی سینا، عمر خیام، رازی، جابر بن حیان ہمارے ہی اجداد تھے جن کا علمی ورثہ غیروں کو ستاروں پر حکمرانی بخش رہا ہے۔ یہ دولت ہمارے اجداد کی ہے تو اس کا امین ہم کو ہی بننا ہے۔ ہم وہ ہیں کہ جن کے بارے میں تاریخ اپنا فیصلہ سنا چکی ہے۔

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
تیری فطرت امیں ہے ممکنات زندگانی کی
جہاں کے جوہر مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

صدر محترم! پاکستان کو قائم ہوئے ساٹھ برس ہوگئے مگر ابھی ہم خود کو صحیح معنوں میں پہچان نہیں پائے۔ ذرا سی دیر کو پہچان عطا ہوئی تو ہمیں عظیم ایٹمی قوت بننے کا اعزاز ہی حاصل ہوگیا۔ اگر ذرے ایٹم کا روپ اختیار کر سکتے ہیں تو مردان حق زندگی کو پیمانۂ امروز و فردا سے ماپنے کے بجائے ضمیر کن فکاں کے مظہر کیوں نہیں بن سکتے۔ قدرت ہم پر مہربان ہے۔ فطرت ہمیں ممکنات زندگی کی امین قرار دے رہی ہے۔ بات فقط یہی ہے کہ عشق کے امتحان میں کس طرح سرخرو ہوا جا سکتا ہے۔

حاضرین محفل! آج بنجر صحراؤں پر گلاب مہک رہے ہیں۔ آسمان ہماری قدم بوسی کیلئے مچل رہے ہیں۔ زندگی ہمیں پائندگی کے انداز سکھا رہی ہے۔ مہر و ماہ و مشتری ہماری راہ تک رہے ہیں۔ زمانہ اہل یقیں کے فاتحانہ سفر کا اندازہ کر رہا

ہے۔ تقدیر نے اپنی قوت اصحاب شوق کی تدبیر میں پوشیدہ کر دی ہے۔ آیئے ہم گوش ہوش سے وقت کا پیغام سنیں۔ یہ پیغام فطرت بھی ہے اور آوازۂ عمل بھی۔

ٹھہرتا نہیں کاروان وجود
کہ ہر لحظہ تازہ ہے شان وجود
جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
کہ خالی نہیں ہے ضمیر وجود
ہر اک منتظر تیری یلغار کا
تیری شوخی فکر و کردار کا

کشمیر بنے گا پاکستان

صدر گرامی قدر اور معزز حاضرین! آج مجھے جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے

کشمیر بنے گا پاکستان

جناب والا! کشمیر بلاشبہ پاکستان کی شہ رگ ہے۔ یہ الفاظ میرے نہیں بلکہ قائداعظم محمد علی جناح کے ہیں۔ آپ نے یہ الفاظ اس وقت ارشاد فرمائے تھے جب پاکستان کی منزل قریب سے قریب تر آ رہی تھی۔ انگریز اور ہندو ملکر مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے جال پھیلا رہے تھے۔ تقسیم برصغیر کا مرحلہ قریب تھا اور ہندو راہنما کشمیر کو غصب کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اس فیصلہ کن موڑ پر قائد اعظم نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ قرار دیا' اور واضح کر دیا کہ کشمیر کے بغیر پاکستان نامکمل ہے۔

محترم حاضرین! کشمیر کی اسی فیصد آبادی مسلمان ہے مگر اس پر ہندو سامراج حکومت کر رہا ہے' مسلمان ذلت و رسوائی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کشمیر پر مسلمانوں نے سات سو برس حکومت کی ہے۔ اس پر پہلے سکھوں نے اور پھر انگریزوں نے قبضہ کر لیا۔ انگریزوں کو رقم کی ضرورت پڑی تو انہوں نے ۱۸۴۶ء میں پوری ریاست کشمیر ۷۵ لاکھ روپے نانک شاہی کے عوض گلاب سنگھ کو فروخت کر دی۔ گویا ایک کشمیری کی قیمت سات روپے مقرر ہوئی۔ پوری تاریخ انسانیت میں یہ پہلا موقعہ

تھا کہ ایک قوم کو چند سکوں کے عوض فروخت کر دیا گیا ہو۔ پھر ڈوگرہ راج کا ستم ناک دور شروع ہوا۔ مسلمانوں کیلئے جینا دشوار کر دیا گیا۔ اس دور کے حوالے سے شاعر نے کہا تھا۔

ہر گل کی جبیں پر شکن ہے
کشمیر لٹا ہوا چمن ہے
ہونٹوں پہ رکے ہوئے ہیں شعلے
آنکھوں میں جمی ہوئی جلن ہے

جناب والا! تقسیم ہند کے وقت تسلیم کیا گیا تھا کہ ریاستوں کے عوام اپنی مرضی کے مطابق اپنی قسمت کا خود فیصلہ کریں گے' لیکن جب اہل کشمیر نے پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کیا تو ہندوستان نے وہاں کے ہندو مہاراجہ کے ساتھ مل کر کشمیر میں فوجیں داخل کر دیں۔ انگریز بھی اس سازش میں برابر کے شریک تھے۔ مسلمانوں نے اپنی قسمت کا سودا ہوتے دیکھا تو ہندو سامراج کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک طرف بھارتی افواج اور ان کا زبردست اسلحہ تھا اور دوسری طرف پرانے اور معمولی اسلحہ سے لڑنے والے کشمیری آزادی پسند۔ بالآخر پاکستانی افواج کو کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کرنا پڑی اور آج کے آزاد کشمیر کے نام سے ایک حصے کو آزاد کرا لیا۔ ہندو سامراج نے جب کشمیر کو ہاتھ سے نکلتے دیکھا تو پنڈت نہرو نے اقوام متحدہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ۱۹۴۸ء اور پھر ۱۹۴۹ء کی قراردادوں میں سلامتی کونسل نے واضح طور پر اعلان کیا کہ کشمیر کے عوام سے آزادانہ اور غیر جانبدارانہ رائے پوچھی جائے گی کہ وہ کس ملک کے ساتھ الحاق چاہتے ہیں۔

صدر محترم! یہی نہیں بلکہ ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی پارلیمنٹ میں خود اعلان کیا کہ "اگر آزادانہ رائے شماری کے حوالے سے

کشمیریوں نے ہمارے خلاف فیصلہ دیا تو بھی ہم قبول کرلیں گے"۔

مگر وہ دن اور آج کا دن ہندوستان بڑی بے شرمی کے ساتھ کشمیریوں پر ستم ڈھا رہا ہے۔ ۱۹۶۵ء اور پھر ۱۹۷۱ء میں پاک بھارت معرکے ہو چکے ہیں مگر ہندوستان کشمیریوں کی قسمت کے ساتھ مسلسل کھیل رہا ہے۔

صدر والا قدر! آج بھارتی سامراج کے ظلم و تشدد کا آتش فشان دہکا ہوا ہے۔ کشمیر کے آزادی پسند مسلمان جرأت و ہمت کی نئی داستانیں رقم کرنے کیلئے میدان عمل میں نکل آئے ہیں۔ آج کشمیر میں ہر گھر مورچہ ہے تو ہر گلی میدان جنگ۔ کشمیر کے گھر گھر میں شہیدوں کے لہو سے چراغاں کیا جا رہا ہے۔ اہل کشمیر کسی قسم کی بیرونی امداد کے بغیر اپنی جنگ خود لڑ رہے ہیں۔ ان کے ارادے عظیم ہیں اور حوصلے فراخ۔ وہ اپنے ہی لہو میں ڈوب کر آزادیٔ کشمیر کا پرچم لہرا رہے ہیں۔ وہاں کی جنت آج بھارتی دہشت گردوں کی زد میں ہے لیکن وہاں کے آزادی پسند مجاہدوں کے ہر سانس سے "کشمیر بنے گا پاکستان" کی صدا ابھر رہی ہے۔ بارگاہ خداوندی میں اٹھے ہوئے ہاتھ پکار رہے ہیں۔

پنجۂ ظلم و جہالت نے برا حال کیا
بن کے مقراض ہمیں بے پر و بال کیا
توڑ اس دستِ جفا کیش کو یارب جس نے
رُوحِ آزادیٔ کشمیر کو پامال کیا

والا مرتبت! کشمیر بنے گا پاکستان۔ یہ ایک نعرہ نہیں بلکہ زندہ حقیقت ہے۔ پاکستان اور کشمیر بے شمار رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ سب سے بڑا رشتہ اسلام اور دو قومی نظریہ کا ہے۔ پاکستان اور کشمیر کی تہذیب یکساں ہے' تمدن ایک ہے' تاریخ کے تقاضے ایک جیسے ہیں۔ کشمیر اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کی سرزمین

ہے۔ پاکستان اور کشمیر کی ثقافت کی خوشبو ایک ہے۔ ان کے عقائد اور رسوم میں ہم آہنگی ہے۔

جناب والا! یہی نہیں بلکہ دونوں کے درمیان جغرافیائی وحدت ہے۔ پاکستان میں بہنے والے دریاؤں کا پانی کشمیر سے آتا ہے۔ دونوں کے درمیان کوئی جغرافیائی دیوار یا رکاوٹ نہیں۔ دونوں کے تمام راستے ایک دوسرے کی طرف جاتے ہیں۔ ہر پاکستانی کا دل اہل کشمیر کیلئے دھڑکتا ہے اور کشمیر کے درودیوار سے پاکستان زندہ باد کی صدائیں ابھرتی ہیں' اور ایک ہی عزم کا اظہار ہو رہا ہے کہ

یارانِ جہاں کہتے ہیں کشمیر ہے جنت
جنت کسی کافر کو ملی ہے نہ ملے گی

محترم حاضرین! سوال پیدا ہوتا ہے کہ کشمیریوں کا قصور کیا ہے؟ ایک پرندہ بھی قفس سے آزادی چاہتا ہے تو ایک کروڑ سے زائد کشمیریوں کیلئے آزادی کیوں نہیں۔ وہاں آزادی کے نام پر زبان کٹتی ہے۔ پاکستان کی محبت کے نام پر پھانسی ملتی ہے۔ سچ بولنے پر قید و بند کی سزا ملتی ہے۔ نتیجتے کشمیریوں کو خاک وخون میں نہلا دیا جاتا ہے۔ ہر طرف آگ اور خون کا سیلاب رواں ہے۔ کشمیریوں پہ ہر لحظہ وہر آن قیامت ٹوٹ رہی ہے۔ حوا زادیوں کی عصمتوں کے آبگینے پارا پارا کئے جا رہے ہیں۔ کشمیر کے حریت پسندوں کو قید و بند کی صعوبتوں سے گزارنے کے ساتھ ساتھ ان پر قہر و ہولناکی کے آتش فشاں برسائے جا رہے ہیں۔ وہاں قائم کئے گئے عقوبت خانے ہٹلر اور چنگیز خاں کے مظالم کو شرما رہے ہیں۔ زندہ انسانوں کو شکنجوں میں کس کر ان کا بند بند ہتھوڑوں سے توڑا جاتا ہے۔ ناخن کھینچے جاتے ہیں۔ جسم کے نازک حصے داغے جاتے ہیں۔ سروں اور داڑھیوں کے بال نوچے جاتے ہیں۔ جب وہ پیاس کی شدت سے بے چین ہو کر پانی طلب کرتے ہیں تو انہیں جانوروں

کا پیشاب پینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اس قہرناکی پر ہر دردمند دل چیخ اٹھتا ہے۔

یہ چمن اغیار کی شعلہ خرامی کے لئے
یہ ثمر شیریں ہیں اپنی تلخ کامی کے لئے
زندگانی ہے یہاں مرگ دوامی کے لئے
مائیں جنتی ہیں یہاں بچے غلامی کے لئے
ہر نفس اک سلسلہ ہے قید بے زنجیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

حضرات والاتبار! آج ضرورت ہے کہ آزادی کی جنگ لڑنے والے کشمیریوں کی ہر سطح پر امداد کی جائے۔ ہماری حکومت اور عوام جاگ رہے ہیں مگر کشمیر کی آزادی ہم سے مزید قربانی طلب کرتی ہے۔ آج ضرورت ہے کہ کشمیر کے مسئلہ کو ہر بین الاقوامی پلیٹ فارم پر اٹھایا جائے۔ امت اسلامیہ کو بیدار کیا جائے۔ کشمیریوں کی امداد دہشت گردی نہیں بلکہ بین الاقوامی اخوت کا تقاضا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو بلاتاخیر سمجھ لینا چاہیے۔ یہ ابدی صداقت ہے۔ باطل قوتیں جس قدر چاہیں ظلم و ستم کرلیں، بھارتی سامراج جھوٹے انتخابات کے جتنے روگ چاہے رچالیں، کشمیر بالآخر پاکستان بنے گا۔ پاکستان کو دنیا کے کسی بھی محاذ پر کامیابی ملتی ہے تو کشمیر کے کوچہ و بازار ''پاکستان زندہ باد'' کی صداؤں سے گونج اٹھتے ہیں۔ ہر شہید ہونے والا کشمیری مجاہد کلمۂ طیبہ کے نام پر شہید ہوتا ہے۔ وہاں کی مائیں اپنے بچوں کو پاکستان کی محبت کی لوریاں سنا کر جوان کرتی ہیں۔ یہی جذبہ ایک دن رنگ لائے گا اور کشمیر پاکستان کا حصہ بن جائے گا۔ ان شاء اللہ

وادیٔ کشمیر کے جنت نظاروں کو سلام
خون میں ڈوبی ہوئی سب رہگزاروں کو سلام

چرخ آزادی کے رخشندہ ستاروں کو سلام
سرفروشوں' غازیوں کو شہریاروں کو سلام

صدر والا! یوں تو کشمیر کی جدوجہد آزادی قیام پاکستان سے پہلے سے جاری تھی مگر اسے حقیقی زندگی قیام پاکستان کے بعد ملی۔ اس جدوجہد آزادی نے ۱۹۹۰ء میں ایک نیا رخ اختیار کیا' جب تمام کشمیری اکابرین نے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر آل پارٹیز حریت کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ اب کیا تھا' مقہور و بے بس کشمیری عوام نیا ولولۂ عمل لے کر اٹھ کھڑے ہوئے' چنار سلگنے لگے' آزادی کی صدائیں پہلے سے کہیں زیادہ تیزی اور بلند آہنگی کیساتھ ابھرنے لگیں۔ قربانی و ایثار کی نئی داستانیں رقم ہونے لگیں۔ اب غلام کشمیر کو مناسب' موزوں اور جرأت مند قیادت میسر آ گئی۔ ادھر آزادی کے متوالوں نے نئے عزائم کی روشنی میں آگے بڑھنے کیلئے نئے راستے تلاش کئے' یہ تمام نئے راستے لہو رنگ تھے۔ ادھر دار و رسن کی آزمائشیں زیادہ شدت اختیار کر گئیں مگر حریت پسند کشمیریوں نے ثابت کر دیا کہ وقت کے ستم گر سیلِ آزادی کے سامنے جتنے بند چاہے باندھ لیں' آزادی کا سورج ایک دن طلوع ہو کر رہے گا۔ کیونکہ

سورج کا ہے کام نکلنا' سورج اک دن نکلے گا

کشمیر کے فرزندان حریت کیلئے خاک و خون سے اٹا ہوا راستہ کوئی نامانوس راستہ نہیں ہے' یہ اس راہ آزادی پر اپنے خون کی لکیریں چھوڑتے اس وقت سے بڑھتے آ رہے ہیں جب پہلی مرتبہ ان کے مقدر کا سودا ہوا تھا۔ اس دوران میں تاریخ نے کیا کیا تاریک باب رقم نہیں کئے۔ شیخ محمد عبداللہ مسلم کانفرنس کے سربراہ کی حیثیت سے قائد ملت چوہدری غلام عباس کی ہمراہی میں آگے بڑھے اور شیر کشمیر کہلائے۔ مگر بہت جلد وہ پنڈت جواہر لال نہرو کے پھیلائے ہوئے حرص و آز کے جال کے اسیر ہو گئے اور زمانہ انہیں آج تک غدار کشمیر کے بدترین لقب سے یاد کرتا

ہے اور مؤرخ کا بے لاگ قلم ان کا شمار میر جعفر اور میر صادق جیسے ملت فروشوں میں کرتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی تاریخ کے اوراق پر چوہدری غلام عباس مرحوم صدر مسلم کانفرنس' میر واعظ سید محمد یوسف' میر واعظ سید محمد فاروق' اور محمد مقبول بٹ جیسے فرزندان آزادی کے کارناموں کو عصر حاضر کا اعزاز قرار دے کر رقم کرتا ہے۔

صدر محترم! بھارتی حکومت اس حقیقت سے مدتوں سے آگاہ ہے کہ کشمیر سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ کشمیر میں لاکھوں کی تعداد میں بھارتی مسلح افواج داخل کر کے بھی بھارت بے سکون ہے' کیونکہ وہ اتنی بڑی فوج اور طاغوتی طاقت کے ہوتے ہوئے بھی کشمیریوں کے جذبۂ آزادی کو کچل نہیں سکا۔ وہ جان چکا ہے کہ جس قوم کے افراد ہتھیلی پر موت کو سجا کر مرنے اور مارنے کا جذبہ رکھتے ہوں' آزادی ایک دن ان کے قدم ضرور چومتی ہے۔ حرص و آز کے جال پھیلا کر افواج باطل کو غاصبانہ طور پر قابض کر کے' ظالمانہ قوانین کا نفاذ کر کے بھی بھارتی ضمیر اندر سے سہما ہوا ہے کہ وہ اپنی قوت قاہرہ کے باوجود بے بس ہے' کیونکہ کشمیر پر اس کا قبضہ ہر لحاظ سے غیر منصفانہ اور غاصبانہ ہے۔ جبکہ پاکستان اور کشمیر جغرافیائی' نظریاتی' فکری اور روحانی طور پر ایک رشتے میں منسلک ہیں۔ ان کی رگوں میں صدیوں سے ایک ہی لہو رقصاں ہے اور کوئی طاقت ان رشتوں کو الگ نہیں کر سکتی۔

اپنی اسی کمزوری کو دیکھتے ہی بھارت نے پاکستان پر مقبوضہ کشمیر میں عسکری مداخلت کے الزام کو بار بار دہرانا شروع کر دیا ہے۔ موجودہ حالات کے تناظر میں اس کے مگر مچھ کے آنسو مصلحتوں کے اسیر امریکہ اور برطانیہ کو بڑے اچھے معلوم ہو رہے ہیں۔ جہاں تک برطانیہ کا تعلق ہے تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مسئلہ کشمیر اسی کی غیر منصفانہ پالیسی کا پیدا کردہ ہے۔ جبکہ امریکہ اسلام دشمنی اور یہود و ہنود کی دوستی میں بھارت کے الزامات کو اپنے رنگ میں دہرا رہا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کب

تک ہوگا؟ سیل آزادی تو ہر بند اور ہر رکاوٹ کو توڑ کر منزل مقصود تک پہنچ کر ہی رکتا ہے۔ حکمران اعلیٰ کوئی دنیاوی سپر پاور نہیں بلکہ خدائے واحد وقہار ہے۔ وہ خدا جو فرعون کا غرور خاک میں ملاتا' نمرود کو داستان عبرت بناتا' قیصر و کسریٰ کو ذلت کے مدفنوں میں دفن کرتا اور چنگیز و ہلاکو کے تکبر کو صحرائے گوبی میں گم کر کے مظلوموں کو صبح آزادی کی نوید سناتا ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آذری

جناب والا! کشمیر شاہ ہمدان کی سرزمین ہے' نور الدین ولی کا روحانی مرکز ہے' حضرت بل کے حوالے سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کا مرکز نور ہے۔ لاکھوں شہداء کے مقدس خون سے کھیلنے والے گلستانوں کی بہار جاوداں ہے۔ آج اگرچہ یہ جنت نظیر وادی بھارتی سامراج کے ہاتھوں پامال ہے۔ یہاں کے لالہ زار اپنی سرخی کھو کر شہیدوں کے خون سے سرخی حاصل کر رہے ہیں۔ کشمیری شہداء کے لہو کی سرخی سے زمین تو کیا آسمان بھی شفق رنگ نظر آتا ہے۔ بے شمار مظلوموں اور پنجۂ استبداد میں تڑپنے والوں کی آہیں عرش الٰہی کا طواف کر رہی ہیں یہ سارا منظر اگرچہ سہا دینے والا ہے مگر تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہی صبح آزادی کی تمہید اول ہے۔ اقبال کے لفظوں میں

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

اور خون صد ہزار انجم سے پیدا ہونے والی سحر ہی عصر حاضر کا باطل شکن نعرہ ہے کہ "کشمیر بنے گا پاکستان"

آزادیٔ کشمیر۔ وقت کا تقاضا

صدرِ ذی قدر! معزز اساتذہ کرام! میرا موضوع تقریر ہے۔

آزادیٔ کشمیر۔ وقت کا تقاضا

آج کشمیر وقت کی نوک قلم سے ٹپکنے والا لہو رنگ سوالیہ نشان ہے۔ عصر حاضر کا سب سے بڑا المیہ۔ ایک کروڑ کے لگ بھگ انسان سنگینوں کے سائے میں مقید اقوام متحدہ کے خوابیدہ ضمیر سے باوقار زندگی کا حق مانگ رہے ہیں۔ وہ کشمیر جو کل تک جنت نظیر تھا آج بھارتی درندوں کے ظلم وتشدد سے پامال ہو چکا ہے۔ وہ کشمیر جس کا حسن دیکھ کر جہانگیر بے ساختہ ''فردوس بروئے زمیں'' پکار اٹھا تھا' آج سلامتی کونسل کے بند لبوں سے رائے شماری کی صدا سننے کا منتظر ہے۔ وہ کشمیر جو پاکستان کی شہ رگ ہے مگر آج اس شہ رگ پر بھارتی عفریت نے اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ وہ کشمیر جہاں ہر آن موت کی آہٹ کا گمان ہوتا ہے۔ جہاں ہوا بھی سسکیاں بھرتی ہوئی چلتی ہے۔ جہاں کی گل رنگ فضائیں خاموش لبوں سے اپنی بربادی کا نوحہ پڑھ رہی ہیں۔ جس کی مظلومیت پر شاعر کا ضمیر چیخ اٹھتا ہے۔

جی رہے ہیں آج مسلم موت کی زنجیر میں
موت بھی نوحہ کناں ہے وادیٔ کشمیر میں
موت کی زردی ہے بکھری درد کی تصویر میں
ہر طرف تاریکیاں ہیں وقت کی تنویر میں

کون ہے آزادی کشمیر کا جو نام لے
کون ہے خودداری و غیرت سے جو کہ کام لے

جناب والا! کشمیر جغرافیائی' مذہبی اور روحانی رشتوں کے ساتھ پاکستان کی وحدت کا حصہ ہے۔ یہاں شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ' نورالدین ولی رحمۃ اللہ علیہ' چرار شریف اور حضرت بل کی صورت میں اسلامی عظمت کے چار ستارے بکھرے ہوئے ہیں۔ قائد اعظم نے اسے پاکستان کی شہ رگ قرار دیتے ہوئے پاکستانی مجاہدین سے کہا تھا کہ ''کشمیر ہماری شہ رگ ہے اور کوئی غیرت مند قوم اپنی شہ رگ اغیار کے حوالے نہیں کیا کرتی۔ ہمیں کشمیر ہر قیمت پر حاصل کرنا ہے۔ زندگی ہو یا موت۔ ہر حال میں کشمیر پاکستان کا حصہ بننا چاہیے''۔

جناب صدر! بابائے ملت کے یہ ایمان آفریں الفاظ ملت پاک کے جوانوں کی دھڑکنوں میں سما گئے۔ مسلم مجاہدین کی پیش قدمی کا انداز دیکھ کر بھارتی سامراج لرز اٹھا۔ جواہر لال نہرو نے اپنے سفید فام آقاؤں کے حضور گھٹنے ٹیک دیئے۔ سلامتی کونسل نے بھارت کی درخواست پر جنگ بندی منظور کی۔ بھارت نے جلد از جلد رائے شماری کا وعدہ کیا۔

سال گزرتے رہے۔ مظلوم کشمیریوں کا لہو اقوام متحدہ کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کیلئے لہو رنگ چنار اگاتا رہا' مگر مصلحت کوشیوں کی دبیز چادر نے اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل کے وعدوں کو اپنی اوٹ میں چھپا لیا۔ کشمیر میں خون کے دریا بہتے رہے۔ دختران کشمیر کی عصمتیں خاک بسر ہوتی رہیں۔ بچے سنگینوں کی نوکوں پر اچھلتے رہے۔ لاتعداد بوڑھے اپنی آنکھوں میں آزادئ کشمیر کے خواب سجائے بھارتی درندوں کے تشدد کا نشانہ بن گئے۔ جوانان کشمیر شہادت گہ آزادی میں پامردی سے آگے بڑھتے ہوئے موت کو حیات جاودانی کا پیغام سمجھ کر سینے سے لگاتے رہے۔

ہر دعا اس حقیقت کی ترجمان بنتی رہی کہ

یاخدا طاغوت کی قوت کا جادو توڑ دے
یاخدا تو پنجۂ اغیار اب تو موڑ دے

مگر والا مرتبت! اقوام متحدہ کی آنکھوں پر سامراجی قوتوں نے جالے بن رکھے ہیں۔ سلامتی کونسل کا ضمیر مسلم مفادات کے معاملے میں ابدی نیند سونے کا عادی ہو چکا ہے۔ مگر آزادی کسی اقوام متحدہ یا سلامتی کونسل کی بے ضمیری یا مصلحت کوشی کی پابند نہیں۔ آزادی سنہری طشتری میں سجی سجائی عطا نہیں ہوتی بلکہ اسے تو خون کی دھاروں پر رقص کرتے ہوئے حاصل کیا جاتا ہے۔ آزادی اپنے ہی لہو میں ڈوب جانے کا نام ہے۔ آزادی کا سورج' ستاروں کی صورت جگمگانے والے شہدائے آزادی کے خلعت شہادت زیب تن کرنے پر طلوع ہوتا ہے اور آج کشمیر کی وادیاں مجاہدین کشمیر کی جرأت رندانہ کا حیرت انگیز ایمان آفریں نظارا پیش کر رہی ہیں۔ آج کشمیر میں ہر گھر مورچہ ہے تو ہر گلی میدان جنگ۔ موسم خزاں کے ہاتھوں سے مرجھانے والا ہر مرغزار شہیدوں کے خون سے سرخی دوام کا امین بن چکا ہے۔ بچے' بوڑھے' جوان' مرد و زن آزادی کا نعرہ لبوں پر سجائے اس عزم کے ساتھ وقت کے کربلا میں آگے بڑھ رہے ہیں کہ

جب تلک کشمیر نہ آزاد ہو اغیار سے
ہم سکوں کی سیج پر اک پل بھی سو سکتے نہیں

محترم حاضرین! اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل عالمی امن کے ذمہ دار ترین ادارے ہیں۔ امریکہ اور برطانیہ کی ناجائز اولادوں' اسرائیل اور بھارت پر معمولی سی افتاد بھی آجائے تو یہ امن کے نام پر استعمار نوازی کی انتہا کر دیتے ہیں۔ عراق کو ایٹمی قوت بننے کی سزا دینے کیلئے عرب ممالک کو اقتصادی طور پر یرغمال بنالیا جاتا

ہے۔ بیت المقدس جل رہا ہے، بوسینیا چیخ رہا ہے، کشمیر اپنا حق آزادی مانگ رہا ہے مگر ان عالمی اداروں نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ ان اداروں کی استعمار نوازی نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ ادارے عالمی امن کے علمبردار نہیں بلکہ امریکہ اور دوسری باطل قوتوں کے پرستار ہیں۔ کشمیر میں امن کی فاختہ ذبح ہو چکی ہے۔ وہاں کے مسلمانوں کی تیسری غلام نسل جنم لے رہی ہے۔ جھوٹے انتخابات کا ڈھونگ رچا کر اقوام عالم کو دھوکا دیا جا رہا ہے۔

جناب والا! مجاہدین کشمیر کو سلام عقیدت پیش کرنا ہر فرزند اسلام کا فریضہ ہے۔ آج کشمیر کے سربکف مجاہد اس حقیقت کو پہچان گئے ہیں کہ تقدیر خود بخود نہیں بدلتی بلکہ بازوئے شمشیر زن کی قوت سے بدلتی ہے۔ زنجیریں ٹوٹتی نہیں بلکہ عزم آہن گداز سے توڑی جاتی ہیں۔ اگر ارادے سربلند ہوں تو ممولے شاہینوں سے ٹکرا جاتے ہیں۔ نہتے سربکف مجاہد قوت ایمان کے مظہر بن کر بدر واحد کی داستانیں دہرا سکتے ہیں۔ اگر ہمتیں ہمالہ صفت ہوں تو وقت کو اپنی مرضی کا اسیر کیا جا سکتا ہے۔ یہی ایمان آفریں مناظر آج مقبوضہ کشمیر میں دکھائی دے رہے ہیں۔ میں پاکستانی پریس کی بات نہیں کر رہا بلکہ عالمی پریس اور ذرائع ابلاغ غیرت مند کشمیریوں کے عزم آہنیں کو سلام پیش کر رہے ہیں جو اس احساس کے ساتھ جنت کشمیر کو کفار سے پاک کرنے پر تلے ہوئے ہیں کہ

؎ جنت میں چراغاں ہے فقط اپنے لہو سے
ہر حال میں ٹکرائیں گے ہم اپنے عدو سے

جناب صدر! جذباتی نعرے کتنے ہی دلفریب ہوں، ایک دن اپنا حسن کھو بیٹھتے ہیں۔ تقریریں کتنی ہی دلکش ہوں، اگر ان میں خلوص نہ ہو تو ماضی کے ایوانوں کی زینت بن جاتی ہیں۔ تحریریں کتنی ہی پرشکوہ کیوں نہ ہوں اگر وہ عمل کی تاثیر

سے محروم ہیں تو وقت کے گنبد بے در میں گم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ آج وقت ہم سے عمل اور فقط عمل کا تقاضا کر رہا ہے۔ ہمیں اپنے فکر و عمل سے کشمیریوں کو باور کرانا ہوگا کہ اگر ہمارا ماضی ایک تھا تو ہمارا حال اور مستقبل بھی ان سے جدا نہیں۔ ہمارے لہو کا رنگ ایک ہے۔ ہماری آرزو اور امنگ ایک ہے۔ کشمیر ہمارا ہے۔ ہر قیمت پر ہمارا تو پھر اے اہل کشمیر سن لو کہ ہمارا سب کچھ تمہارا ہے۔ ہماری وفائیں' ہماری دعائیں تمہارے لئے ہیں۔ ہمارے ایمان کی حرارت اور بازوؤں کی قوت تمہارے لئے ہے۔ اے ارض کشمیر تو ہماری شہ رگ ہے۔ ہم ایک باحمیت قوم ہیں۔ اپنے جیتے جی کسی طاغوتی قوت کو اس شہ رگ پر نوکیلے دانت گاڑنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ کشمیر کے سر بکف مجاہدو بڑھتے رہو۔ غازیو اپنے لہو سے آزادی کی داستان رقم کرتے رہو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں' تمہارے ساتھ ہیں' تمہارے ساتھ ہیں۔

بڑھے چلو مجاہدو کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں
چلے چلو اے نمازیو کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں
سدا عمل کی راہ پر چلو ہے وقت کی صدا
اٹھو اٹھو اے رہبرو کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں

پاکستان میری پہچان

صدر گرامی قدر! آج کی محفل میں میرا موضوع تقریر ہے۔

پاکستان میری پہچان

جناب والا! میں اپنی پہچان کی تلاش میں تحریک پاکستان کے ایمان آفریں دور میں داخل ہوتا ہوں۔ ایک طرف برطانوی طاغوت ہے جو ہزاروں برس حکومت کرنے کا اعلان کر رہا ہے دوسری طرف، ہندو سامراج ہے جو مسلمانوں سے اپنی ہزار سالہ غلامی کا انتقام لینے پر تلا ہوا ہے۔ ان دو عفریتوں کے درمیان میرا اعظیم قائد محمد علی جناح مسکرا رہا ہے۔ اس کی پیشانی پر فتح عظیم کی بشارت لکھی ہے۔ وہ اتحاد تنظیم اور ایمان کا اسلحہ لے کر وقت کی بلندیوں پر ابھرتا ہے۔ اس کی آواز وقت کا سینہ چیر کر ہر مسلمان کے دل کی دھڑکن بن جاتی ہے۔ ملت اسلامیہ کے تمام غیرت مند فرزندان توحید کے پہلو بہ پہلو میرے جیسے لاکھوں طلبہ بھی اس قائد ملت اسلامیہ کا ہراول دستہ بن جاتے ہیں۔

اور جناب صدر! ایسے ہمت آفریں دور میں ایک برطانوی نمائندہ میرے قائد سے پوچھتا ہے کہ

''پاکستان کب وجود میں آئے گا''

تو میرے قائد کا یہ جواب تاریخ کی انمٹ گواہی بن جاتا ہے کہ

''پاکستان تو اس وقت ہی معرض وجود میں آ گیا تھا جب برصغیر میں پہلے

ہندو نے اسلام قبول کیا تھا"۔

یہ میرے قائد کا جواب ہی نہیں تھا بلکہ تقدیر کا فیصلہ تھا۔ ایسا فیصلہ جس نے پاکستان کی صورت میں ملت اسلامیہ کو اس کی پہچان عطا کر دی۔

جناب والا! پاکستان محض ایک ملک کا نام نہیں بلکہ ایک عظیم نظریہ کی سربلندی کا پیغام ہے۔ یہ فقط ایک خطۂ زمین نہیں بلکہ یہاں کا ذرہ ذرہ اسلامی غیرت کا امین ہے۔ یہ صرف ایک ریاست نہیں بلکہ خدائے قدوس کی عظیم امانت ہے۔

صدر ذی وقار! پاکستان ہماری پہچان ہے۔ اس عظیم سرزمین نے ہمیں کیا کچھ عطا نہیں کیا۔ اقوام عالم میں بلند رتبہ عطا کیا۔ باطل سے ٹکرانے کا حوصلہ بخشا۔ باوقار زندگی کا اسلوب اور غیرت ایمانی کا شعور بخشا۔ جغرافیائی تحفظ اور نظریاتی شکوہ عطا کیا۔ تہذیب کا حسن اور تمدن کا وقار عطا کیا۔ اسلامی قلعہ بن کر ہماری حفاظت کی۔ صنعت وحرفت کی ترقی اور معیشت کا وقار بخشا۔ جوہری توانائی کا اعزاز بخش کر ہمارے مستقبل کو محفوظ کر دیا۔

حق تو یہ ہے کہ

یہ مقدس سر زمیں اللہ کا احسان ہے
اس کی حرمت پر ہماری جان بھی قربان ہے
ملک و ملت کے تحفظ کو یہی اعلان ہے
سب سے اعلیٰ سب سے پہلے اپنا پاکستان ہے

جناب والا! اپنی پہچان کسے عزیز نہیں ہوتی۔ پہچان کھو جائے تو اقوام حالات کے رہگزاروں میں گم ہو جاتی ہیں۔ اور اس مملکت خداداد کی پہچان اسلام ہے۔ وہ اسلام جس نے بزم عالم میں چودہ صدیاں قبل پہلی مرتبہ اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی۔ وہ اسلامی سلطنت جس کا دارالخلافہ مدینہ منورہ تھا اور جس کی وسعتیں شام ابد

تک وسیع تھیں۔ وہ اولین اسلامی حکومت جس کے خدوخال محبوب دو عالم حضور محمد مصطفیٰ ﷺ نے ابھارے تھے۔ وہی اولین اسلامی سلطنت' پاکستان کا آئیڈیل ہے۔ وہ اسلامی سلطنت جس کا منشور قرآن حکیم کی صورت میں وقت کے کوہ فاران پر طلوع ہوا تھا۔ اسی پہچان کو قائداعظم محمد علی جناح نے ہمیشہ پیش نظر رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب بابائے ملت سے ایک انگریز صحافی نے سوال کیا کہ "پاکستان کا دستور کیا ہوگا" تو قائداعظم نے دوٹوک انداز میں فرمایا تھا کہ

"پاکستان کا دستور تو چودہ صدیاں قبل وجود میں آچکا ہے اور وہ ہے قرآن مجید"

جناب صدر! پاکستان اسی عظیم نظریاتی سربلندی کی عصر حاضر میں تشکیل نو ہے۔ علامہ اقبال نے اسی لئے فرمایا تھا کہ

؎ اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

جناب والا! آج وقت کا تقاضا ہے کہ اپنی شناخت کو بصد افتخار اقوام عالم کے سامنے پیش کیا جائے۔ پاکستان سے فکری اور عملی یکجہتی کا مظاہرہ کیا جائے۔ جب آندھیوں کی آمد ہوتی ہے تو کمزور سے کمزور پرندہ بھی اپنے آشیانے کی حفاظت کرتا ہے اور میرا پاکستان تو لطف و رحمت کا سائبان ہے۔ راحت زندگی اور مونس قلب و جان ہے۔ ہم کیسے گوارا کر سکتے ہیں کہ اس پر معمولی سی آنچ بھی آئے۔ آج ہمیں عہد کرنا ہوگا کہ

سر کٹا دیں گے ہم تیرے نام پر
تیرے اعزاز پر' تیرے پیغام پر
تیرے اقبال پر' تیرے انعام پر
جاں لٹا دیں گے ہم دین اسلام پر
سرزمین وطن' سرزمین وطن

صدرِ ذی وقار! پاکستان کی صورت میں ہماری یہ ملی شناخت آسانی سے عطا نہیں ہوئی۔ لاکھوں شہداء نے اپنا مقدس لہو اس ارض پاک کے وجود کی خاطر نذر کیا۔ بے شمار خواتین اسلام نے اپنی عصمتوں کے آبگینے پاکستان کی عظمت پر نثار کر دیئے۔ معصوم بچے نوکوں پر اچھالے گئے۔ بزرگوں نے اپنی زندگیوں کا قیمتی اثاثہ پاکستان کے تقدس پر قربان کر دیا۔ اس سرزمین کے ذرے ذرے سے فدایان اسلام کے پاکیزہ خون کی مہک پھوٹتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سرزمین ہمیں مانند حرم عزیز ہے۔ یہ ہمارا فکری و عملی سرمایہ ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کی آنکھوں کا نور بھی ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ ارض عظیم عطا کر کے رب کریم نے اسلامیان ہند ہی کو نہیں بلکہ زمانے بھر کے فرزندان توحید کو شوکت ایمان کا قلعہ عطا کیا ہے۔

محترم حاضرین! آج باطل قوتیں پھر ہماری ایمانی غیرت کو للکار رہی ہیں۔ ہماری بہادر افواج وطن عزیز کی پاسبان ہیں۔ ہمیں نظریاتی محاذ پر ایمانی جلال کے ساتھ ڈٹ جانا چاہیے۔ ہم قائداعظم کے سپاہی' علامہ اقبال کے شاہین ہیں۔ طالب علموں نے پاکستان بنایا تھا تو اسے بچانا بھی جانتے ہیں۔ میں اہل وطن تک یہ پیغام پہنچانا چاہتا ہوں کہ خدارا ایک ہو جائیں۔ ہم پنجابی' سندھی' بلوچی اور پٹھان نہیں بلکہ اول و آخر سب مسلمان پاکستانی ہیں۔ اگر پاکستان سلامت ہے تو عظمت اسلام کا قلعہ سلامت ہے۔ اگر پاکستان سربلند ہے تو ہماری پہچان بھی زندہ ہے۔ اگر پاکستان کی سرحدیں محفوظ ہیں تو ہمارا مستقبل تابندہ ہے۔ اگر توحید کی یہ امانت سلامت ہے تو عالم اسلام کی امیدوں کی تابندگی ہمیشہ برقرار رہے گی۔ عظمت اسلام کی پہچان پاکستان کے نام پر میں اس پیغام کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں کہ

اے ارض پاک تیری حرمت عزیز تر ہے
تو روح زندگی ہے' تو عزم معتبر ہے

ظلمت کدوں میں تو ہی تو غازۂ سحر ہے
پیغام آگہی ہے نور دل و نظر ہے
اپنے عمل سے تجھ کو پیہم نکھار دیں گے
سو بار تجھ پہ اپنی ہم جان وار دیں گے

پاکستان زندہ باد۔ پاکستان زندہ باد

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

صدر گرامی قدر اور حاضرین کرام! میرا آج کا موضوع تقریر علامہ محمد اقبال کا یہ شعر ہے۔

؎ افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

جناب والا! قومیں ہمیشہ افراد سے بنتی ہیں۔ مختلف افراد جب ایک نظریہ کے تحت جمع ہوتے ہیں تو قوم وجود میں آجاتی ہے۔ ترقی اور سربلندی کی خواہش ہر قوم کے اندر موجود ہوتی ہے مگر جس طرح ستاروں کی روشنی سے آسمان جگمگا اٹھتا ہے' اسی طرح قوم کی ترقی بھی افراد کی ترقی سے عبارت ہوتی ہے۔ ایک فرد بذات خود کچھ نہیں ہوتا' مگر جب جب ہر فرد ترقی کے حصول کیلئے تمام قوتیں صرف کر دیتا ہے تو پھر افراد کی اجتماعی ترقی وخوشحالی ملکی اور قومی ترقی کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔ آسمان پر جگمگاتے ہوئے ستارے ہوں یا زمین پر ترقی کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے افراد' یہ سب مل کر ہی اپنے ماحول' معاشرے اور قوم کو حقیقی سربلندی سے ہمکنار کرتے ہیں۔ اقبال کے لفظوں میں

؎ فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

حاضرین کرام! علامہ اقبال نے ہر فرد کو ملت کے مقدر کا ستارا بنا کر اتحاد

باہم اور اتفاق کا سبق دیا ہے۔ انہوں نے ہمیں یہ پیغام دیا ہے کہ اگر قوم کی ترقی عزیز ہے تو انفرادی مفادات کو قربان کرنا ہوگا۔ قربانی و ایثار کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ اپنی ترقی کو ملک وملت کی سرفرازی سے منسلک کرنا ہوگا۔ قوم ذلت و خواری کا شکار ہو اور فقط ایک فرد ترقی کر جائے تو یہ ایک آدمی کی ترقی ہوگی۔ لیکن جب تمام افراد اپنی ترقی کو قومی مفادات کے تابع کرلیں گے تو پھر ایک عظیم قوم وجود میں آئے گی۔ ایسی قوم جو کہکشاں کے ستاروں کی طرح روشنی بکھیرتی اور عظمت انسانیت کی خوشبو لٹاتی ہے۔

جب کبھی افراد کو عظمت میسر ہوگئی
یک بیک افلاک کی پھر قوم ہمسر ہوگئی

صدرِ ذی وقار! تاریخ انسانیت ہو یا تاریخ اسلام' تہذیب وتمدن کے ارتقاء کا مسئلہ ہو یا معاشرتی بہبود کا قصہ' قوموں نے ہمیشہ افراد کی ترقی کے سہارے ہی عظمت حاصل کی ہے۔ قوم کا وجود افراد کا محتاج ہوتا ہے اور منتشر افراد کا اجتماع ہی اسے وجود بخشتا ہے۔ جب افراد کی ترقی اتحاد باہمی کے نام پر ملک وقوم کا سرمایہ بنتی ہے تو پھر زمانے بھر کیلئے قابل رشک قوم سامنے آتی ہے۔ اسلام کا پیغام اتحاد عام ہے کہ

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا
اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔

حضرات محترم! زمانہ گواہ ہے کہ جب تک مسلمانوں نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھا' ہر فرد نے قوم کی ترقی کیلئے اپنی صلاحیتیں وقف کر دیں اور اپنے مفادات کو قومی مفادات کیلئے وقف رکھا' اس وقت تک قوم ترقی و خوشحالی کی شاہراہوں پر سفر کرتی رہی' لیکن جب اسی قوم کے افراد ٹکڑوں میں بٹ گئے اور

قومی ترقی کے مقاصد کو بھلا دیا تو یہی قوم ذلیل ورسوا ہوگئی۔

جناب والا! قومی ترقی کیلئے ضروری ہے کہ ہر فرد کی ترقی کا اہتمام کیا جائے۔ جب تک ایک ایک ستارا روشن نہیں ہوگا اس وقت تک آسمان نہیں جگمگائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ زندہ اور بیدار قومیں اپنے افراد کی ترقی کا انتظام کرتی ہیں۔ انفرادی ترقی کیلئے منصوبہ بندی کرتی ہیں۔ سرسید احمد خاں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی بنیاد رکھتے ہوئے اسی اصول کو مدنظر رکھا تھا۔ آج سے چودہ سو برس پیشتر نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر کے کافر قیدیوں کی آزادی کیلئے یہی شرط رکھی تھی کہ ہر قیدی دس مسلمانوں کو پڑھا دے تو آزاد ہے۔ مقصود یہی تھا کہ جب افراد تعلیم کے زیور سے آراستہ ہوں گے تو ملت اسلام خود بخود علم وحکمت کی منزلوں پر گامزن ہو جائے گی کیونکہ

یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل پہ گام زن محبوب فطرت ہے

صدر محترم! تحریک پاکستان کے انتہائی مشکل دور میں قائداعظم محمد علی جناح نے ملت اسلامیہ کے ہر فرد کو بیدار ہونے کا پیغام دیا۔ انہوں نے طلبہ کو بطور خاص باور کرایا کہ

"تم تحریک پاکستان کا ہراول دستہ ہو۔ تم میں سے ہر طالب علم قوم کے مستقبل کا امین ہے۔ اپنے اندر آزادی کی لگن پیدا کرو اور پھر ایک ہو کر حصول پاکستان کیلئے تمام صلاحیتیں صرف کردو"۔

والا قدر! آج ہم آزاد ہیں۔ ہمارا وطن ہر شہری کو ملت پاکستان کے ہر فرد کو آواز دے رہا ہے کہ اپنے مقام کو پہچانو۔ زمانہ ہر آن نئی چال چل رہا ہے۔ اپنے اندر صلاحیتیں پیدا کرو خوابیدہ قوتوں کو بیدار کرو علم وادب کے میدان کے شاہ سوار بنو سائنس اور ٹیکنالوجی میں نام پیدا کرو کردار اور اخلاق کے حوالے سے

عظمت اسلاف کی تقدیر بن جاؤ' اپنے روشن ماضی سے غیرت مند زندگی کا سلیقہ حاصل کرلو اور پھر اپنی تمام ذہنی اور فکری صلاحیتوں کے گلاب ارض پاکستان کی نذر کردو' تاکہ وطن کا گوشہ گوشہ ترقی وخوشحالی کی روشنی سے پرنور ہو جائے۔ ملت نے اپنی تقدیر اپنے افراد کے حوالے کردی ہے اور اب افراد کا فرض ہے کہ ملت کی تقدیر کو رشک کائنات بنادیں۔ وقت کا پیغام یہی ہے۔

ملت سے اپنا رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

حاضرین کرام! تاریخ کے افق پر نگاہ دوڑائیے۔ علامہ محمد اقبال' قائداعظم محمد علی جناح' مولانا محمد علی جوہر' حسرت موہانی' نواب بہادر یار جنگ' لیاقت علی خاں' ظفر علی خاں' عبدالرب نشتر' مولوی فضل الحق' بلاشبہ ملت اسلامیہ کے افراد ہی تھے۔ یہ افراد جب صبح آزادی کی تنویر بن کر جگمگائے تو تقدیر نے برصغیر میں ملت اسلامیہ کی تقدیر رقم کردی۔ آج کے دور میں سفر کیجئے۔ جب ہندوستان ہماری آزادی کو للکار رہا تھا تو قوم کے ایک غیرت مند فرزند ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کا جادو جگایا اور ایٹم بم کی قوت اپنی قوم کی جھولی میں ڈال دی۔ اپنوں کے دل مسکرا اٹھے اور دشمنوں کی نگاہیں جھک گئیں۔ آج قوم کو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں جیسے عظیم فرزندان وطن کی ضرورت ہے جن کی تدبیر وطن کی تقدیر کو بدل کر رکھ دے۔

صدر ثریا جاہ! آج ہم قومی سطح پر بے حسی اور پریشانی کا شکار ہیں۔ بھیک کا کشکول لے کر غیروں کے دروازوں پر دستک دے رہے ہیں۔ اس قومی بے حسی کے ذمہ دار قوم کے وہ افراد ہیں جنہوں نے قوم و وطن سے محبت کرنا چھوڑ دی ہے۔ ان بدقسمت فرزندان قوم کو جان لینا چاہیے کہ ان کا مستقبل فقط اور فقط قوم سے وابستہ ہے۔ اگر قوم نہ رہی تو ان کا وجود بھی نہیں رہے گا۔ آج وقت ہے کہ

صورتحال کا پوری دیانتداری سے جائزہ لیں۔ جس طرح درخت اپنی جڑوں سے کٹ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح کوئی فرد اپنی قوم سے تعلق توڑ کر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا۔ فرزندان وطن کو قوم و وطن سے وابستہ کرنے کیلئے میں اس شعر پر اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔

غیرت قومی سے ہم کو کام ہونا چاہیے
حب پاکستان کو اب عام ہونا چاہیے
عظمت قوم و وطن کی راہ ایماں پر چلیں
ہاتھ میں علم یقیں کا جام ہونا چاہیے
ہر گھڑی پیش نظر ہو الفت ملک اور قوم
شوکت و شان وطن پیغام ہونا چاہیے

قسم اس وقت کی

صدر والا قدر اور حاضرین والا اتبار! مجھے آج اس ایوان علم و دانش میں اس ہمت آفریں موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے۔

قسم اس وقت کی

جناب صدر! قسم کا تعلق انسان کے ضمیر اور ایمان سے ہے۔ وہ حتی الامکان قسم سے بچتا ہے۔ لیکن جب اس کے ایمان' نظریہ اور وطن کی سالمیت پر کڑا وقت آ جاتا ہے تو وہ قسم کھاتا ہے۔ کبھی خدائے واحد کی عظمت کی' کبھی شان رسالت کی' کبھی شہدائے اسلام کے لہو کی' کبھی غازیان سربکف کی اور کبھی اس وقت کی جب حق و باطل کے معرکہ میں جان وتن کے نذرانے پیش کرنے پڑے تھے' اور قسم اس وقت کی جب اپنے ہی خون میں غسل کر کے اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑا تھا کہ

؎ یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

جناب والا! آج کا محب وطن پاکستانی اور مرد مومن قسم کھاتا ہے کبھی اس دور کی جب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ عرب کے تپتے صحرا میں کوڑے کھا کر محبت خدا کا اعلان کر رہے تھے۔ کبھی قسم کھاتا ہے اس دور کی جب میدان کربلا میں حسینیت محض عظمت اسلام کیلئے صحرائے کربلا کو لہو رنگ کر رہی تھی۔ کبھی اس دور کی جب حضرت خالد بن ولید قیصر و کسریٰ کے مقدر کو مٹی میں ملا رہے تھے۔ کبھی اس دور کی جب

طارق بن زیاد سپین کے ساحل پر قدم رکھ رہا تھا' اور پھر اس دور کی جب صلاح الدین ایوبی مٹھی بھر مسلمانوں کے ساتھ یورپ اور ایشیاء کے لاکھوں صلیبی جنگجوؤں سے ٹکرا کر فتح کی بشارت لکھ رہا تھا۔ یہ وہ ادوار ہیں جن کا تصور ہر صاحب ایمان کے سینے کو ایمان کی حرارت سے سرگرم کر دیتا ہے۔

؎ قسم کس عہد کی کھاؤں' قسم کس وقت کی کھاؤں
کہ ہر اک دور مجھ کو شوکت ایمان لگتا ہے
قسم کھانے کو جب ماضی کی راہوں پہ میں چلتا ہوں
تو ہر اک وقت مجھ کو میری ہی پہچان لگتا ہے

حاضرین ذی وقار! میں ایک غیور مسلمان ہوں۔ پاکستان میرے لئے مانند حرم ہے۔ یہاں کا ذرہ ذرہ میرے لئے جان ارم ہے۔ مجھے اس کے ماضی' حال اور مستقبل سے پیار ہے۔ اس وقت جنت پاکستان باطل قوتوں کے نرغہ میں ہے۔ اس کی عظمت کیلئے مجھے ہر قربانی قبول ہے۔

اور جناب والا! پاکستان کی حقیقی پہچان کیلئے مجھے قسم ہے اس وقت کی جب پاکستان کی جنگ لڑی جا رہی تھی۔ جب بنگال سے لے کر خیبر تک فرزندان اسلام کلمۂ طیبہ کی نورانی چھاؤں میں میدان عمل میں نکل آئے تھے۔ قسم ہے اس وقت کی جب طلبہ و طالبات نے اپنے سینے دشمن کی سنگینوں کے سامنے پیش کر دیئے تھے۔ جب طلبہ تعلیمی درسگاہوں سے نکل کر برصغیر کے ایک ایک شہر اور گاؤں گاؤں میں پھیل گئے تھے۔ جب یہی طلبہ سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار بن گئے۔ کیونکہ قائد اعظم محمد علی جناح نے طلبہ کو اپنا ہراول دستہ قرار دیا تھا۔

صدر محترم! مجھے اس وقت کے ایک لمحے کی قسم ہے جب مسلم شہداء کیلئے موت بچوں کا کھیل بن گئی تھی' جب لہو اور آگ کا کھیل جاری تھا اور طلبہ کی جدوجہد

اپنے بزرگوں کے عزم و ہمت کو نئی قوت عطا کر رہی تھی اور لشکر آزادی کا ہر مجاہد یہ پکار رہا تھا۔

؎ قسم اس وقت کی جب وقت ہم کو آزماتا ہے
جوانوں کی زباں پر نعرۂ تکبیر آتا ہے

جناب والا! وقت نے ہمیں آزمایا اور خوب خوب آزمایا مگر ہم ہر آزمائش میں سرخرو رہے۔ میں اس وقت کی قسم کیوں نہ کھاؤں' جب طلبہ و طالبات کا سیل بے کراں پنجاب سیکرٹریٹ کی طرف رواں تھا۔ سب کا عزم تھا کہ ''یونین جیک'' اتار کر وہاں پاکستان کا پرچم نصب کرنا ہے۔ ایک طالبہ' ایک مجاہدہ ''فاطمہ صغریٰ'' آگے بڑھی۔ وہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی بیٹی تھی۔ طلبہ کا ہجوم اس کی حفاظت کر رہا تھا۔ وہ پنجاب سیکرٹریٹ کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ انگریزوں کی بندوقوں نے بارود اگلا' سنگینوں نے آزادی پسندوں کے سینے چھلنی کر دیئے مگر فاطمہ صغریٰ آگے بڑھتی گئی۔ ایسے لگا جیسے وقت تھم گیا ہو۔ اس باہمت لڑکی نے ''یونین جیک'' اتارا اور تار تار کر کے پاکستان کا پرچم لہرا دیا۔ طلبہ کا سمندر پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا رہا تھا۔ میں تصور کی آنکھوں سے دیکھتا ہوں تو میرے آنکھوں میں بہنے والا ہر آنسو پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگاتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

صدر ثریا جاہ! مجھے تحریک آزادی کے ہر دن' ہر گھڑی' ہر لمحے اور ہر آن کی قسم ہے۔ اس وقت کی قسم جب مہاجرین کے قافلے سب کچھ لٹا کر پاکستان آ رہے تھے مگر ان کے دل مطمئن تھے' آنکھیں روشن تھیں کہ انہوں نے سب کچھ ہار کر پاکستان کی جنگ جیت لی۔

جناب والا! مجھے قسم ہے اس وقت کی' جب ہزاروں افراد پر مشتمل مسلمان مہاجرین کا ایک قافلہ پاکستان کی جانب چلا۔ ہندوؤں اور سکھوں نے قتل عام کیا۔

بچوں کو کرپانوں کی نوکوں پر اچھالا گیا۔ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ دس ہزار میں سے صرف چار سو زندہ بچے۔ تھکے ہارے' زخمی' نڈھال' بھوکے پیاسے۔ ان میں ایک عورت بھی تھی۔ جو پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا رہی تھی۔ پاکستان ابھی دس میل دور تھا کہ اس کی گود میں کھیلتا ہوا بچہ بھوک سے مر گیا۔ وہ روئی نہیں۔ مردہ بچے کو لے کر سفر کرتی رہی۔ جب وہ پاکستان کی سرحد پر آئی تو اس نے ننھی سی قبر کھود کر بچے کو دفن کر دیا۔ اس کی قبر پر کھڑے ہو کر پاکستان کے پرچم کو سلام کرتے ہوئے کہا۔

''میرے بیٹے تجھے پاکستان مبارک' مبارک ہو تو غلام ہندوستان میں پیدا ہوا اور میں تجھے آزاد پاکستان میں دفن کر رہی ہوں''۔

صدر عالی مقام! میں نے جس وقت کی قسم کھائی ہے اس نے مجھے اسلام اور پاکستان سے محبت سکھائی' مجھے ملک سے عشق کا جذبہ عطا کیا ہے۔ آج اگر ہم پاکستان کو سربلند دیکھنا چاہتے ہیں تو اسی دور کو یاد رکھنا ہوگا جس نے ہمیں پاکستان کی خاطر مرنا اور جینا سکھایا تھا۔ اس وقت کی حرمت کو پیش نظر رکھنا ہوگا جب ملت اسلامیہ کے فرزند تمام باطل قوتوں سے ٹکرا گئے تھے۔ آج قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ موجود نہیں مگر ان کے فرمودات ستاروں کی صورت جگمگا رہے ہیں۔

جناب والا! آج تمام باطل قوتیں ہمیں للکار رہی ہیں۔ اس تحریک پاکستان کے ایمان آفریں وقت کی قسم کھا کر عہد کرتا ہوں' اور آپ بھی اس عہد میں میرے ساتھ شامل ہوں۔

قسم ہے ہمیں اپنے تازہ لہو کی
قسم زندگی کی' قسم آبرو کی
وطن پہ کبھی آنچ آنے نہ دیں گے
کسی کو گھر اپنا جلانے نہ دیں گے

میں نہیں جانتا' میں نہیں مانتا

صدر گرامی قدر! اور محترم حاضرین! مجھے آج جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے' وہ ہے۔

''میں نہیں جانتا' میں نہیں مانتا''

جناب والا! یہ ایک ابدی صداقت ہے کہ انسان سچائی کا پرستار رہا ہے' وہ جھوٹ سے نفرت کرتا ہے' منافقت کے پردے چاک کرنا' اس کی فطرت ہے۔ لٰہذا جب بھی کہیں سے وقت کے فرعون کی صدائے غرور ابھرتی ہے اور حق وصداقت کو مٹانے کیلئے ظلم وتشدد کا بازار گرم ہوتا ہے تو اس کا ضمیر ایک غیور دل کا ترجمان بن کر پکار اٹھتا ہے کہ اے آتش کدوں کو دہکانے والے نمرود! اے خدائی کا دعویٰ کرنے والے فرعون! اور اے عصر حاضر کے جھوٹے لات اور منات!

سنو' سنو! تمہاری منافقت اور ریاکاری کو' ظلم وتشدد کی گرم بازاری کو ''میں نہیں مانتا' میں نہیں جانتا''۔

صدر ذی وقار! جب کبھی کسی فرعون نے سر ابھارا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نعرۂ ایمانی سر بلند ہوا۔ جب بھی کسی ہلاکو اور چنگیز نے انسانی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کئے تو جواب میں کلمۂ حق ضرور سر بلند ہوا۔ اور جب کسی یزید نے شجر اسلام کو کاٹنے کی کوشش کی تو امام حسین رضی اللہ عنہ یزید کی منافقت اور جھوٹ کا پردہ چاک کرنے کیلئے میدان کربلا میں آ گئے' اور اس شان سے انہوں نے اپنے اور اپنے خاندان کے لہو کا نذرانہ پیش کیا کہ وہی بے برگ وبار شجر اسلام پھر سے بہار جاوداں کا نمونہ بن گیا۔

؎ ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

حق اور باطل کی یہ آویزش ازل سے رہی ہے۔ اقبال کے لفظوں میں
معزز حاضرین! باطل اور کفر کے خلاف ڈٹ جانے والے خوف و خطر سے نہیں ڈرتے' ہر سزا ان کیلئے حسن عطا ہوتی ہے' انہیں سر کٹانے اور جان دینے کا ہنر آتا ہے۔ ان کے سامنے حضور نبی کریم ﷺ کا یہ قول مبارک ہوتا ہے کہ
''سب سے بڑا جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے''
یہ مردان حق و صداقت وقت کی ہر مصلحت کو ٹھوکر سے اڑاتے ہیں۔ دار و رسن کی آزمائش ان کا راستہ نہیں روک سکتی۔ وہ فروغ حق کیلئے اپنے سر ہتھیلی پر سجا کر اس عزم کے ساتھ میدان عمل میں آتے ہیں۔

؎ سر کٹانے کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھتے ہیں زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

جناب والا! اگر ظلم و جبر کے خلاف بغاوت کا جذبہ نہ ہوتا تو آج ہر طرف جنگل کا قانون ہوتا' لاقانونیت کا راج ہوتا۔ ہر طرف فرعون' نمرود' شداد اور یزید جیسے حکمرانوں کی شاہی نظر آتی۔ قیصر کبھی نہ مرتا' کسریٰ کو کبھی موت نہ آتی۔ لیکن قدرت کا تقاضا تو ظلمتوں میں چراغ روشن کرنا ہے' جھوٹے خداؤں کے ظلم کو پارا پارا کرنا ہے۔ اس لئے ہر دور میں ایسے مردان حق ابھرتے رہے جو ہر فرعون کی جھوٹی خدائی کو ماننے اور پہچاننے سے انکار کر کے انصاف کا بول بالا کرتے رہے۔ زمانہ کتنا ہی آگے کیوں نہ بڑھ جائے' کامیابی آخر سچائی اور انصاف کی ہوتی ہے۔ شاعر مشرق کے لفظوں میں۔

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

جناب والا! زمانۂ قدیم سے لے کر عہد جدید تک اور عرب کے ریگستانوں پر خاک وخون میں لوٹنے والے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے لے کر عہد حاضر کے غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ تک' ہمیشہ ظلم اور جبر کے خلاف بغاوت کرنیوالوں نے ہی حق وصداقت اور انصاف کو نئی زندگی دی ہے۔ کوئی بھی آزادی کی تحریک ہو' دین کے احیاء کا جذبہ ہو' منزل ایمان کی جانب سفر ہو' مظلوموں کی غلامی کی زنجیریں کاٹنے کا مسئلہ ہو' ہمیشہ اصحاب ایمان کا نعرۂ مستانہ ہی حق وصداقت کو نئی قوت عطا کرتا ہے۔ تحریک پاکستان پر نگاہ دوڑائیں۔ مجاہدین راہ آزادی' جواں عزم طلبہ و طالبات انگریز اور ہندو کی استبدادیت سے ٹکرا گئے اور ان کے سامنے جھکنے سے انکار کر کے صبح آزادی کے اجالوں کو چاروں طرف پھیلا دیا۔

والا قدر! صدی کوئی بھی ہو' حقائق نہیں بدلتے۔ بادل کتنے بھی گھر آئیں' سورج نے بہرصورت چمکنا ہے۔ کسی بھی ملک میں آمریت کے تاریک سائے کتنے ہی گہرے کیوں نہ ہوں' جمہوریت کے اجالوں نے بہرصورت بکھرنا ہے۔ انصاف ایک سمندر ہے' جس نے رواں رہنا ہے۔ سچائی ایک سورج ہے' جس نے ہمیشہ جگمگانا ہے۔ آمریت وظلم وتشدد کا نام تاریکی ہے' جس کا دوسرا نام موت ہے۔ ضرورت صرف ان حق پرستوں کی ہے جو وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ کہنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔

ایسے قانون کو
ایسے دستور کو
صبح بے نور کو
میں نہیں مانتا
میں نہیں جانتا

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

صدر گرامی قدر اور معزز حاضرین! آج مجھے جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے۔

"فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں"

جناب والا! اتحاد و یکجہتی کی ضرورت ہر دور میں مسلم رہی ہے۔ چند افراد پر مشتمل ایک خاندان ہو یا ریاست' ان کا حقیقی وجود فقط اتفاق و اتحاد اور باہمی تعاون سے ہی عبارت ہے۔ جب منتشر افراد کو شیرازہ بندی کا شعور عطا ہوتا ہے تو ملت وجود میں آتی ہے' پھر ربط ملت کا احساس ابھرتا ہے اور اشتراک عمل کی بدولت کوئی بھی قوم اپنی عظمت و سربلندی کی داستان رقم کرنے کے قابل ہوتی ہے۔ اسی لئے فرد کو ملت کے مقدر کا ستارا قرار دیتے ہوئے شاعر مشرق نے کہا تھا

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

والا قدر! ہر زمانے میں تمام امور اتحاد اور جذب باہم ہی سے انجام پاتے ہیں۔ دریا میں موجوں کا خرام ہو یا آسمان پر سجی ہوئی ستاروں کی انجمن' باغ میں پھولوں کا یکجا حسن ہو یا صحراء میں ریت کے ذروں کا رقص' کاروان شوق کی حدی خوانی ہو یا کسی قوم کے افراد کا ذوق یکجائی' ان سب میں ایک ہی جذبہ کارفرما ہے۔ اشتراک عمل اور ربط و ضبط باہم۔ اسی ربط و ضبط باہم سے قومیں وجود میں آتی ہیں

اور ذوق عمل کو اسی کی حقیقی قوت عطا ہوتی ہے۔ ''بزم انجم'' میں علامہ اقبال اسی فلسفہ کو اجاگر کرتے ہیں۔

اک عمر میں نہ سمجھے اس کو زمین والے
جو بات پا گئے ہیں تھوڑی سی زندگی میں
ہیں جذب باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

حاضرین کرام! کائنات میں جب بھی کوئی انقلاب رونما ہوتا ہے۔ کاروان ہستی جب بھی امن و خیر کی منزل کی جانب گامزن ہوتا ہے۔ کوئی قوم جب بھی ترقی و خوشحالی کے راستے پر سفر کرتی ہے۔ جب بھی اہل حق آزادی و حریت کو سینے سے لگانے کا عزم کرتے ہیں تو پھر یہ سب کچھ ایک فرد واحد کی بدولت نہیں بلکہ قومی سطح پر رونما ہوتا ہے۔ ہر فرد کا مفاد معاشرہ کے ساتھ' اور ایک انسان کی کامیابی پوری قوم کی کامرانی کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ اس راہ عمل میں اکیلا رہ کر ایک فرد کوئی تاریخی کردار ادا نہیں کر سکتا' مگر جب ملت کے ساتھ اپنا رشتہ استوار کرتا ہے تو مؤرخ کا قلم بے اختیار اس کی لافانی عظمتوں کی داستاں رقم کرنے لگتا ہے۔ اور پھر اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

معزز حاضرین! منتشر اجزا کی شیرازہ بندی کے بعد جب قوم متحد ہو کر آگے بڑھتی ہے تو چاروں طرف اس کی علمی فتوحات' عملی کامرانیوں' معاشی و معاشرتی سرفرازیوں اور صنعتی کمالات کی دھوم مچ جاتی ہے۔ پھر قدرت بھی اپنی رحمت کا سائبان اس بے آسرا قوم کے سر پر تان دیتی ہے' اور وہی افراد جو الگ الگ رہ کر مارے

مارے پھر رہے تھے اب منزل مقصود پر جمع ہو کر عنایات خداوندی کے حقدار بن جاتے ہیں۔ پھر اسی قوم کو شاعر مشرق جیسا دانائے راز اور قائداعظم محمد علی جناح جیسا رہبر یگانہ عطا ہوتا ہے۔ خاک نشینوں کو ستاروں پر کمندیں ڈالنے کا حوصلہ عطا ہوتا ہے اور بے مقصد زندگی بسر کرنے والے ایٹم کو تسخیر کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں' اور ہر قدم پر احساس ہونے لگتا ہے کہ

بے معرکہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

جناب صدر! ربط ملت کی بدولت ہی فرد کو قوم اور وطن سے محبت عطا ہوتی ہے۔ وطن عزیز پاکستان کی داستان آزادی لاکھوں شہداء کے خون سے لہو رنگ ہے۔ اس مملکت خداداد کی آزادی ایک یا چند افراد کی نہیں بلکہ کروڑوں فرزندان توحید کی قربانی و ایثار کی مرہون منت ہے جنہوں نے اپنا آج ہمارے کل پر نچھاور کر دیا تھا' آج ہم آزاد ہیں۔ وطن کی آزادی ہر فرزند قوم سے سوال کر رہی ہے کہ میں نے تو زمانے بھر کے عیش و آرام کے پھول تمہاری جھولی میں ڈال دیئے۔ اس کے بدلے میں تم مجھے کیا دے رہے ہو۔ یہ حرف سوال بھی ہے اور لمحہ فکریہ بھی۔ وقت ہر صاحب نظر کو اس کی اہمیت کا احساس دلا رہا ہے۔

بے خبر تو جوہر آئینۂ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

والا مرتبت! ربط و ضبط ملت اور جذب باہم کی بدولت ہی ایک فرد اس قابل ہوتا ہے کہ ہر قسم کے نسلی علاقائی' لسانی' صوبائی اور جغرافیائی بتوں کو توڑ کر ایک ملت میں گم ہو جائے۔ اپنے مستقبل کو ملک و قوم کے مستقبل کے ساتھ وابستہ کر لینے کا احساس ہی اسے قومی اور نظریاتی تشخص عطا کرتا ہے۔ یہیں سے اس کی اپنی

شناخت ابھرتی ہے۔ اور جب اس کی شاہینی پرواز میں کمی آنے لگتی ہے' اس کے بازو شل ہونے لگتے ہیں تو رحمت خداوندی اسے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی صورت میں ایسا تاریخ ساز محسن ملک وملت عطا کرتی ہے جو دعا کیلئے اٹھے ہوئے بیشمار ہاتھوں کی تمناؤں کا خواب ہوتا ہے۔

والا قدر! ہم کل بھی ایک تھے' آج بھی ایک ہیں۔ کراچی کی ترائیوں سے خیبر کی بلندیوں تک جذب باہم کی عملی تفسیر ہیں۔ ہم سندھی' بلوچی' پٹھان یا پنجابی نہیں بلکہ فقط اور فقط پاکستانی اور مسلمان ہیں۔ ایمان ہماری آن اور دوقومی نظریہ ہماری پہچان ہے۔ ہم نے جھکنا نہیں بلکہ زمانے کو جھکانا سیکھا ہے۔ ہم نے آگے بڑھنا ہے' بہت آگے۔ وطن عزیز کی سربلندی کیلئے' ملت اسلام کے احیا کیلئے' غلام موتوں کی آزادی کیلئے قائداعظم کے اقوال کی عملی تعبیر کیلئے ہمارا سفر جاری ہے اور انشاء اللہ یہ سفر مردانہ وار جاری رہے گا۔ میں اپنی گزارشات کے اختتام کیلئے شاعر مشرق کے اس پیغام کا سہارا لینا چاہتا ہوں کہ

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

اسلام دہشت گردی نہیں' امن چاہتا ہے

صدر گرامی قدر اور حاضرین والا تبار! آج مجھے جس فکر انگیز موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے' وہ ہے۔

اسلام دہشت گردی نہیں' امن چاہتا ہے

والا قدر! آج باطل قوتیں ذرائع ابلاغ کا سہارا لے کر اسلام کو دہشت گردی کا علمبردار قرار دینے پر تلی ہوئی ہیں۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے۔ جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کیلئے اسلام دشمن عناصر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے ہیں اور ان سب کا ایک ہی مقصد ہے کہ اسلام کو دہشت گردی کا پیغام قرار دے کر مسلمانوں پر ضرب کاری لگائی جائے۔ آج عالمی ضمیر ہمیں جھنجھوڑ کر صورتحال کی نزاکت کو سمجھنے کا پیغام دے رہا ہے کہ

تو دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں
چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

جناب والا! اسلام دہشت گردی کا علمبردار نہیں بلکہ امن و سلامتی کا مذہب ہے۔ اسلام کے لفظ ہی سے امن و سلامتی کی خوشبو پھوٹ رہی ہے۔ قرآن حکیم ہو یا احادیث نبوی' حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہو یا صحابہ کرام اور مسلم جرنیلوں کا طرز عمل

ہمیں کہیں بھی دہشت گردی کی پرچھائیاں نظر نہیں آتیں، بلکہ چودہ صدیوں کے افق پر دین اسلام امن عالم کی روشنی بکھیر رہا ہے۔

صدر محترم! اسلام کسی سے زندہ رہنے کا حق نہیں چھینتا بلکہ اپنے ماننے والوں کو باوقار زندگی کا پیغام دیتا ہے۔ اسلام جارحیت اور بے سبب قتل و غارت کا قائل نہیں بلکہ یہ تو اپنی حفاظت کے نام پر ہتھیار اٹھانے کا درس دیتا ہے۔ باوقار زندگی کیلئے عملی جدوجہد کرنا اور اپنے حقوق کیلئے میدان عمل میں اتر جانا کسی صورت بھی دہشت گردی نہیں، بلکہ یہ تو تہذیب عالم کے اصولوں اور اقوام متحدہ کے چارٹر کے عین مطابق ہے۔ دکھ تو یہ ہے کہ دہشت گردی کی تشریح کا فریضہ ان غاصب قوتوں نے سنبھال لیا ہے، جو چنگیز و ہلاکو کی جانشین ہیں۔ جو فرعونی خدائی کے نام پر امن عالم سے کھیل رہی ہیں۔ مظلوم اقوام کو خاک و خون کے سمندر میں غرق کر کے وہ ان کی اجتماعی قبروں پر دہشت گردی کے کتبے لگا رہی ہیں۔

؎ خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

محترم حاضرین! تاریخ اسلام شاہد ہے کہ ہجرت مدینہ سے قبل مسلمان سینکڑوں کی تعداد میں تھے مگر حضور ﷺ نے مکہ میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں دی۔ مدینہ طیبہ میں آ کر بھی آپ نے امن و سلامتی کی فضاء کو برقرار رکھا۔ جب کفار مکہ نے مسلمانوں پر جنگیں مسلط کر دیں تو پھر مسلمانوں نے میدان جنگ میں شیران خدا کا روپ اختیار کر کے کفار کے عزائم کو خاک میں ملا دیا اور ثابت کر دیا کہ جو عزت کے ساتھ مرنا نہیں جانتا، اسے غیرت کے ساتھ جینا بھی نہیں آتا۔

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ اسلامی تعلیمات میں دہشت گردی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام تو دوسروں کے جان و مال کی حفاظت کا درس دیتا ہے۔ مسلم حکومتیں

اپنی حدود میں بسنے والے غیر مسلموں کو وہ حقوق عطا کرتی تھیں جو انہیں اپنے ملک میں بھی حاصل نہیں تھے۔ جنگوں میں فریقین اعتدال کا رشتہ کھو بیٹھتے ہیں مگر ہمارے رسول کریم ﷺ جب کوئی لشکر روانہ فرماتے تو اسکے سالار اعلیٰ کو سختی سے ہدایت فرماتے۔

"جہاں پہنچو وہاں پہلے اسلام کا پیغام دینا۔ نہ مانیں تو جزیہ ادا کرنے پر آمادہ کرنا۔ اگر جنگ ناگزیر ہو جائے تو خبردار بوڑھوں' عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرنا۔ جو ہتھیار ڈالیں ان پر ہتھیار نہ اٹھانا۔ فصلیں اور باغات تباہ نہ کرنا۔ تمہاری جنگ اسلام کیلئے ہے' لہو کے سمندر بہانے کیلئے نہیں"۔

جناب والا! تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ ارشاد نبوی کو شمع راہ بنائے رکھا۔ مسلم فاتحین جہاں بھی پہنچے وہاں اخلاق اور حسن کردار کی شمعیں روشن کیں۔ امن و سلامتی کے گلشن کھلا دیئے۔ انسانی حقوق کو سربلندی عطا کی اور ثابت کر دیا کہ

ہم کہ دہشت گرد نہیں ہیں امن کے ہم رکھوالے ہیں
صلح و محبت مقصد اپنا' پیار کے ہم متوالے ہیں
ہم تو ہر اک حال میں اس اسلام کو چاہنے والے ہیں
جس کی بدولت امن و راحت کے ہر سمت اجالے ہیں

صدر محترم! ہم اگرچہ امن و سلامتی اور صلح و محبت کے علمبردار ہیں مگر امن و سلامتی کا یہ مطلب تو نہیں کہ اگر دشمن ہمارے گھر میں گھس آئے تو اپنا گھر ہی اسے سونپ دیں۔ پاکستان ہمارے لئے سائبان رحمت ہے' رحمت خداوندی ہے۔ ہر مسلم حکومت کو اپنا وطن اسی طرح عزیز ہے جس طرح امریکہ' برطانیہ اور اقوام یورپ کو اپنے وطن عزیز ہیں۔ اسلام تو بین الاسلامی اخوت کا پیغام دیتا ہے۔ یہ بین الاسلامی اخوت دو قومی نظریہ کا اعزاز ہے۔ اگر محمد بن قاسم عرب سے چل کر ایک

مسلمان بہن کی امداد کیلئے سندھ آ سکتا ہے تو ہم کشمیری مسلمانوں کی امداد کیوں نہیں کرسکتے۔ کشمیر ہندوستان کی جاگیر نہیں' پاکستان کی شہ رگ ہے' اور ہندوستان اقوام عالم سے وعدوں کی رو سے وہاں رائے شماری کا پابند ہے۔ کشمیریوں کے حقوق کی آواز اٹھانا دہشت گردی نہیں بلکہ دہشت گرد تو ہندوستان ہے جو کشمیریوں کی لاشوں پر حکومت کرنے کا دعویدار ہے۔

والا قدر! آج کی واحد سپر پاور امریکہ نے دہشت گردی کے دوہرے معیار بنا رکھے ہیں۔ افغانستان کو خون میں نہلا دیا گیا۔ اس قتل عام کو قیام امن سے تعبیر کیا گیا۔ عراق کی تباہی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کی گئی۔ فلسطین کے مسلمان اپنی لاشیں اٹھاتے اٹھاتے تھک گئے ہیں مگر شیطان اصغر اسرائیل اور اس کے سرپرست امریکہ کو روکنے والا کوئی نہیں۔ بوسینیا اور چیچنیا میں امن کے نام پر قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ امریکہ' برطانیہ' روس اور یورپی اقوام اور ان کے استبدادی فرزندوں' ہندوستان اور اسرائیل' کا کیا دھرا ہے جبکہ کسی بھی مسلم ملک نے دوسرے ملک پر موت مسلط نہیں کی۔

جناب والا! اسلام سے بڑھ کر اقوام عالم کا امن کسے عزیز ہوگا۔ حضور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی تاریخ کے اوراق پر جگمگا رہا ہے کہ "ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے"۔ مسلمانوں نے صدیوں تک اقوام عالم پر حکومت کی ہے مگر دہشت گردی کا بہانہ بنا کر کمزور اقوام کا قتل عام نہیں کیا۔ آج سات سمندر پار بسنے والے امریکہ کو کمزور و بے بس اور اپنی ذات کا تماشا دیکھنے والے مسلمان ہی دہشت گرد نظر آتے ہیں؟ کیا جنگ عظیم اول اور دوم کے نام پر کروڑوں انسانوں کو موت کے منہ میں دھکیلنے والے مسلمان تھے؟ کیا ہیروشما اور ناگاساکی پر ایٹم بم مسلمانوں نے گرائے تھے۔ یہ امریکہ اور یورپی اقوام کے سنہری کارنامے ہیں جن

کے تذکرے سے ہی انسانیت شرم سے منہ چھپالیتی ہے۔

محترم حاضرین! آج اسلام کے نام لیواؤں کو ایک ہو جانا چاہیے۔ اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے۔ اس کا دہشت گردی سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ خدارا اسلام کے مرکز امن وسلامتی پر جمع ہو جائیے۔ جرم ضعیفی سے خود کو بچائیے۔ ورنہ وقت اقبال کے لفظوں میں اپنا فیصلہ سنا چکا ہے۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

سہارا جو کسی کا ڈھونڈتے ہیں بحرِ ہستی میں

صدر ذی وقار اور محترم حاضرین! مجھے آج کے ایوان میں جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے۔

سہارا جو کسی کا ڈھونڈتے ہیں بحرِ ہستی میں
سفینہ ایسے لوگوں کا ہمیشہ ڈوب جاتا ہے

جناب والا! انسانی زندگی جدوجہد سے عبارت ہے۔ زمانہ انہی افراد کو سلام کرتا ہے جو اپنے بازوؤں پر بھروسہ کرتے ہیں' اپنی صلاحیتوں پر اعتماد رکھتے ہیں' علم کو خضر راہ اور عمل کو اپنی قوت بناتے ہیں' مخالف طوفانوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جاتے ہیں' بحرِ ہستی کی موجوں سے ٹکراتے ہیں' کسی سہارے کی تمنا نہیں کرتے بلکہ اپنی قوت عمل کا اس شان سے مظاہرہ کرتے ہیں کہ کنارے خود بخود ان کے قدم چومتے ہیں۔ کیونکہ یہ اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ

ناکام آرزو ہے سہاروں کی زندگی
توہین جستجو ہے سہاروں کی زندگی

صدر محترم! بات ایک فرد کی ہو یا پوری قوم کی' معاملہ چند انسانوں کا ہو یا پورے معاشرے کا۔ کامیابی صرف ان کے قدم چومتی ہے جو سہاروں کو ٹھکرا کر آگے بڑھتے ہیں۔ سہاروں کی زندگی ایک دن ناکامیوں میں ڈھل جاتی ہے۔ انسان کا اپنی ذات پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ وہ ایک قدم آگے بڑھانے کیلئے بھی سہارے تلاش کرتا ہے۔ جبکہ سہاروں کو ٹھکرانے والے ہر آزمائش میں سرخرو ہوتے ہیں۔

وہ زمانے کو فتح کرتے اور خلاؤں کو تسخیر کرتے ہیں۔ یہ ہمت آزما سمجھتے ہیں کہ

؎ اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی

معزز حاضرین! تاریخ عالم پر ایک نظر ڈالئے فاتحین کے کارنامے دیکھئے سائنسدانوں کے علمی کمالات کا مشاہدہ کیجئے غیرت مند حکمرانوں کی زندگی کے اوراق دیکھئے یہ لوگ جب سہارے توڑ کر آگے بڑھے تو رحمت خداوندی جوش میں آ گئی اور سہاروں سے بے نیاز ہو کر آگے بڑھنے والوں کے سر پر تاریخ نے عظمت کا تاج رکھ دیا۔

جناب صدر! اہل ہمت افراد مادی وسائل کا نہیں بلکہ فقط خدا کا سہارا ڈھونڈتے ہیں اور قدرت بھی انہی کا سہارا بنتی ہے جو اپنی قسمت کو بدلنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔ تاریخ گواہ ہے کہ حکومت کا میدان ہو یا میدان سیاست میدان جنگ ہو یا اقتصادی اور معاشی ترقی کا میدان باوقار زندگی کا مرحلہ ہو یا غیرت و خودداری کا امتحان وہی لوگ کامیاب ٹھہرے جنہوں نے جھوٹے سہاروں کے بت توڑ دیئے مصنوعی سہارے پاش پاش کر دیئے اور پھر زمانے نے دیکھا کہ

؎ کشتیاں سب کی کنارے پہ پہنچ جاتی ہیں
ناخدا جن کا نہ ہو ان کا خدا ہوتا ہے

صدر محترم! تحریک پاکستان کے مشکل اور کٹھن دور کا تصور کیجئے۔ جب قائد اعظم ایک ہی وقت میں انگریز ہندو اور دو قومی نظریہ کے مخالفوں سے ٹکرا رہے تھے۔ ان کا بھروسہ خدا پر تھا۔ ایمان ان کی قوت تھا۔ مقصد کی سچائی ان کا حوصلہ تھی۔ ہمت مردانہ ان کیلئے شمع راہ تھی اور پھر تاریخ نے دیکھا کہ تمام مسلمان ان کی قیادت میں جمع ہو گئے۔ انہوں نے غیروں سے مدد نہیں لی بلکہ اپنی قوم کو آزادی کا جذبہ عطا کیا اور یہ اسی ہمت پیہم اور عزم و حوصلہ کا انعام تھا کہ قدرت نے ہمیں پاکستان عطا

کر دیا۔ وہ پاکستان جو قائداعظم کی یادگار بھی ہے اور ہمارے لئے وجۂ افتخار بھی۔

جناب والا! آج کا پاکستان ایک زندہ حقیقت ہے۔ ہم نے اسے مضبوط سے مضبوط تر بنانا ہے۔ ہم غیرت مند قوم ہیں اور غیرت مند قومیں کبھی اپنی خوشحالی کیلئے غیروں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتیں۔ سائنسی ٹیکنالوجی' علمی ترقی اور اقتصادی سربلندی کیلئے کسی قوم سے عمل کی روشنی لینا ہاتھ پھیلانا نہیں بلکہ یہ تو قومی ترقی کا اہم پہلو ہے۔ ہاتھ پھیلانے کا یہ مطلب ہے کہ ہم نکموں کی طرح آنکھیں بند کر لیں اور امیر قوموں کے سامنے رزق کیلئے کشکول گدائی پھیلا دیں۔ ہمارا دین اور پاکستان کا وجود ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

معزز حاضرین! ہم نے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی تو قدرت نے ہمیں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں جیسا محسن قوم عطا کر دیا اور جوہری قوت ہمارا اعزاز بن گئی۔ آج ضرورت ہے کہ سہاروں کی زندگی سے نجات حاصل کی جائے۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک اور دوسری خیرات دینے والی بیساکھیوں کو توڑ دیا جائے۔ اپنی آزادی کو کسی قیمت پر رہن نہ رکھا جائے۔ ہم اس عظیم نبی ﷺ کے امتی ہیں جس کے غلاموں نے پیٹ پر پتھر باندھ کر قیصر و کسریٰ کا غرور خاک میں ملا دیا تھا۔ آج ہم نے پھر معاشی' معاشرتی اور علمی ترقی کی داستان رقم کرنی ہے۔ زندہ قومیں کبھی بھی عارضی خوشحالی کیلئے ہاتھ نہیں پھیلاتیں۔ اور ہم نے ہر ایک کاسۂ گدائی کو توڑ کر ثابت کرنا ہے کہ ہم زندہ قوم ہیں' پائندہ قوم ہیں۔ میں اس پیغام کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

اپنی دنیا آپ پیدا کراگر زندوں میں ہے

صدر ذی وقار اور حاضرین والا تبار! علم و حکمت کی روشنی میں بکھیرنے والے آج کے اس ایوان میں مجھے جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے۔

اپنی دنیا آپ پیدا کراگر زندوں میں ہے

جناب صدر! انسانی زندگی جہد مسلسل اور جرأت رندانہ سے عبارت ہے۔ اس کا زار حیات میں وہی شخص آگے بڑھنے کا حق رکھتا ہے جس کے عزائم میں پہاڑوں کی بلندی ہو سمندروں کی وسعت ہو آسمانوں کی اٹھان ہو اور شاہین کی صورت پلٹنے جھپٹنے کا حوصلہ ہو۔ فرد ہو یا قوم "شہری ہو یا دیہاتی" فرد واحد ہو یا ریاست' باوقار زندگی کی نوید انہی کو ملتی ہے جو اپنی دنیا آپ پیدا کرنیکا حوصلہ رکھتے ہوں۔ اسی لئے شاعر مشرق نے فرزندان قوم کو یہ جرأت آزما پیغام دیا کہ

؎ اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے' ضمیر کن فکاں ہے زندگی

جناب والا! زمانہ گواہ ہے اسی قوم نے سربلندی حاصل کی جو اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کا حوصلہ رکھتی تھی۔ قرآن کی ابدی گواہی ہے کہ "خدا کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ قوم اپنی حالت کو خود بدلنے کی جدوجہد نہ کرے" اور یہ بھی قرآن کی گواہی ہے کہ "انسان کو وہی عطا ہوتا ہے جس کیلئے وہ محنت کرتا ہے"۔ اپنی دنیا آپ پیدا کرنیکا مفہوم یہ ہے کہ انسان حوادث سے ٹکرانے

کا حوصلہ رکھتا ہو زمانے کو تسخیر کرنے کی قوت رکھتا ہو۔ وہ گفتار نہیں بلکہ کردار کا بھی غازی ہو علم کے ساتھ عمل کی تصویر بھی ہو اس کا عزم آہن پہاڑوں کو چیر کر جوئے شیر نکالنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ سچ پوچھئے تو یہی لوگ حاصل حیات ہوتے ہیں۔ یہ اس عزم کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں کہ

سر بیچ کر متاع دل و جاں خریدنا
سودا ہے وہ کہ جس میں خسارا کوئی نہیں

حاضرین محترم! قوموں کی زندگی پر ایک نظر ڈالئے' برپا ہونے والے انقلابات پر غور کیجئے' تاریخ کے اوراق کا مطالعہ کیجئے' ہر جگہ مردان ہمت ہی حیات تازہ کی نوید سناتے نظر آتے ہیں۔ عظمت اسلام کے پہلے موڑ سے لے کر تحریک پاکستان تک دیکھئے' ہر مقام پر اصحاب ہمت ہی ایک نیا زمانہ تخلیق کرتے نظر آتے ہیں۔

صدر ذی وقار! دور کیوں جائیں۔ تحریک پاکستان کے ادوار پر ایک نظر دوڑایئے۔ برطانوی سامراجیت کا کہنا تھا کہ ہم یہاں ہزار برس حکومت کریں گے۔ برطانیہ کے سائے میں پرورش پانے والا ہندو کہہ رہا تھا کہ ہم مسلمانوں سے ہزار سال کی غلامی کا انتقام لیں گے۔ پنڈت نہرو پکار رہا تھا کہ ہندوستان میں فقط دو قومیں بستی ہیں۔ ایک انگریز اور دوسری ہندو۔ ایسے قیامت خیز منظر میں بابائے ملت محمد علی جناح کی ولولہ انگیز صدا ابھری کہ تم دونوں جھوٹے ہو۔ برطانوی سامراج کو یہاں سے جانا ہے اور ہندوستان میں تیسری قوم بھی بستی ہے اور وہ ہے مسلمان۔

صدر محترم! میرے قائد کی آواز میں غضب کی تاثیر تھی۔ ان کے عزم میں تلوار کی کاٹ تھی۔ ان کی زبان تقدیر کی ترجمان تھی۔ ان کا حوصلہ پتھروں کا جگر پانی کر رہا تھا۔ قائداعظم کی آواز ہر مسلمان کے دل میں اتر گئی۔ خاص طور پر نوجوانان ملت نے اپنے قائد کی آواز پر اس طرح لبیک کہا کہ آزادی کا ہراول دستہ بن گئے۔

شاہین صفت جوانوں نے فکر اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے روشنی لی۔ قائداعظم کی قیادت سے حوصلہ لیا اور اس طرح آگے بڑھے کہ زمانے نے اپنا رخ بدل دیا۔ باطل قوتوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ تاریخ نے نیا ورق الٹ دیا اور ہندوستان کے نقشے پر پاکستان ابھر آیا۔

وہ پاکستان جس کو شوکت تعمیر کہتے ہیں
جسے اقبال کے ہم خواب کی تعبیر کہتے ہیں
جوانان وطن کے عزم روشن کا یہ گہوارا
اسے قائد کے فرمودات کی تاثیر کہتے ہیں

صدر ذی وقار! تعلیم و تدریس کی بلند چوٹیوں پر چڑھنے کا مرحلہ ہو یا استحکام پاکستان کا معاملہ۔ ہر جگہ اور ہر مقام پر یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ زمانہ فقط باہمت اقوام کو سلام کرتا ہے۔ پاکستان کا حصول ایک معجزہ تھا۔ اب اسے مضبوط سے مضبوط تر بنانا ہے۔ ہماری سرحدوں پر ہندو سامراجیت کا عفریت اب پھر پھنکار رہا ہے۔ لاکھوں دیوتاؤں کو ماننے والے ہندو کو بڑی طاقتوں کی پشت پناہی حاصل ہے مگر ہماری حقیقی قوت خدائے واحد پر ایمان ہے۔ ہم باطل سے ہراساں نہیں، ہم اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا زورِ حیدرؓ فقرِ بوذرؓ صدقِ سلمانیؓ

جناب والا! اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کا ایک معجزہ اس وقت رونما ہوا، جب چاغی کی پہاڑیوں سے چھ ایٹم بموں نے پاکستان کے استحکام کی بنیاد رکھ دی، اور محسن ملت ڈاکٹر عبدالقدیر خاں تاریخ میں حیات دوام پا گئے۔ ہاتھوں میں قوت، دلوں میں ایمان کی روشنی، آنکھوں میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال اور قدموں میں

زمانے کو تسخیر کرنے کی قوت ہو تو کامیابی ہمیشہ قدموں کو چوم سکتی ہے۔

صدر محترم! میں ارض پاکستان کو سلام عقیدت پیش کرتا ہوں۔ میرے جیسے کروڑوں فرزندان توحید ارض پاکستان کو سربلند رکھنے کی قسم کھاتے ہیں۔ ہم نے رکنا نہیں بلکہ آگے بڑھتے رہنا ہے۔ پاکستان کی ترقی کیلئے' اس ملک کے استحکام کیلئے' جہالت کی تاریکیوں کو کافور کرنے کیلئے' علم وحکمت کے نور کو عام کرنے کیلئے اور دنیا کی ہر عظمت پاکستان کے نام سے وابستہ کرنے کیلئے' میں ارض پاک کے حوالے سے اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں کہ

خدا کرے کہ میری ارضِ پاک پر اُترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

یوم دفاع پاکستان

صدر گرامی قدر اور معزز حاضرین! آج مجھے جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے۔

"یوم دفاع پاکستان"

جناب والا! زندہ قومیں اپنے تاریخی ایام کو یاد رکھتی ہیں۔ یوم دفاع پاکستان ہمیں افواج پاکستان کی شجاعت کی یاد دلاتا ہے۔ یہ دن عزم و ہمت کے فسانے سناتا ہے۔ یہی دن غیرت ایمانی کے آداب سکھلاتا ہے۔ یہ دن پاکستان کی فتح و نصرت کا پرچم لہراتا ہے۔ یوم دفاع پاکستان اس حقیقت کا اعلان ہے کہ

اے وطن نام ترا حق کی گواہی ٹھہرا
تیری عظمت کا علم دہر میں لہراتے ہیں
تیری بنیادوں میں ہے لاکھوں شہیدوں کا لہو
ہم تجھے گنجِ دو عالم سے گراں پاتے ہیں

محترم حاضرین! آیئے ہم اپنے ماضی کا ایک روشن ورق الٹتے ہیں۔ چھ ستمبر ۱۹۶۵ء کا سورج طلوع ہوا تو بھارت کی بزدل افواج پاکستان پر حملہ کر چکی ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ ملت پاک سوئی ہوئی ہے مگر یہاں تو ہمارا مقدر جگمگا رہا تھا۔ ہماری بہادر افواج دشمن کے سامنے سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار بن گئیں۔ دشمن کے پاس افواج اور اسلحہ کی کثرت تھی مگر ہمارے پاس جذبۂ ایمان تھا۔ یہی جذبہ اعلان کر رہا تھا کہ

؎ کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اور پھر جناب صدر! ہمارے بے تیغ عوام بھی جرأت ایمانی کا مظاہرہ کرنے لگے۔اس وقت کے صدر پاکستان نے پکار کر کہا کہ آپ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہوئے دشمن پر جا پڑیں اور اسے بتا دیں کہ اس نے کس قوم کو للکارا ہے۔

اس للکار نے پوری قوم کو سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار بنا دیا۔افواج پاکستان تو جنگ لڑ رہی تھیں۔ ان کے ساتھ مزدور' کسان' شاعر' مفتی' ادیب اور خطیب بھی شامل جہاد تھے۔ یہ دو قوموں کی نہیں بلکہ دو قومی نظریہ کی جنگ تھی۔حق و باطل کا معرکہ تھا۔کفر و اسلام کی پنجہ آزمائی تھی' اور پھر زمانے نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے وارث جرأت و دلیری کی داستانیں دہرانے لگے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ و حضرت ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند فتح یاب ہونے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے بھارت نے گھٹنے ٹیک دیئے اور فتح عظیم پاکستان کا مقدر بن گئی۔

جناب والا! یوم دفاع پاکستان ہر سال طلوع ہوتا ہے۔ ہماری غیرت کو بیدار کرتا ہے۔سوئے ہوئے مسلمان کو ہشیار کرتا ہے۔ ہمیں باطل کے عزائم سے خبردار کرتا ہے۔ یہ دن ہمیں احساس دلاتا ہے کہ اگر ایمان سلامت ہو تو ہم زمانے بھر سے ٹکرا سکتے ہیں۔ اگر دلوں میں حرارت ایمانی موجود ہے تو ہر دور میں باطل کے عزائم مٹی میں ملا سکتے ہیں کیونکہ

؎ توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

صدر ذی وقار! آج ہم ایٹمی قوت بن چکے ہیں۔ ہماری رگوں میں کلمہ

توحید کی امانت زندہ ہے۔ پاکستان کو ہم نے عالم اسلام کا قلعہ بنانا ہے۔ یوم دفاع پاکستان منانے کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے وطن سے محبت کریں۔ اس کے ذروں کو ستاروں سے افضل سمجھیں۔ اس کی فضاؤں کا احترام کریں کہ ہم ان میں آزادی کا سانس لے رہے ہیں۔ اس کے درو دیوار کو اپنے خون سے زینت بخشیں۔

جناب والا! یوم دفاع پاکستان کا پیغام ہے کہ ہم اسلامی نظریہ حیات کو الفاظ کے آئینے سے نکال کر عمل کے سانچے میں ڈھالیں۔ مسلح افواج ہماری جغرافیائی سرحدوں کی پاسبان ہیں۔ نظریاتی سرحدوں کی پاسبانی کا فریضہ ہم نے انجام دینا ہے۔ آیئے ہم ہر لحظہ اس حقیقت کو یاد رکھیں کہ

جنت سے کہیں بڑھ کے حسیں میرا وطن ہے
ہمسر ہے فلک کی جو زمیں' میرا وطن ہے

حاضرین کرام! میں ملت پاک کی عظمت کو سلام کرتا ہوں۔ میں اپنی شیر دل افواج کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان جذبات کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں کہ

خون دل دے کے نکھاریں گے رُخِ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

بہترین مشغلہ۔ مطالعہ کتب

عالی مرتبت! صدر محفل اور محترم حاضرین! مجھے آج جس موضوع کو الفاظ کے گلدستے میں سجاتا ہے وہ ہے۔

بہترین مشغلہ۔ مطالعہ کتب

صدر ذی وقار! ہر انسان اپنے فارغ وقت کو گزارنے کیلئے کوئی نہ کوئی مشغلہ اپناتا ہے۔ کوئی سیر و مشاہدہ کا عادی ہے تو کوئی ٹکٹیں اور سکے جمع کرتا ہے۔ کوئی کھیلوں کی دنیا میں گم ہو جاتا ہے تو کوئی گوشہ نشینی کو اپنا لیتا ہے۔ لیکن میرے نزدیک بہترین مشغلہ مطالعہ کتب ہے۔ یہی مطالعہ کتب ہے جس میں ڈوب کر میں زندگی کے حقائق چنتا ہوں۔

جناب والا! مطالعۂ کتب کی بدولت ہمیں زمانے بھر سے آگاہی ہوتی ہے۔ ماضی ہو یا حال یا مستقبل، یہ تمام زمانے میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتے ہیں۔ یہی مطالعہ کتب ہے جو ہمیں سکھاتا ہے کہ قوم کیا چیز ہے اور قوموں کی امامت کیا ہے۔ اس مطالعہ کی بدولت مجھ پر یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ

فطرت حق کا حسیں دلکش نظارا ہے کتاب
خلوتوں میں سب سے بڑھ کر اک سہارا ہے کتاب
جب کتابوں کو پڑھا تو مجھ پہ یہ ظاہر ہوا
زندگی اک بحر ہے جس کا کنارا ہے کتاب

حاضرین کرام! مطالعہ کتب ہمیں اس دور میں لے جاتا ہے' جب پیارے محمد ﷺ نے اسلام کا اعلان فرمایا تھا' اور پھر تصور میں اسلام کے پرچم کو ہر براعظم میں لہراتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ اس کی بدولت مجھ پر قدرت کے راز آشکارا ہوتے ہیں' علم سے آشنائی ہوتی ہے۔ تعلیم کا اجالا دلوں کو روشن کرتا ہے۔

جناب صدر! یہ حقیقت ہے کہ کتاب انسان کی بہترین ساتھی ہے' تنہائی کی رفیق ہے' لیکن ضروری ہے کہ مطالعہ کیلئے بہترین کتب کا انتخاب کیا جائے۔ سب سے اعلیٰ اور عظیم کتاب قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید زندگی کی روشنی اور محشر کا سہارا ہے۔ یہ ظلمتوں کو کافور کرتا اور دلوں کو ایمان وحکمت سے معمور کرتا ہے۔

حاضرین کرام! قرآن مجید کے بعد سیرت النبی ﷺ کی کتابوں نے مجھے روشنی بخشی۔ مجھے حضور ﷺ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ میرے آقا کا کردار دین ودنیا میں کامیابی کی ضمانت ہے۔ حق تو یہ ہے کہ

بخشا سکوں حضورؐ کے فیضان عام نے
دیکھا سحر کا نور زمانے کی شام نے

مطالعۂ کتب نے مجھے دوقومی نظریہ اور پاکستان کی عظمت سے آگاہ کیا اور مجھے معلوم ہوا کہ میرا وطن تو جنت ہے' یہ رب کریم کا بہت بڑا انعام ہے' ہمارے لئے امن وراحت کا سائبان ہے۔ دوقومی نظریہ اس کی بنیاد ہے' جسے مضبوط بنا کر ہم اپنے وطن کو عالم اسلام کی قوت بنا سکتے ہیں۔

والا قدر! مطالعہ کتب کا مشغلہ مجھے زمانے بھر سے باخبر رکھتا ہے۔ کل کیا تھا اور آج کیا ہو رہا ہے؟ اس کی بدولت ذہنی صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں۔ دماغ کو توانائی ملتی ہے اور راہ حق سے بھٹکنے والے کو منزل حق کا نشان مل جاتا ہے۔ دوسرے مشاغل وقتی ہیں' ان کی اہمیت ہنگامی ہے' لیکن مطالعۂ کتب کا مشغلہ زندگی

کی انتہاء تک راہنمائی کرتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ

ان کتابوں کا زمانے بھر میں یہ فیضان ہے
زندگی کی جو بھی مشکل تھی' وہ اب آسان ہے

صدرِ محترم! سائنس ہو یا ادب' شاعری ہو یا نثر' دین ہو یا دنیا' سیاست ہو یا ثقافت' ایجادات ہوں یا مشاہدات' یہ تمام انوار مجھے مطالعۂ کتب سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے انسان کبھی اکیلا نہیں رہتا' بلکہ کتابوں کے مطالعہ کی بدولت ہر لمحہ زندگی کا شعور حاصل کرتا ہے۔

جنابِ والا! میں اس حقیقت کے اعلان کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں کہ بہترین مشغلہ مطالعۂ کتب ہے۔

یوم آزادی

جناب صدر! محترم سامعین! مجھے آج کے معزز ایوان میں جس موضوع کو الفاظ کا خراج پیش کرنا ہے وہ ہے۔

''یوم آزادی''

قوموں کی زندگی میں بعض دن اس قدر اہمیت کے حامل ہوتے ہیں کہ ان کا تذکرہ دلوں کو ایمانی جوش و خروش سے بھرپور کر دیتا ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں چودہ اگست کا دن ایسی ہی اہمیت کا حامل ہے۔ چودہ اگست محض ایک دن نہیں ہے بلکہ تحریک پاکستان کے مجاہدین کے بے مثال جذبۂ قربانی کا پیغام بھی ہے۔ اس دن کی تاریخی عظمت کے پیش نظر آج وطن عزیز کے ہر شہر اور قصبے میں خوشی و مسرت کا جشن منایا جا رہا ہے۔ اس حسین موقعہ پر آپ سب کو جشن آزادی کی مبارک باد پیش کرتے ہوئے میں غیر معمولی خوشی محسوس کر رہا ہوں۔

؎ مبارک ہو تمہیں یہ جشن آزادی مبارک ہو
خوشی سے ہوگئی ہر دل کی آبادی مبارک ہو

حاضرین کرام! یوم آزادی کا لفظ زبان سے ادا ہوتے ہی تحریک پاکستان کے ولولہ انگیز دور کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، خوشیوں کے گلاب مہکنے لگتے ہیں، یادوں کا قافلہ سفر کرنے لگتا ہے، اور پھر وہ زمانہ تصور میں ابھرنے لگتا ہے جب برصغیر کے مسلمان اپنے عزم و حوصلہ سے اپنے مستقبل کی عمارت تعمیر کر رہے تھے۔ وہ دور

مسلمانوں کیلئے بے پناہ کٹھن اور مشکل تھا۔ ایک طرف انگریز تھا جو یہاں ہزاروں برس حکومت کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا اور دوسری طرف ہندو تھا جو مسلمانوں سے اپنی سینکڑوں برس کی غلامی کا بدلہ چکانے کی سوچ رہا تھا۔ ان کے علاوہ ایسے کم اندیش مسلمان بھی تھے جو نظریہ اسلام سے منہ موڑ کر ہندو سے تعاون کر رہے تھے۔ غرضیکہ چاروں طرف مسلم دشمنی کی تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں۔ اس نازک دور میں قائداعظم محمد علی جناح آزادی کے سورج کی علامت بن کر ابھرے۔ آزادی کا وہ سورج جس نے دیکھتے ہی دیکھتے غلامی کی تاریکیوں کا طلسم توڑ دیا اور آزادی کی روشنی سے ماحول جگمگانے لگا۔ قائداعظم کی قیادت بلاشبہ قدرت کا بہت بڑا انعام تھی۔ وہ قائد جس نے باطل کے سامنے جھکنا نہیں بلکہ جھکانا سیکھا تھا۔ وہ قائد جس کے لوہے نے ہر لوہے کو کاٹا اور جس کا کردار صحیح معنوں میں مردمومن کا کردار تھا۔ اقبال کا مردمومن

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
کردار میں گفتار میں اللہ کی برہان

قائداعظم نے ملت اسلامیہ کی یوں ناخدائی کی کہ قوم نے صدیوں کا فاصلہ برسوں میں طے کرلیا اور پھر چودہ اگست ۱۹۴۷ء کو چشم فلک نے یہ ایمان افروز منظر دیکھا کہ انگریزوں کا اقتدار حرف غلط کی طرح مٹ چکا تھا اور ہندو سامراج مسلم دشمنی میں ناکام ہو کر اپنے زخم چاٹ رہا تھا۔ ہمارا محبوب قائد اپنے تمام حریفوں کو شکست فاش دے چکا تھا اور دنیا پاکستان کے وجود کو سلام عقیدت پیش کر رہی تھی۔

معزز سامعین! تحریک پاکستان کی اصل قوت دو قومی نظریہ اسلام تھی جس نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا تھا اور فضائیں ''پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ'' کے پرجوش نعروں سے گونج رہی تھیں۔ یہ کہنا بے جا نہ

ہوگا کہ یہی نظریۂ اسلام پاکستان کی حقیقی بنیاد ہے۔ اسلئے اگر ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان ہر لحاظ سے سربلند اور خوشحال ہو تو ہمیں اسکی نظریاتی بنیادوں کو مضبوط بنانا ہوگا۔ اسلام اس ملک کا مقدر بھی ہے اور اسکے تابندہ مستقبل کی ضمانت بھی ہے۔

؎ اک ابرِ نو بہار فضاؤں پہ چھا گیا
اسلام اس چمن کی رگوں میں سما گیا

حاضرین کرام! چاہیے تو یہ تھا کہ پاکستان کو شوکت اسلام کا گہوارا بنایا جاتا مگر قائداعظم کی وفات کے بعد ہر حکمران نے اسلام کو اپنے مقصد کیلئے تو استعمال کیا مگر اسلام کے عملی نفاذ کی جانب ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا۔ موجودہ حکومت اس لحاظ سے مبارک باد کی مستحق ہے کہ اس نے نظام اسلام کے نفاذ کیلئے عملی جدوجہد کا آغاز کر دیا ہے۔ آج چاروں طرف اسلامی نظام کی برکات کے چرچے ہو رہے ہیں اور ہر محبِ وطن کی یہ آرزو ہے کہ پاکستان اسلامی قوت و شوکت کا قلعہ بن جائے۔ ایسا مضبوط قلعہ کے جو دنیا بھر کے مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز ہو اور جسے ایک نظر دیکھ کر مسلمانوں کی شوکت رفتہ کے واپس لوٹ آنے کا یقین آ جائے۔

پاکستان ہمارے لئے خدا کے احسان عظیم سے کم نہیں۔ یہ ہمارے عظیم قائد کی نشانی ہے۔ یہ وہی مقدس سرزمین ہے کہ جسے حاصل کرنے کیلئے لاکھوں شہداء نے اپنا خون اس پر نچھاور کیا ہے۔ جس کی عظمت و آبرو کیلئے بے شمار خواتین اسلام نے اپنی عصمتوں کی قربانی دی ہے۔ ان شہیدوں کا لہو ہمیں یہ پیغام دے رہا ہے کہ اگر ہمارے احسان کا بدلہ چکانا چاہتے ہو تو پھر اس پاکستان کو مستحکم بنانا ہوگا جس کیلئے ہم نے اپنے لہو کا نذرانہ پیش کیا تھا۔

محترم حاضرین! آج کے دن قومی پرچم کی سربلندی کو گواہ بنا کر ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہمارا ہر اعزاز پاکستان کے طفیل ہے۔ ہم طالب علم ہیں یا استاذ مزدور

ہیں یا صنعت کار' افسر ہیں یا ماتحت' شہری ہیں یا دیہاتی' ہماری شان اور آن بان فقط پاکستان کے دم قدم سے قائم ہے۔ اگر ہمارا ملک سلامت ہے تو پھر سب کچھ محفوظ ہے' اور اگر ہمارا ملک خطرات کی زد میں ہے تو پھر ہم بھی محفوظ نہیں ہیں۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ آزادی کا عطیہ ہے' اس لئے ہم نے ہر قیمت پر اپنے مقدس وطن کی آزادی کو برقرار رکھنا ہے اور اسے اقوام عالم میں انتہائی بلند و بالا مقام بخش کر اس کے وجود کو ترقی و خوشحالی کی ضمانت بنانا ہے۔

آج کے باوقار اور ایمان افروز اجتماع میں میں آپ کو یوم آزادی کی مبارک باد پیش کرتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہم سب قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات کو دلوں میں جگہ دیں گے اور نظریہ پاکستان کی حرمت پر سب کچھ قربان کر دینے کا عزم کر کے ملک و ملت کی خدمت کیلئے کوشاں رہیں گے۔ ایک محب وطن شہری اور اس شہر کے خادم کی حیثیت سے میں آپ سے اس عزم کے ساتھ اجازت چاہوں گا کہ

؎ خون دل دے کہ نکھاریں گے رخ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

صلۂ شہید کیا ہے تب وتاب جاودانہ

صدر ذی وقار اور محترم حاضرین! مجھے آج کے معزز ایوان میں شاعر مشرق علامہ محمد اقبال کے اس ایمان آفریں شعر پر اظہار خیال کرنا ہے۔

ے مرے خاکداں سے تو نے کیا ہے جہان پیدا
صلۂ شہید کیا ہے تب و تاب جاودانہ

والا قدر! شہید کیا ہے؟ عظمت ایمان کی گواہی ہے' جادۂ ایمان کا راہی ہے' ملت اسلامیہ کی بقاء کیلئے سر کٹا دینے والا غیور سپاہی ہے۔ یہ وہ مجاہد ہے جو خاک و خون میں لوٹ کر کلمۂ توحید کی گواہی دیتا ہے۔ یہ وہ محسن قوم ہے کہ لہو کی دھاروں پہ رقص کرتا ہے۔ معرکۂ حق و باطل میں اس جذبۂ رندانہ کے ساتھ قدم آگے قدم بڑھاتا ہے کہ فتح اسلام تک اس کے قدم واپس نہیں لوٹیں گے۔ اور پھر جب یہی فرزند اسلام' غیرت ایمان کے نام پر کارزار جنگ میں اپنی زندگی کا نذرانہ لٹا دیتا ہے تو آسمان کی رفعتیں اس کا طواف کرتی ہیں۔ حوران جنت اس کی پیشانی کو بوسہ دیتی ہیں اور رحمت خداوندی اسے اپنے نورانی حصار میں لے لیتی ہے۔ قرآن حکیم اسے حیات دوام کی خلعت نور پہنا دیتا ہے کہ

وَلَا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات ○ بل احیاء ولکم لا تشعرون ○

ے یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

حاضرین محترم! خدا کی راہ میں جان دینے والا کسی دنیاوی صلے کا تمنائی نہیں ہوتا' وہ مال غنیمت کیلئے نہیں لڑتا' کشور کشائی اس کا مقصد نہیں ہے' وہ تو اسرار الٰہی کا امین ہوتا ہے۔ میدان جنگ میں کفر کے سامنے سینہ تان کر آگے بڑھتے ہیں ہوئے اس کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے' زندہ رہے تو غازی اور اگر راہ حق میں کام آگئے تو شہید۔ وہ کمزوری' بزدلی اور شکست کے نام سے نا آشنا ہوتا ہے۔ ایمان اس کا اسلحہ اور جذبۂ شہادت اس کی منزل ہوتا ہے۔ وہ تو پہلے ہی قدم پر سمجھتا ہے کہ اس نے اپنی جان رضائے الٰہی کی نذر کر دی ہے۔ خدائے کریم کا کلام کیا حسین گواہی دے رہا ہے۔

ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ

''خدائے کریم نے مومنوں کی جانوں اور اموال کے بدلے میں جنت کا سودا کر لیا ہے''۔

والا قدر! اسی حقیقت ازلی کو تسلیم کرتے ہوئے علامہ اقبال نے شہادت کی آرزو رکھنے والے مرد مومن سے کہا تھا۔

خدا کے نام پر مرنا شہادت اس کو کہتے ہیں
رہ ایمان میں بڑھنا صداقت اس کو کہتے ہیں
جو وقت جنگ آ جائے تو شیر عتاب کی صورت
عدو سے جا کے ٹکراتا قیادت اس کو کہتے ہیں

جناب والا! صلۂ شہید بلاشبہ وہ تب و تاب جاودانہ ہے جس کیلئے وہ جان دیتا ہے۔ قرآن حکیم کے نورانی متن میں جھانک کر دیکھئے۔ احادیث مصطفیٰ ﷺ کے قلزم نور میں غواصی کر کے دیکھئے۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کیجئے۔ ہر جگہ اور ہر مقام پر شہدائے اسلام کی تب و تاب جاودانہ جلوہ گر نظر آئے گی۔ غزوۂ بدر ہو یا احد

اور خندق کے معرکے۔ غزوۂ حنین کی معرکہ آرائی ہو یا غزوہ تبوک کی یلغار ایمانی' جنگ یرموک وقادسیہ ہو یا یورپ اور افریقہ کے میدانوں میں غازیان اسلام کی ہمت مردانہ کے مظاہرے۔ غرضیکہ معرکۂ کربلا سے لے کر پاک بھارت جنگوں تک یہی حقیقت اپنا وجود منواتی نظر آتی ہے۔

شہیدوں کا لہو وہ نور ہے جس کی تجلی سے
یقیں افراد کے' قوموں کے مستقبل' سنورتے ہیں
اسی کی تابشوں سے آسمان فکر و دانش پر
نئی صبحیں نکھرتی ہیں' نئے سورج ابھرتے ہیں

جناب والا! شہید راہ شہادت میں جان دینے کی آرزو لے کر آگے بڑھتا ہے۔ وہ رضائے الٰہی کا نقیب ہوتا ہے' وہ تو حبیب خدا کا حبیب ہوتا ہے۔ تب و تاب جاودانہ کی حقیقت پوچھنی ہے تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھئے۔ شیر اسلام سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے پوچھئے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھئے۔ تب و تاب جاودانہ کی جھلک دیکھنی ہے تو میدان کربلا میں نماز عشق ادا کرنے والے سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کے رخ منور کا تصور کیجئے۔ عصر حاضر میں آیئے اور غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والہانہ پن کا تصور کیجئے۔ میجر طفیل' عزیز بھٹی' راشد منہاس اور دوسرے لاتعداد شہدائے اسلام کا تصور کیجئے کہ جن کے چہرے موت کے بعد بھی گل و لالہ کی طرح تر و تازہ تھے اور ان کے لہو کا ایک ایک قطرہ اسلام کی ابدی حاکمیت کا پیغام دے رہا تھا۔

جناب صدر! شہادت وہ نعمت عظمٰی ہے کہ آقائے دو عالم حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی آرزو کیا کرتے تھے۔ غازیان اسلام تو شہادت میں سبقت لے جانے کیلئے بے قرار رہا کرتے تھے۔ تاریخ اسلام کے عظیم ترین جرنیل حضرت

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک سو سے زائد جنگیں لڑیں۔ ان کا نام فتح اسلام کی علامت بن چکا تھا۔ ان کے جسم کا شاید ہی کوئی ایسا عضو ہو جہاں تیروں اور تلواروں کے کئی کئی زخم نہ لگے ہوں مگر خالد رضی اللہ عنہ سیف اللہ کا وقت وصال آتا ہے تو صحابہ کے سامنے یہ کہتے ہوئے رو پڑتے ہیں کہ میں شہادت کی آرزو میں ہمیشہ کفار کے ہجوم میں گھس جایا کرتا تھا۔ ہزاروں دشمنان اسلام کے سینے میں اتر جاتا تھا کہ مجھے شہادت کی موت ملے مگر موت مجھ سے دور بھاگتی رہی۔ میں شہادت کا تمنائی تھا مگر آج بستر مرگ پر جان دے رہا ہوں۔

شہادت عظمت ایمان کی زندہ کہانی ہے
شہادت ذوقِ روحانی' حیات جاودانی ہے
شہادت نام ہے اپنے لہو میں ڈوب جانے کا
شہادت سر بسر حکم خدا کی ترجمانی ہے

والا مرتبت! شہید کو اس قدر بلند رتبہ کیوں عطا ہوا؟ اس لئے کہ یہ اپنے لئے نہیں بلکہ شوکت اسلام کیلئے جیتا ہے۔ اس لئے کہ یہ اپنی انا کیلئے نہیں بلکہ عظمت ایمان کیلئے مرتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا ہر عمل رضائے الٰہی کی گواہی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ خون میں لوٹ کر گلزار ایمان کو تازگی عطا کرتا ہے۔ اس لئے کہ یہ راہ حق میں قربان ہو کر زندگی کا حق ادا کرتا ہے۔ اس لئے کہ یہ عروس وطن کو اپنے لہو کی صورت میں رنگ حنا دیتا ہے۔ اس لئے کہ یہ اپنے لہو کے مقدس قطروں سے غلبۂ حق کی شمعیں جلا دیتا ہے۔ اور اس لئے کہ یہ ہر دور میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ و حیدر رضی اللہ عنہ کی داستانیں دہرا دیتا ہے۔

صدر ذی وقار! کفر و اسلام کے معرکے کب بپا نہیں ہوئے۔ معرکہ بدر سے معرکہ چونڈہ تک ہمیشہ کفر و اسلام میں پنجہ آزمائی رہی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ باطل

کی افواج تعداد میں ہمیشہ زیادہ ہوتی ہیں۔ جنگی اسلحہ اور مادی و حربی وسائل ہمیشہ لامحدود رہے ہیں' مگر کفر کثرت میں ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں کی مختصر سی جمعیت سے خائف رہا ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ کافر کو زندگی اور مجاہد کو موت سے پیار ہوتا ہے۔ مجاہد کی یہی موت جب شہادت کا روپ دھارتی ہے تو باطل کی افواج کی کثرت کو گھاس کے تنکوں کی طرح بکھیر دیتی ہے۔ ان کی جنگی چالوں کو انہی پر الٹا کر فتوحات اسلام کا نیا باب رقم کرتی ہے۔

محترم حاضرین! آج پھر باطل ہمیں للکار رہا ہے۔ کشمیر کی وادیاں لہو رنگ ہیں۔ بابری مسجد ہم پر نوحہ کناں ہے۔ ارض فلسطین پھر کسی صلاح الدین ایوبی کے قدموں کی چاپ کی منتظر ہے۔ ہمارا ضمیر زندہ ہے۔ ہماری رگوں میں کلمۂ طیبہ کا نور رقصاں ہے۔ ان شاء اللہ جب بھی کٹھن گھڑی آئی' ہم ملت پاکستان اور دنیائے اسلام کو مایوس نہیں کریں گے۔ میں غازیان اسلام کے نام اس پیغام کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں کہ

اللہ ان کو صاحب سیف و سناں کرے
جسموں میں روح خالد و طارق رواں کرے
دے کر شعور زیست ارادے جواں کرے
جو جم چکا ہے خون رگوں میں رواں کرے
تم کو رہ رسول پر چلنا نصیب ہو
کب سے گرے پڑے ہو سنبھلنا نصیب ہو

American War Under Table

صدر گرامی قدر اور محترم حاضرین! مجھے آج جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے:

American War Under Table

جناب والا! آج چاروں طرف ایک ہی سوال ذہنوں اور لبوں پر ابھر رہا ہے کہ امریکہ کیا کر رہا ہے اور مزید کیا کرنے والا ہے۔ امریکہ نے اپنی وحشت و بربریت' اور عبرت انگیز ظلم وستم کے ذریعہ خود کو عالمی توجہ کا مرکز بنالیا ہے۔ افغانستان کی سرزمین اب تک امریکہ کے بارود اور آہن سے سلگ رہی ہے۔ ہزاروں انسانوں کی بے جان لاشیں حرف سوال بنی ہوئی ہیں۔

جناب صدر! افغانستان کو نگل کر یہ عفریت عراق پر جھپٹا نہ تو اس نے اخلاقی اصولوں کو دیکھا' نہ ہی اجتماعی ضمیر کی آواز پر توجہ کی۔ اقوام متحدہ کو پائے استحقار سے ٹھوکر ماری' اور عراق پر چڑھ دوڑا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہنستے بستے شہر ویرانوں میں تبدیل ہو گئے' مسکراتے ہوئے چہرے لاشوں میں تبدیل ہو کر حرف سوال بن گئے اور امریکہ نے عراق کے تیل پر پنجے گاڑ دیئے۔

لٹ گئی ہے یک بہ یک یہ سرزمیں بغداد کی
سرزمین پاک وارث ہے عظیم اجداد کی
ہر طرف بکھرے ہیں لاشے' خون کے دریا بہے
ہر طرف سے ایک ہی اٹھی صدا فریاد کی

صدرِ ذی وقار! امریکہ کے عزائم نے بتلا دیا ہے کہ یہ تباہی و بربادی کا عفریت ہے۔ اس عفریت کو مظلوم اقوام' خاص طور پر مسلمانوں کے خون کی چاٹ لگ گئی ہے۔ یہ خود ہی مدعی ہے اور خود ہی منصف ہے۔ اب یہ نئے شکار کی تلاش میں ہے کبھی ایران' کبھی شام اور کبھی پاکستان کے نام اس کے لبوں سے پھسل رہے ہیں۔ فلسطین تو پہلے ہی ویرانہ بن چکا ہے۔ یہ ہر اس مسلمان ملک کو پامال کر دینا چاہتا ہے جو ایٹمی اور جوہری حوالے سے آگے بڑھنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ امریکہ عصر حاضر کا مست ہاتھی ہے جو انسانیت کے گلستانوں کو روند رہا ہے۔ اور انسانی ضمیر نوحہ کناں ہے کہ کس اقوام متحدہ سے فریاد کرے؟ وہ تو پہلے ہی اس کی ٹھوکریں کھا کر سنبھل نہیں پائی۔ فطرت سوال کرتی ہے۔

؎ میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں
تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

جناب والا! امریکہ اسرائیلی ایجنڈے پر عمل کر رہا ہے' کیونکہ امریکہ کے اصل حکمران یہودی سیاستدان ہیں۔ ان کا منصوبہ ہے۔ عظیم تر اسرائیل کا قیام۔ وہ اسرائیل جس کی سرحدیں بیت المقدس سے لیکر ارض مدینہ طیبہ تک وسیع ہوں۔ خدا نہ کرے کہ ہم ایسا روز بد بھی دیکھیں مگر وقت کا ہلاکو خاں کبھی تو صلیبی جنگوں کی بات کرتا ہے اور کبھی دہشت گردی کے نام پر جہاد کے انمٹ اور لافانی جذبے کو پامال کرنے کا اعلان کرتا ہے۔

لیکن جناب صدر! طاقت کے نشے میں وہ بھول گیا ہے کہ وہ تاریخ عالم کا اکلوتا آمر نہیں ہے۔ کبھی قیصر و کسریٰ بھی ابھرے تھے۔ کبھی چنگیز اور ہلاکو نے بھی انسانی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کیے تھے۔ کبھی ہٹلر نے بھی خدائی کا نعرہ لگایا تھا۔ لیکن بالآخر ہر آمر ذلت سے دوچار ہو کر عبرت کا نشانہ بن گیا۔ جہاد کا جذبہ لافانی ہے۔

یہ وہ طاقت ہے جو ذرے کو آفتاب اور قطرے کو سمندر کی وسعت عطا کرتی ہے۔

صدر محترم! امریکہ سمجھتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے خون کے دریا بہا کر اسلام کا خاتمہ کر لے گا۔ یہ اس کی خام خیالی ہے۔ اس سے پہلے بھی کئی فرعونوں نے یہی دعویٰ کیا تھا مگر تاریخ شاہد ہے کہ

؎ اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

جناب والا! دشمن ہماری کمزوریوں کو دیکھ کر ہی حملہ کرتا ہے۔ مسلم امہ کی تعداد ایک ارب پچیس کروڑ سے زائد ہے۔ تمام قدرتی وسائل ہمارے قبضے میں ہیں۔ پچاس کے قریب مسلمان ممالک آزاد ہیں مگر کمی ہے تو صرف اتحاد کی۔ اگر آج نیل سے لے کر تا بخاک کاشغر بسنے والے مسلمان ایک ہو جائیں تو ہر فرعون کو ہم پر حملہ آور ہونے سے پہلے ہزاروں مرتبہ اپنا جائزہ لینا ہوگا۔

والا قدر! بظاہر عراق یہ جنگ ہار گیا مگر اس شکست نے عالمی ضمیر زندہ کر دیا ہے۔ مسلمان ملکوں کے علاوہ برطانیہ' سپین' فرانس' آسٹریلیا اور خود امریکہ کے اندر ملین مارچ انسانی ضمیر کی بیداری کا پیغام ہیں۔ پینٹا گون اور وائٹ ہاؤس کی ناک کے نیچے بسنے والے اپنے حکمرانوں کا ماتم کر رہے ہیں۔ امریکہ رُکے گا نہیں' اور یاد رکھئے کوئی بھی ہلاکو یا چنگیز رکتا نہیں ہے' بلکہ روکا جاتا ہے۔

والا قدر! امریکہ عظیم تر اسرائیل کے تصور کا غلام ہے۔ مسلمانوں کے تیل کو قبضہ میں لینا چاہتا ہے۔ ہمارے وسائل کو چھیننا چاہتا ہے۔ صلیبی جنگوں میں یہودی اور عیسائی اقوام کی پرانی شکست کا بدلہ چکانا چاہتا ہے مگر اس طوفان کو روکنا ہوگا۔ آج ضرورت ہے پھر کسی صلاح الدین ایوبی کی جو ہر باطل قوت کے غرور کو خاک میں ملا دے۔ آج ضرورت ہے مسلمان اقوام کے مضبوط ترین اتحاد کی۔ آج

ضرورت ہے قربانی وایثار کی۔

اور جناب صدر! سب سے بڑھ کر آج ضرورت ہے ہر قیمت پر جوہری توانائی اور ایٹمی ٹیکنالوجی کی۔ آج ضرورت ہے دشمن پر دشمن کے پسندیدہ اسلحہ سے حملہ کرنے کی اور یہ سب کچھ اسی صورت ممکن ہے کہ ہم ہر قیمت پر مقابلہ کرنے اور باوقار انداز سے زندہ رہنے کا ارادہ کرلیں۔ شاعر مشرق ہمیں ہماری قوت سے آگاہ کررہے ہیں۔

بے خبر تو جوہر آئینۂ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

ہم تو شرمندہ ہیں اس دور کے انساں ہو کر

صدر والا مرتبت اور حاضرین والا قدر! مجھے آج جس عنوان پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے۔

ہم تو شرمندہ ہیں اس دور کے انساں ہو کر

جناب والا! آج کا عنوان محض ایک تقریر کا موضوع نہیں یا الفاظ کی ساحری کا ایک بہانہ نہیں' بلکہ یہ ایسی تلخ حقیقت ہے جس نے زمانے بھر کو دکھوں اور رنج و آلام کی صلیب کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ بے روزگاری' بے حالی' پریشانیوں کے آتش فشاں' مصائب سے بھرپور عہد حال' زوال انسانیت کا نوحہ پڑھتا ہوا مستقبل' ایسے دور پرآشوب میں ہر صاحب نظر چیخ اٹھتا ہے۔ یہ چیخ کبھی سینے میں گھٹتی اور آلام روزگار کے بوجھ تلے چھپتی ہے۔ بالآخر ہمالہ سے بلند ہو کر اپنا اعلان کرتی نظر آتی ہے۔

لب پہ پابندی تو ہے' احساس پہ پہرا تو ہے
پھر بھی اہل دل کو احوال بشر کہنا تو ہے
جھوٹ کیوں بولیں فروغ مصلحت کے نام پر
زندگی پیاری سہی لیکن ہمیں مرنا تو ہے

ذی وقار! ادوار اور زمانے اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ کچھ ادوار اتنے خوش بخت ہوتے ہیں کہ چاندنی بوئیں تو ستارے اُگتے ہیں۔ مٹی کو چھولو تو سونے کا

روپ دھار لیتی ہے' مگر آج کے انسان کو جو دور نصیب ہوا ہے وہ فقط زندگی بے بندگی شرمندگی سے عبارت ہے۔ سکول' کالج اور یونیورسٹیاں تو ہیں مگر روزگار نہیں۔ مسجدیں اور عبادت گاہیں تو ہیں مگر جبینیں سجدوں کے تقدس سے محروم ہیں۔ جس رسول اعظم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اے کعبہ تو مجھے بہت پیارا ہے مگر ایک انسان کا لہو تجھ سے بھی زیادہ پیارا ہے۔ اسی رسول اعظم کے امتی بجائے اس کے کہ امن و سلامتی کی خیرات تقسیم کرتے وہ اغیار کے آلہ کار بن کر خودکش حملوں سے زندہ شہروں کو لاشوں کے ڈھیر بنا رہے ہیں۔ سچائی اور صداقت نے مصلحت اور ریاکاری کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ بے حیائی کا وہ سیلاب جو کبھی یورپ کی گلیوں تک محدود تھا' اب ہمارے دروازہ پر دستک دے رہا ہے۔ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے:

جس میں کچھ انسان کی توقیر کے احکام تھے
وہ شریعت معبدوں کے زیر سایہ سو گئی
آ گئیں بازار میں بکنے خدا کی عظمتیں
جی اٹھی ہیں خواہشیں اور مر گیا ہے آدمی

محترم حاضرین! المیہ تو یہ ہے کہ اس دور ذلت وخواری کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے نام پر اعلیٰ ترین دور کہنے والے اندھے دانشور بھی مل جاتے ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی اپنی جگہ مگر اصل دکھ تو یہ ہے کہ انسانیت اپنے مرکز ومحور سے بھٹک چکی ہے۔ طاغوتی طاقتوں نے مسلم قوتوں کی شان رفتہ کا بھرم پامال کر دیا ہے۔ فلسطین' عراق' لبنان' افغانستان کے بعد ایران اور پاکستان پر سرخ دائرے بنا دیئے گئے۔ مگر افسوس ہم پھر بھی ایک نہیں ہوتے۔

جناب والا! قیامت برپا ہو گئی کہ مغرب والوں نے شان رسالت ﷺ پر ہاتھ ڈال دیا۔ آقائے عالی مرتبت ﷺ کے خاکے بنا کر نمائشیں کی جا رہی

ہیں۔قرآن پر منفی فلم بن چکی ہے۔سر عام اسلام کو رسوا کیا جا رہا ہے۔ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو قدموں تلے روند دیا گیا ہے مگر ہم پھر بھی ایک نہیں ہوتے۔صورِ اسرافیل بج چکا اور ہم عزرائیل کا انتہائی کرب اور بے بسی کے حالت میں انتظار کر رہے ہیں۔

اِک حشر سا برپا ہے ہر سمت قیامت ہے
اب جینے سے موت اچھی جینا بھی تو ذلت ہے

والا قدر! میں عالم بے بسی میں خالق کونین سے ایک بندۂ ناچیز کی صورت سوال کرتا ہوں۔اے ہمیں پیدا کرنے والے کیا ہمارے مقدر میں یہی دور ذلت و خواری تھا۔ایسا اندھیرا ہے کہ ہم روشنی کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔دیکھتے ہی دیکھتے کھانے کی چیزیں انسان سے روٹھ گئیں۔امراض نے ہمیں موت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔علم کا بڑا شہرہ ہے مگر دل بے سرور ہیں چاروں طرف بجلی کی روشنی ہے مگر آنکھیں بے نور ہیں اور اب تو بجلی بھی خواب بن گئی۔ظاہر اور باطن دونوں اندھیرے میں ڈوب گئے۔شیطان مسکرا رہا ہے مگر انسانیت فریاد کناں ہے۔شرافت کو کمزوری عزت کو مجبوری اور غیرت کو خاموشی کا نام دے دیا گیا۔

اے علم وحکمت کی ڈگریاں ٹنوں کے حساب سے تقسیم کرنے والو! خدارا میرے دور کی عظمت لوٹا دو۔علامہ اقبال تو مدتوں پہلے کہہ گئے تھے۔

یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دُنیا ہے تیری منتظر روزِ مکافات

اے خالق ارض و سما! ہم تیرے بھکاری ہیں۔ہمیں اس عہد ناپرساں کی

بے بسی بے حسی اور ذلت و خواری کے ظلمت کدے سے نکال دے۔ ہمیں وہی اجالے پھر بخش دے جن سے زندگی کی خوشیاں اور خوشحالیاں لوٹ آئیں۔ پیٹ کو بھوک اور زندگی کو شرمندگی سے نجات دے دے۔ ورنہ جب مجبوری اور ذلت و خواری ہی مقدر بن جائے۔ جب رزق ملازمت' کاروبار اور باوقار زندگی کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں تو حالات کی بے بسی کی کوکھ سے انقلاب جنم لیتا ہے۔ میں اس فکر انگیز پیغام کے ساتھ آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔

آؤ کہ کوئی خواب بنیں کل کے واسطے
ورنہ یہ رات آج کے سنگین دور کی
ڈس لے گی جان و دل کو کچھ ایسے کہ جان و دل
تا عمر پھر نہ کوئی حسیں خواب بن سکیں

پاکستان کا نظام تعلیم اور اس کا معیار

صدر گرامی قدر اور محترم حاضرین! مجھے آج جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے۔

پاکستان کا نظامِ تعلیم اور اس کا معیار

جناب والا! کسی بھی ملک اور قوم کا نظام تعلیم اسکی نظریاتی امنگوں کا ترجمان ہوتا ہے۔ اسی نظام تعلیم سے قوم کی سرفرازی اور ملی حمیت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ مگر ہمارا نظام تعلیم اپنا نہیں بلکہ اغیار کی عطا معلوم ہوتا ہے۔ انگریز تو ایک صدی تک ہم پر اپنی غلامی کی مہر ثبت کر کے چلا گیا مگر اس کے لارڈ میکالے کی بخشی ہوئی تعلیمی فکر ہمارے ذہنوں کو آج تک اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے۔ پاکستان کے قیام کو ساٹھ برس ہو گئے مگر ہم تعلیمی نظام کے حوالے سے آج بھی وہاں کھڑے ہیں جہاں لارڈ میکالے اور اس کے فکری جانشین ہمیں کھڑا کر گئے تھے۔ ایسے عالم میں پاکستان کی نظریاتی اساس کیلئے جان دینے والوں کا لہو ہم سے سوال کرتا ہے۔

لہو برسا بہے آنسو لٹے رہرو کٹے رشتے
ابھی تک نامکمل ہے مگر عنوانِ آزادی

جناب صدر! میں تعلیمی نظام کے معیار پہ کیا اظہار خیال کروں۔ جب نظام تعلیم ہی ہمارا اپنا نہ ہو تو معیار کیسا؟ انگریز نے تعلیم و تدریس کا ایک ایسا خاکہ تیار کیا جسکے تحت یہاں کے نوجوانوں میں عقابی روح اور قومی جذبہ بیدار نہ ہو سکے۔ آسمان کی نیلگوں وسعتوں پر کمند شوق ڈالنے والے خاک راہ میں رزق تلاش کرنے

لگے۔ ہم نے انگریز کا نظام تعلیم مقدس صحیفہ سمجھ کر سینے سے لگالیا۔ نت نئے تجربات نے ہمارے افکار کی حرارت چھین لی اور ہماری تعلیم کا کوئی بھی درست قبلہ متعین نہ ہوسکا۔ کسی صاحب نظر نے خوب کہا۔

؎ انگریز کی تعلیم نے رکھا نہ کہیں کا
تعلیم کا حکمت کا نہ ہی دنیا کا نہ دیں کا

ذی وقار! میرے وطن میں کوئی ایک نظام تعلیم ہوتو اس پر گفتگو کروں۔ یہاں تو بیک وقت نصف درجن تعلیمی نظام ہمارے فکر ونظر کی روشنی چھین رہے ہیں۔ ایک وہ حکومتی تعلیم ہے جو ٹاٹ سکولوں میں دی جاتی ہے۔ ایک وہ نظام تعلیم ہے جو انگریزی میڈیم سکولوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ ایک نظام تعلیم ہے جو مشنری سکولوں کا مرہون منت ہے۔ پھر وہ نظام تعلیم جو امریکہ اور برطانیہ میں مرتب ہوکر آزاد پاکستان میں پڑھایا جاتا ہے۔ کہیں قرآن پاک اور کہیں بائیبل کی تعلیم دی جاتی ہے۔ کہیں طلبہ تپتی دوپہر اور بارش میں بیٹھے پہاڑے دہرا رہے ہیں اور کہیں فائیوسٹار عمارات میں اپنی مرضی کا نظام تعلیم مسلط کیا جارہا ہے۔

صاحب قدر! میں کس نظام تعلیم اور معیار کی بات کروں؟ یہ تو تعلیم کے نام پر نظام تعلیم کا قتل عام ہے۔ علم کی اس قتل گاہ پر نظریہ پاکستان کے بکھرے ہوئے لہو کو دیکھ کر میرے باطن سے صدا ابھرتی ہے۔

؎ میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں
تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

والا قدر! قیام پاکستان کے بعد قائداعظم نے اسلامیہ کالج پشاور کے طلبہ سے فرمایا: ''ہم آپ کو ایسا نظام تعلیم دیں گے جو آپ کی نظریاتی امنگوں کا ترجمان ہوگا۔ جو اس نوزائیدہ وطن کو بہترین انجینئر' ڈاکٹر' بینکار' بزنس مین اور سیاستدان مہیا کرے گا۔ یہی وہ لوگ ہوں گے جو پاکستان کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں گے''۔

لیکن جناب والا! آج ہم نے قائداعظم محمد علی جناح کے فرمودات سے منہ موڑ لیا ہے۔ ہم نے فراموش کر دیا ہے کہ ہماری وحدت فقط قومی نظام تعلیم کی عظمت سے وابستہ ہے۔ ہمارے نام نہاد اکابر نے اردو سے سوتیلی ماں جیسا سلوک روا رکھا۔ جس کی وجہ سے ہمارا نظام تعلیم مختلف حصوں میں بٹ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج جب ہم تعلیم کی دنیا کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں علم اپنی روح اور مقصدیت سے عاری نظر آتا ہے۔ تعلیم اور نظام تعلیم کا مقصد نوکریوں کا حصول اور محلات کی تعمیر نہیں بلکہ اس کی منزل ''عرفان ذات'' ہے۔

علم از سامان حفظ زندگی است
علم از اسباب تقویم خودی است
علم و فن از پیش خیزان حیات
علم و فن از خانہ زادان حیات

جناب صدر! بدقسمتی سے ہمارا نظام تعلیم وہ بے چارہ مریض ہے جو ساٹھ برسوں سے آپریشن ٹیبل پر لیٹا ہوا ہے اور مختلف ماہرین تعلیم، علمی اسپیشلسٹوں کے لبادے اوڑھ کر اس پر طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ مرض بڑھ رہا ہے۔ مریض نڈھال ہو چکا ہے مگر ہمارے ماہرین تعلیمات کے تجربے جاری ہیں۔ پاکستان کا نظام تعلیم بازیچۂ اطفال بن چکا ہے جس کے بارے میں کوئی بھی حکومت سنجیدگی سے سوچنے کو تیار نہیں۔ آج تعلیم تجارت بن چکی ہے۔ پرائیویٹ سکولوں کا نیٹ ورک ہمارے نظام تعلیم کو نگل چکا ہے اور ہمارے تمام تعلیمی بورڈز اپنے بچوں کو ساٹھ برس سے ٹاٹوں پر بٹھا کر سمجھتے ہیں کہ وہ نظام تعلیم کو فروغ دے رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے ایجوکیشن بورڈز کی مراعات میں حیرت انگیز اضافہ ہو رہا ہے۔ دو عملی، ریاکاری، منافقت اپنے نظام تعلیم کے ساتھ مذاق۔

جناب والا! ۱۹۵۹ء میں جسٹس ایس ایم شریف کی زیر نگرانی ''قومی تعلیمی کمیشن'' قائم ہوا۔ ۱۹۶۴ء میں حمود الرحمٰن کمیشن وجود میں آیا۔ ۱۹۶۹ء میں نور خاں کے کمیشن نے سفارشات مرتب کیں۔ ۱۹۷۲ء میں بھٹو حکومت نے اور ۱۹۸۲ء میں ضیاء حکومت نے خوشخبریاں سنائیں۔ مگر معاملہ جوں کا توں رہا۔ ہمارا نظام تعلیم کاغذی سفارشات میں زندگی کے دن پورے کرتا رہا۔

والا قدر! افسوس تو یہ ہے کہ ہم نے اپنے نظام تعلیم میں دین کو داخل نہیں ہونے دیا۔ جس دو قومی نظریہ نے پاکستان کو جنم دیا تھا اسے نظام تعلیم سے دور کر دیا گیا تا کہ نظام تعلیم ایسی نسل کو جنم دے جو دیکھنے میں تو مسلمان ہو مگر عملی طور پر اسلامی تقاضوں کے یکسر منافی ہو۔ انگریز نے اس سرزمین پر مدتوں حکومت کی۔ وہ یہاں سے جانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے تعلیم و تدریس کا ایک ایسا خاکہ تیار کیا جسکے تحت قومی جذبہ اور عقابی روح یہاں کے نوجوانوں میں بیدار نہ ہوسکے۔ وہ خاک راہ ہی میں رزق ڈھونڈتے رہیں اور آسمان کی نیلگوں وسعتوں اور رفعتوں سے آشنا نہ ہوسکیں۔ ہم جسمانی طور پر آزاد تو ہوگئے مگر ہمارے حکمرانوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے ہماری روح کو لارڈ میکالے کی فکر کا اسیر بنا دیا ہے۔

جناب والا! ایسے عالم میں محب وطن دانشوران قوم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ سوئی ہوئی قوم کو بیدار کریں۔ طلبہ کو باور کرائیں کہ ان کا قبلہ ماسکو یا واشنگٹن نہیں بلکہ ان کا مرکز توجہ مدینہ طیبہ ہونا چاہیے۔ انہیں اغیار کی غلامی کے بجائے اپنی دنیا آپ پیدا کرنیکی جدوجہد کرنی چاہیے اور زمانے کو باور کرانا چاہیے کہ علمی لحاظ سے مفلوک الحال اور فکری لحاظ سے پسماندہ قوم نہیں ہیں۔ ہمارے دامن رازی کی تجلیات، بوعلی سینا کے تفکرات، ابن خلدون کی علمی سربلندیوں اور فارابی کی عظمت تفکر سے آباد ہیں۔

ہمی سے علم کی میراث بزم دہر نے پائی
ہمی نے سارے عالم کو عطا کی شان دانائی
وہ ہم ہی تھے جو تاروں پر کمندیں ڈال سکتے تھے
جو اپنے رنگ میں ہر اک جہاں کو ڈھال سکتے تھے
مگر جب سے نظام علم کو ہم نے گنوایا ہے
ہمیں حالات کی پستی پہ ذلت نے گرایا ہے

جناب والا! زندہ قومیں فقط عہد حال پر ماتم کناں نہیں ہوتیں بلکہ جرأت رندانہ سے کام لے کر مسلسل آگے بڑھنے کیلئے جدوجہد کرتی ہیں۔ ہم اس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں جنہوں نے علم کو مسلمان قوم کا اسلحہ قرار دیا ہے۔ ضرورت فقط اعمال کو ذوق یقیں سے آراستہ کرنے کی ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا ہے۔ یہ ملک خداداد سراسر اسلام کا عطیہ ہے۔ ہمیں یہاں ایسا نظام تعلیم چاہیے جس سے فیضاب ہونے والوں کے ایک ہاتھ پر دین کا سورج اور دوسرے ہاتھ پر دنیا کا چاند ہو اور سروں پر کلمۂ توحید کا پرچم لہرا رہا ہو۔

والا قدر! اگر ہمت ہو تو خوابوں کی تعبیر سے ہمکنار کیا جا سکتا ہے۔ جرأت ایمانی سے وقت کے سیل بے کراں کو روکا جا سکتا ہے۔ ارادوں کی مضبوطی سے تخیلات کو عمل کا روپ دیا جا سکتا ہے۔ اگر ہمارا نظام تعلیم ہماری قوم کے شایان شان ہو تو مہر و ماہ کو تسخیر کیا جا سکتا ہے۔ آنے والا دور ملت اسلامیہ کی عظمت کا دور ہے۔ باطل نے آخر مٹنا ہے۔ سورج نے بالآخر اپنی تب و تاب سے زمانے کو منور کرنا ہے۔ انشاء اللہ وہ سورج ملت اسلامیہ کے کوہ فاران کی اوٹ سے جنم لے گا۔ میں اس شعر کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔

چلو آگے بڑھو آگے کہ تم سے ہی اجالا ہے
فقط تم سے علوم زندگی کا بول بالا ہے

محنت کی عظمت

صدر عالی مرتبت اور حاضرین والا قدر! آج مجھے جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے۔

''محنت کی عظمت''

جناب والا! ہوائیں خاموش تھیں، فضائیں ساکت تھیں۔ تاریخ عالم پہلی مرتبہ فہم و شعور سے آشنا ہونے کو تھی۔ روح ارضی امید و یاس کی گہرائیوں میں گم تھی اولیں انسان حضرت آدم علیہ السلام کا استقبال کر رہی تھی۔ بے آب و گیاہ سرزمین چٹیل میدان، زندگی کی حرارت سے محروم زمین پر آدم علیہ السلام نے اس شان سے قدم رکھا کہ ان کے ایک ہاتھ میں محنت کا تیشہ تھا، دوسرے ہاتھ میں عمل پیہم کا پرچم سر پر خلافت الٰہی کی ردا سجی تھی اور فطرت کا مغنی انہیں پیغام دے رہا تھا کہ

جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پنہاں ہے ترے خون جگر میں
اے پیکر گل کوشش پیہم کی جزا دیکھ

والا قدر! جب محنت نے عمل پیہم کا روپ اختیار کیا تو لافانی عظمت و سرخروئی قدم چومنے لگی، سمندر راستہ دینے لگے، صحراؤں میں گلاب کھلنے لگے، ویرانوں نے شہروں اور بیابانوں نے گلستان کا حسن مانگ لیا۔ تاریخ کے اولین انسان کا تیشۂ محنت اس شان سے چلا کہ ناممکنات دہر نے ممکنات کی صورت اختیار کر لی۔

جناب والا! محنت کو سرخروئی نصیب ہوئی تو کاروان محنت نے ہمیشہ محوِ سفر رہنا سیکھ لیا۔ تصورات نے حقائق کی شکل اختیار کر لی۔ زمین نے اپنا سینہ کشادہ کر دیا اور بنجر زمینوں کی کوکھ سے معدنیات اُبل پڑیں۔ کھیت سونا اگلنے لگے۔ فرد نے معاشرے اور معاشرے نے ریاست کی صورت اختیار کر لی۔ کسانوں نے ہل اور مزدوروں نے مشینوں کے پہیوں کی رفتار میں رزق تلاش کر لیا۔ فاصلے سمٹنے لگے' زمین کے مکین خلاؤں کو تسخیر کرنے لگے۔ چاند کو تسخیر کر کے نامعلوم ستاروں کا رُخ کیا جانے لگا۔

جناب والا! انسانی تہذیب نے محنت کے نام پر عظمت و فضیلت کے وہ نقوش رقم کیے کہ مؤرخ کا قلم ان کی برق رفتاری کے سامنے شل ہونے لگا۔

اور پھر جناب صدر! محنت کو یہ عظمت اور محنت کش کو یہ رفعت کیوں نہ ملتی؟ محنت تو فطرت کا پیغام ہے' محنت کش کے ہاتھوں میں قدرت کا سنہرا جام ہے' صفحۂ حیات پر جگمگاتا ہوا نقش دوام ہے۔ زندگی کی کٹھنائیوں کو قدموں تلے روند کر مسلسل آگے بڑھنے کا پیغام ہے۔ مضبوط اور توانا ہاتھوں سے زمانے کو رزق بخشنے کا اہتمام ہے۔ طائر لاہوتی بن کر پرواز میں کوتاہی پیدا کرنے والی ناجائز مراعات اور حرص و آز کو ٹھکرانے کی صلائے عام ہے۔ محنت تو خون جگر مانگتی ہے۔ خون جگر کی آمیزش سے محنت کار وقت کے بے رنگ سینے پر تاج محل اور مسجد قرطبہ جیسے نقوش ابھارتا ہے۔ اقبال کے لفظوں میں

؎ رنگ ہو یا خشت سنگ' چنگ ہو یا حرف وصوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

والا مرتبت! انبیائے کرام آئے' مصلحین وقت آئے' دانشوران اقوام آئے' کشور کشا اور فاتحین ابھرے۔ عظیم مصوروں' قلم کاروں' شاعروں اور مغنیوں نے زبان

اور قلم کا جادو بکھیرا۔ حاصل حیات ٹھہرنے والے ان سب فرزندان روزگار کی تمام تر عظمت و ناموری اور شہرت و سرخروئی فقط محنت اور جدوجہد کی مرہون منت ہے۔

جناب والا! پھر چشم عالم نے محنت کو عظمت کی معراج کامل عطا کرنے والے انسان کامل حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کو خطۂ حجاز کی بے آب و گیاہ سرزمین کو امن و راحت کے گلستانوں میں تبدیل کرتے دیکھا۔ وہ انسان کامل جو تاریخ کا سب سے بڑا کشور کشا ہو کر اپنے جوتے خود مرمت کرتا اور اپنے نورانی ملبوس میں خود پیوند لگاتا تھا۔ پوری امت کا بوجھ اٹھانے والا' صحابہ کے ساتھ ہر کڑے وقت میں برابر کا کام کرتا۔ وہی امی لقب دانائے کل جس نے یہ کہہ کر محنت کش کے حقوق کو نئی زندگی دی کہ "مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو"۔

وہ محبوب خلائق جس نے "اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہ" فرما کر محنت کش کو خدا کا دوست قرار دے دیا۔ وہی مصلح اعظم جس نے زندگی کے ہر مرحلے پر محنت اور جدوجہد سے کام لیا تاکہ اس کی امت ہمیشہ کیلئے محنت کو شعار حیات بنا لے۔

والا قدر! محنت نے کہاں کہاں عظمت اور شہرت لافانی کی خلعت دوام زیب تن نہیں کی۔ تاریخ انسانیت کا ایک ایک ورق الٹتے جایئے اور محنت کی بدولت عجائبات عالم کے وجود میں آنے کا تماشا دیکھتے جایئے۔ ماضی قریب کو چھو کر عہد حال کی جانب آیئے۔ عصر حاضر میں محنت و ہمت کا سب سے بڑا انعام پاکستان کا قیام ہے۔ وہ پاکستان جس کی بنیادوں میں لاکھوں شہیدوں کا لہو رقصاں ہے۔ جس کے ماتھے کا جھومر بیشمار خواتین اسلام کی عصمتوں کا تقدس ہے۔ وہی مملکت خداداد جسے محنت کشوں کی ہمت و جرأت نے ناقابل تسخیر بنا دیا ہے۔

جناب والا! وہی پاکستان جس کے فرزندوں نے ہر مشکل وقت میں فکر و فن ہی نہیں بلکہ لہو کا نذرانہ بھی پیش کیا ہے۔ سائنس دان ہو یا معیشت دان' علم کی

گتھیاں سلجھانے والا فقیہہ دوراں ہو یا محنت کے تیشہ سے جوئے شیر برآمد کرنے والا محنت کش، تخیلات زمانہ کو رنگوں کی آمیزش سے حقیقت کا حسن عطا کرنیوالا مصور ہو یا فطرت کے اسرار کو لفظوں میں سمونے والا شاعر، علم وحکمت کے جواہر لٹانے والا رازیٔ زماں ہو یا مشینوں کے پہیئے کو رواں دواں رکھنے والا محنت کار ہو، وقت کے فرعونوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قوم کو ایٹم بم کی صورت میں دفاعی قوت فراہم کرنیوالا ڈاکٹر عبدالقدیر خاں، سبھی اپنی اپنی صلاحیتوں کے ارمغان لئے محنت کی عظمت کے نام پر وطن عزیز کی سربلندی اور انسانی زندگی کے ارتقاء کیلئے کوشاں ہیں۔

جناب والا! محنت کی عظمت، محنت کش سے محبت اور اس کے حقوق کی نگہبانی کا تقاضا کرتی ہے۔ ہمیں تاریخ انسانی کے سب سے بڑے محسن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کی روشنی میں محنت کشوں کو نہایت باعزت مقام دینا ہوگا تا کہ کسی کو بندۂ مزدور کے اوقات کی تلخی کا گلہ نہ ہو۔ کوئی دختران وطن کے تار تار کو ترسنے کا شکوہ کرکے کپڑے بنتی ملوں کی جانب حسرت بھری نظروں سے نہ دیکھے۔

والا قدر! اپنی گذارشات کو شاعر مشرق کے ان اشعار پر ختم کرکے اجازت چاہوں گا۔

خون رگ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر
میخانۂ حافظ ہو کہ بت خانۂ بہزار
بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شرر تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد

سعیِ مسلسل کامیابی کا راز ہے

صدر والا قدر اور معزز حاضرین! آج کے ایوان میں مجھے جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے۔

سعیِ مسلسل کامیابی کا راز ہے

جناب والا! انسانی زندگی مسلسل جدوجہد سے عبارت ہے۔ سعی مسلسل کی بدولت انسان ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے۔ بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیاں سر کر سکتا ہے۔ صحراؤں کا سینہ چیر سکتا ہے۔ سمندروں کی وسعتوں میں راستے دریافت کر سکتا ہے۔ آسمانوں پر کمند ڈال کر چاند ستاروں کو تسخیر کر سکتا ہے۔ چونکہ انسان خلیفۃ اللہ ہے اس لئے پوری کائنات اس کی سعی پیہم کے سامنے سرنگوں ہے۔

؎ عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

صدر محترم! کامیابی بلاشبہ انہی خوش بخت انسانوں کا مقدر بنتی ہے جو طوفانوں کا منہ پھیرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔ جو ہمت ہارنا نہ جانتے ہوں بلکہ سعی مسلسل کو خضر راہ بنا کر منزل کی جانب بڑھتے رہنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔ یہ فطرت کا تقاضا بھی ہے اور قدرت کا آوازہ بھی۔ ارشاد خداوندی ہے۔

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى

یعنی "انسان کو وہی عطا ہوتا ہے جس کیلئے وہ جدوجہد کرتا ہے"۔

گویا قدرت کی رحمت بھی اسی کا حصہ بنتی ہے جس کے اندر سعی مسلسل کا جذبہ ہو۔ قدرت انہی کی حالت بدلتی ہے جنہیں اپنے حالات تبدیل کرنے کا احساس ہو۔ بے عمل انسان نہ تو خدا کی رحمت کا حق دار ہے اور نہ ہی کبھی کوئی کامیابی اس کا مقدر بن سکتی ہے کیونکہ

؎ خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

حاضرین کرام! عام انسانوں کو چھوڑیئے انبیائے کرام کی زندگی مسلسل جدوجہد کا نام ہے۔ سید الانبیاء حضور محمد مصطفیٰ ﷺ نے تبلیغ اسلام اور اشاعت دین کیلئے سعی مسلسل کی سب سے اعلیٰ مثال قائم کر دی۔ آپ نے راہ حق میں پتھر کھائے' آپ کو کانٹوں پر چلنا پڑا' آپ کو گالیاں دی گئیں' آپ کی شہادت کے منصوبے بنائے گئے' حتیٰ کہ آپ کو مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا مگر محبوب خدا نے تبلیغ اسلام کے پرچم کو ایک لمحہ کیلئے بھی سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ یہ آپ ﷺ ہی کی سعی مسلسل اور پیہم جدوجہد کا انعام تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے منزلیں آپ کے قدم چومنے لگیں اور چاروں طرف اسلام اور حضور نبی کریم ﷺ کی عظمت کے ترانے گونجنے لگے۔ آپ کے کردار نے ثابت کر دیا۔

؎ ارادے جن کے پختہ ہوں' نظر جن کی خدا پر ہو
تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

جناب والا! تاریخ پر ایک نظر ڈالتے ہی احساس ہو جاتا ہے کہ کامیابی صرف ان کے قدم چومتی ہے جو وقت کی گردشوں سے ٹکرانا جانتے ہوں۔ سلاطین عالم کے کردار کا مطالعہ کریں' نامور فاتحین کی سیرت پر نظر ڈالیں' مشاہیر کائنات کی کتاب حیات کو دیکھیں تو ان سب کی کامیابیوں کے پس پردہ فقط سعی مسلسل کی قوت کار

فرما نظر آتی ہے۔ تیمور و بابر ہوں یا صلاح الدین ایوبی جیسا مرد میدان، محمود غزنوی اور محمد غوری ہوں یا سلطان عالمگیر، ان سب کی کامرانیاں مسلسل جدوجہد کی مرہون منت ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ

وہی لوگ پاتے ہیں عزت زیادہ
جو کرتے ہیں دنیا میں محنت زیادہ

والا قدر! تحریک پاکستان کے ولولہ انگیز دور پر ایک نگاہ دوڑاتے ہی بابائے ملت، قائداعظم محمد علی جناح کا روشن سراپا ابھرتا ہے۔ قائداعظم نے تحریک پاکستان سے تخلیق پاکستان تک سعی مسلسل کی جو روشن مثال قائم کی، وہ ہم سب کیلئے مشعل راہ ہے۔ قائد کو ایک ہی وقت میں انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں کے علاوہ قومیت پرست ہندو نواز مسلم علماء سے جنگ لڑنا پڑی مگر قائداعظم نے عزم و ہمت کا دامن نہ چھوڑا۔ ایک وقت تھا کہ ان کی آواز پر لبیک کہنے والے گنتی کے افراد تھے اور پھر چشم فلک نے یہ منظر بھی تھا کہ راس کماری سے لے کر خیبر کی سربلندیوں تک تمام اسلامیان برصغیر قائداعظم کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کر چکے تھے۔ یہ سب سعی مسلسل کا اعجاز تھا کہ جس نے کروڑوں انسانوں کے دل جیت لئے اور ثابت کر دیا۔

یہ سعی مسلسل کا ہی اعجاز حسیں ہے
خالق سے عطا ہم کو ہوئی پاک زمیں ہے

صدر والا قدر! ہم علم کی راہوں کے مسافر ہوں یا وطن عزیز کی جغرافیائی سرحدوں کے نگہبان، ہم وطن کی نظریاتی سربلندی کے علمبردار ہوں یا عظمت قوم و وطن کے پاسدار، ہم میں سے کوئی طالب علم ہو یا معلم روشن ضمیر، سیاستدان ہو یا معیشت دان، حکمران وقت ہو یا عام انسان، رہبر فرزانہ ہو یا شمع صداقت کا پروانہ، ہر ایک کو سعی مسلسل کا اسلحہ لے کر وقت کی رزم گاہ میں آگے بڑھنا ہوگا۔ اگر آج ہم خلوص

نیت سے محبت قوم و وطن کے نام پر ہر آن سرگرم کار رہیں' جرأت و ہمت کے پیکر بن کر جہد پیہم کو وقار حیات بنا کر آگے بڑھیں تو یقین مانیے ہر آنے والا دور ہمارا ہوگا۔ زمانہ ایک مرتبہ پھر شوکت اسلام کے پرچم کو تاریخ کے افق پر لہراتا ہوا دیکھے گا اور ہمارا وطن قوت و شوکت کا قلعہ بن کر تمام مظلوم اقوام کی امیدوں کا مرکز بن جائے گا۔ دیکھئے وقت کا قاضی ہمیں یہ پیغام دے رہا ہے۔

تو اپنی سرنوشت خود اپنے قلم سے لکھ
خالی رکھی ہے خامۂ حق نے تری جبیں

بیسویں صدی کا عظیم راہنما...... میری نظر میں

صدر والا قدر اور معزز حاضرین! میری تقریر کا عنوان ہے۔

بیسویں صدی کا عظیم راہنما...... میری نظر میں

صدر محترم! بیسویں صدی اپنا سفر طے کرنے کو ہے۔ اس صدی نے بڑے حادثات دیکھے۔ عالمگیر جنگیں دیکھیں ایٹم بم کی تباہ کاری دیکھی۔ ملکوں کو بنتے اور ٹوٹتے دیکھا۔ وقت پر کمند ڈالنے والے عظیم انسانوں کا جلال دیکھا۔ لیکن مجھے جو شخصیت اس صدی کا اعزاز نظر آتی ہے' وہ ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح

جناب والا! قائداعظم کوئی جنگجو جرنیل نہیں تھے۔ قتل و غارت پر ایمان رکھنے والے رہنما نہیں تھے۔ آپ تو امن اور سلامتی کے علمبردار تھے۔ سچائی کی برہان اور شوکت ایمان تھے۔ آپ کی شخصیت اتنی عظیم اور کردار اتنا روشن ہے کہ اس صدی کی کوئی شخصیت آپ سے زیادہ پسندیدہ نظر نہیں آتی۔ آپ نے تلوار سے نہیں بلکہ قلم سے کام لیا۔ خون برساتی شمشیر سے نہیں بلکہ زبان کی تاثیر سے کام لیا۔ سیاست کے ایوانوں میں لافانی جدوجہد کی اور برصغیر کے مسلمانوں کو پاکستان عطا کر دیا۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

ملت کا پاسباں ہے محمد علی جناح
ملت ہے جسم' جاں ہے محمد علی جناح

رکھتا ہے تاب و تواں یہ نو کروڑ کی
کہنے کو ناتواں ہے محمد علی جناح

صدر محترم! کراچی میں جناح پونجا کے گھر میں جنم لینے والے بچے نے مسلمانوں کی تقدیر بدل دی۔ اس کے لوہے نے ہر لوہے کو کاٹا۔ یہ ایک فرد نہیں بلکہ ایک قوم تھا۔ اسلام اس کا وقار اور ایمان اس کا قرار تھا۔ پاکستان اس کی منزل اور دوقومی نظریہ اس کا ساحل تھا۔ اس مرد مجاہد نے انگریز اور ہندو سے بیک وقت ٹکر لی اور ثابت کر دیا کہ

؎ آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

جناب والا! قائداعظم اس صدی کی پسندیدہ ترین شخصیت ہیں۔ آپ نے یورپ کی درس گاہوں میں تعلیم حاصل کی۔ "لنکنز ان" میں اس لئے داخلہ لیا کہ وہاں کی تختی پر حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام سب سے اوپر لکھا تھا۔ آپ کی تعلیم مغربی مگر دماغ مشرقی تھا۔ انگریز نے پکار کر کہا کہ ہم یہاں ہزار سال حکومت کریں گے۔ ہندوؤں نے کہا کہ انگریزوں کے جانے کے بعد حکومت ہمارا حق ہے۔ مگر قائداعظم محمد علی جناح نے للکار کر کہا کہ تم دونوں جھوٹے ہو میں ہندوستان کے نقشے پر پاکستان کو بنا کر رہوں گا۔

جناب صدر! قائداعظم کا یہ پیغام خوشبو بن کر پھیلا' نور بن کر چھایا' بجلی بن کر چمکا اور تاریخ نے تسلیم کر لیا کہ قائداعظم کی شخصیت لاجواب ہے۔ پاکستان اس صدی کا سب سے بڑا معجزہ ہے اور اس کے بانی قائداعظم محمد علی جناح (مین آف دی سینچر) ہیں۔ سچ وہ ہے جو دشمن کے منہ سے نکلے۔ ہندوؤں کی ایک لیڈر نے میرے قائد کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ

''اگر مسلمانوں کے پاس ایک سو گاندھی' ایک سو نہرو اور ایک سو پٹیل ہوتے مگر کانگریس کے پاس فقط ایک محمد علی جناح ہوتے تو پاکستان کبھی نہ بنتا''

علامہ اقبال نے شائد آپ ہی کیلئے کہا تھا۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن' نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

صدر والا قدر! قائداعظم کا پاکستان آپ کی یادگار ہے۔ آپ کی محنت کا ثمر ہے۔ اگر ہمیں قائداعظم سے پیار ہے تو اس سرزمین کے ذرے ذرے کو نکھارنا ہوگا۔ اس کی فضاؤں کو رشک جنت بنانا ہوگا۔ انشاء اللہ نئی صدی کا پاکستان ایک نئی شان کے ساتھ ابھرے گا۔ اور پھر زمانے کو اقرار کرنا پڑے گا کہ

قائداعظم ہی بیسویں صدی کے عظیم راہنما ہیں

آیئے ہم سب مل کر پاکستان اور قائداعظم کو سلام کرتے ہوئے نعرہ لگائیں۔

قائداعظم زندہ باد
پاکستان پائندہ باد

ہمارا آج آنے والے کل سے بہتر ہے

صدر گرامی قدر! میں آپ کی وساطت سے پیش کی گئی اس قرارداد کی حمایت میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ

ہمارا آج آنے والے کل سے بہتر ہے

جناب والا! آج کا وجود ایک حقیقت ہے اور آنے والا کل کس نے دیکھا ہے؟ فقط مفروضوں اور تصورات کی دنیا کو کل کا نام دینا احمقوں کی جنت بسانا ہے۔ ہمارا آج کامیابی سے عبارت ہے۔ ہمارا آج ہماری سربلندی کی ضمانت ہے اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ

کامیابیٔ کامرانی کی حسیں معراج ہے
آنے والے کل سے بہتر یہ ہمارا آج ہے

جناب صدر! آج کا دور تہذیبی اور سائنسی ارتقاء کا دور ہے۔ اس دور نے ہم سے ہمارا ایمان نہیں چھینا بلکہ سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ ہمیں ایمان و یقین کا نور بخشا ہے۔ قدرت کے اسرار و رموز ظاہر ہو رہے ہیں۔ فطرت اپنے خزانے اگل رہی ہے۔ سچائی اور انصاف کی بلندی کا پرچم ہر طرف لہرا رہا ہے۔ یہ آج کے دور کی پہچان ہے کہ کشمیر کا مسلمان اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہا ہے۔ فلسطین اور بیت المقدس کی آزادی کی منزل قریب تر آ رہی ہے۔ بوسنیا کے مظلوم مسلمانوں کی امداد کیلئے عالم اسلام متحد ہو رہا ہے۔ چاروں طرف اسلام کی حیات نو کا سورج یہ پیغام

دیتا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ

؎ بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

صدر محترم! آنے والے کل کی حمایت کرنے والے اس کی سائنسی ترقیوں پر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں مگر آنے والے دور کی سائنسی ترقی پر ایک نظر ڈالیں تو صورتحال انتہائی بھیانک نظر آتی ہے۔ اس دور میں انسان کے ذہن کے بجائے کمپیوٹر راج کرے گا۔ انسانی وجود کے بجائے روبوٹ نظر آئیں گے۔ ہر طرف ایٹم بم کھلونوں کی طرح بکھرے نظر آئیں گے۔ جذبات مر جائیں گے اور سائنسی آلات ان کی جگہ لے لیں گے۔ شاعر مشرق نے اسی آنے والے دور کا نوحہ پڑھا ہے۔

؎ ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

صدر ذی وقار! اگر آنے والے کل کے انسان کو چاند پر بھیج دیا جائے تو یہ اس خوبصورت شاہکار کی صورت بھی یوں بگاڑ کر رکھ دے گا جیسی اس نے کائنات کی بگاڑی ہے۔ جو انسان دلوں کو آباد نہ کر سکے وہ چاند کو کیا آباد کرے گا۔ چاند پر بھی اسلحہ گری اور ایٹمی تجربات کی جنگ شروع ہو جائے گی۔ آج کا دور تو پھر بھی خوش قسمت ہے کہ مظلوموں کی حمایت میں آواز اٹھنے لگتی ہے مگر آنے والے کل میں تو صرف ظالم اور سرکش ہی ہوں گے۔ وہ دور مظلوموں کو سائنسی تجربات کی بھینٹ چڑھا دے گا۔

جناب والا! اگر قرآنی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو قرآن نے ہر آنے والے دور کو پہلے دور سے بدتر قرار دیا ہے۔ اس لحاظ سے آنے والا دور بدتر اور ایمانی روشنی میں انسانی تقاضوں کی نفی کرتا ہوا نظر آئے گا۔

جناب صدر! کیا ہم اس آنے والے کل کی تمنا کر سکتے ہیں جب چند جنونی سیاستدان مردوں کی ہڈیوں پر اپنی عظمت کے مینار تعمیر کریں گے؟ جب زندگی نایاب اور موت عام ہو جائے گی۔ جب چاروں طرف ایٹمی تابکاری کے اثرات ہوں گے۔ جب چاند ویران اور مریخ ایٹم کی بھٹی میں سلگتا ہوا نظر آئے گا۔ جب سچ مصلوب ہوگا اور مصلحت اندیشی کو ہی تہذیب سمجھا جائے گا۔ جب امن وسکون خواب بن جائے گا اور وحشت و بربریت کے عفریت رقصاں ہوں گے۔

نہیں، نہیں، جناب صدر! کوئی بھی صاحب ہوش ایسے وحشت ناک آنے والے کل کی آرزو نہیں کر سکتا۔ ہمیں ہمارے آج میں ہی رہنے دیجئے۔ ہمارا آج اسلامی سربلندی کی معراج اور شوکت ایمان کا افتخار ہے۔ اگر دوسری جانب عقل کے اندھے ہوں تو ہم اپنی بصیرت سے کام لینا نہیں چھوڑ سکتے۔ میں تو ان کی فکری بے بسی پر یہی کہہ سکتی ہوں کہ

؎ خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

جناب والا! ان حقائق کی روشنی میں مجھے اجازت دیجئے کہ میں برملا کہہ سکوں کہ

ہمارا آج آنے والے کل سے بہتر ہے

قومی زبان ترقی کی ضامن ہے

صدر والا قدر اور معزز حاضرین! مجھے آج جس موضوع کو اپنے الفاظ کے گلدستے میں سجانا ہے وہ ہے۔

قومی زبان ترقی کی ضامن ہے

جناب والا! کسی بھی قوم کو اپنی روایات سے محبت ہوتی ہے۔ اسے اپنی ثقافت زمانے بھر سے عزیز ہوتی ہے۔ وہ اسی ثقافت اور روایات کی روشنی میں زمانے بھر میں پہچانی جاتی ہے۔ اس حوالے سے قومی زبان اس کا وہ اثاثہ ہوتی ہے جسے وہ اپنی قومی عظمت اور ملی سلامتی کا اعزاز سمجھتی ہے۔ کیونکہ اسی کی بدولت صوبوں کو قومی سرفرازی اور بکھرے ہوئے قبائل کو قومی وحدت کا شعور عطا ہوتا ہے۔

یہی قومی زباں افراد کا اعزاز ہوتی ہے
محبان وطن کے حق میں وجہ ناز ہوتی ہے
یہی قومی زباں بس ایک رشتے میں پروتی ہے
ترقی کی یہ ضامن' وقت کی آواز ہوتی ہے

جناب صدر! ہماری قومی زبان اردو ہے جو پاکستان کے ہر صوبے میں سمجھی اور پہچانی جاتی ہے۔ جہاں تک علاقائی زبانوں کا تعلق ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان علاقائی زبانوں کی اہمیت اپنی جگہ' مگر جس طرح تمام صوبے مل کر قومی وحدت کی تشکیل کرتے ہیں اسی طرح قومی زبان اردو ہر صوبے اور علاقے کی ترجمانی کا حق ادا کرتے ہوئے قومی وقار کی علامت اور قومی ترقی کی ضامن بنتی ہے۔

معزز حاضرین! کوئی بھی قوم اتحاد و اتفاق کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔ اتحاد کی قوت مردہ قوموں کو حیات تازہ عطا کرتی ہے۔ اگر اتحاد اور یگانگت کو راہنما نہ بنایا جائے تو ہر صوبے کا قبلہ جدا اور ہر علاقے کا مفاد الگ ہوگا مگر اتحاد و یکجہتی کی دولت میسر آتے ہی پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان، ملت واحدہ پاکستان کا روپ اختیار کر لیتے ہیں، اور ملت واحدہ کا یہ روپ بلاشبہ قومی زبان اردو عطا کرتی ہے۔ ایک شاعر نے اردو کی عظمتوں کو یوں خراج عقیدت پیش کیا تھا۔

اُردو ہے جس کا نام، ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

والا قدر! سارے جہاں میں اردو زبان کی دھوم کیوں نہ مچتی۔ یہی زبان تھی جس نے پاکستان کا پیغام برصغیر کے کونے کونے میں پہنچایا۔ یہی زبان تھی جس نے راس کماری سے خیبر کی ترائیوں تک شوکت پاکستان کا جھنڈا لہرایا۔ اسی زبان نے خواب گراں میں بیہوش قوم کو جگایا۔ اسی زبان میں علامہ اقبال نے آزادی کا ترانہ سنایا۔ کروڑوں مسلمانوں نے اردو زبان کے فیض عام سے کاروان آزادی کو منزل تک پہنچایا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اردو زبان نے برصغیر کے نقشے پر پاکستان کے خواب کو حقیقت کی تعبیر عطا کر دی۔

اُردو کے چاند کے ہیں اُجالے کرن کرن
مہکے ہیں اس کے عنبریں گیسو شکن شکن
پھرتی رہی ہے مثل صبا یہ دمن دمن
اُردو نے اپنا خون دیا ہے چمن چمن
اب کا نہیں یہ ساتھ یہ صدیوں کا ساتھ ہے
تشکیل ارض پاک میں اُردو کا ہاتھ ہے

جناب والا! یہ اردو کی عظمت کا ہی اعتراف تھا کہ پاکستان بنتے ہی قائد اعظم محمد علیؒ جناح نے اسے پاکستان کی واحد قومی زبان قرار دے دیا۔ جب بھی کسی دوسری زبان کے حق میں آواز اٹھی تو بابائے ملت نے فرمایا ''ایک خدا' ایک کتاب' ایک رسول' ایک امت اور ایک زبان یعنی زبان اردو' یہی زبان پاکستان کو معرض وجود میں لانے والی ہے اور یہی پاکستان کی ترقی کی ضامن ثابت ہوگی''۔

جناب صدر! قائداعظم کے یہ الفاظ تقدیر کی تحریر ثابت ہوئے۔ جب تک پوری قوم اس زبان سے وابستہ رہی' ہمارا وطن ترقی کے مراحل طے کرتا رہا۔ مگر اسی زبان کی یکتائی کا تعلق توڑتے ہی پاکستان دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ آج قائداعظم کی روح ہمیں آواز دے رہی ہے کہ اگر موجودہ پاکستان کی ترقی عزیز ہے تو قومی زبان اردو سے رشتہ جوڑ لو۔ قومی ترقی کا قافلہ خود بخود منزلوں کی جانب رواں ہو جائے گا۔

رشتہ ہو استوار گر قومی زبان سے
مہکیں گے پھول سارے مرے گلستان کے

صدر ذی وقار! آج ضرورت ہے کہ اردو کو صرف لفظی طور پر ہی قومی زبان قرار نہ دیا جائے بلکہ اسے تمام دفاتر اور سرکاری اداروں میں بالاتری عطا کی جائے۔ انگریزی بین الاقوامی زبان ہے مگر اردو سے قومی زبان کا اعزاز نہ چھینا جائے۔ اسے ہر کالج اور یونیورسٹی میں بی اے تک لازمی مضمون کی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ مقابلے کے امتحان اسی زبان میں منعقد کیے جائیں۔ تمام علوم اسی زبان میں منتقل کیے جائیں اور جامعہ عثمانیہ کی طرز پر اردو کو ذریعۂ تعلیم بنا کر پاکستان کو ترقی کی معراج سے ہمکنار کیا جائے۔

صدر محترم! جب ملک چین کے وزیر اعظم پاکستان آئے تھے تو انہوں نے

انگریزی جانتے ہوئے بھی ہر جگہ یہ کہتے ہوئے چینی زبان میں تقریر کی کہ ''ہمارا چین گونگا نہیں'' ہمیں بھی ہر جگہ اور ہر مقام پر اردو کو قومی زبان کا درجہ دیتے ہوئے ثابت کرنا ہے کہ ہمارا پاکستان گونگا نہیں بلکہ یہ اردو کو خضر راہ بنا کر تقدیر سے ترقی و خوشحالی کی ضمانت حاصل کر چکا ہے۔ میں ان اشعار کے ساتھ آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔

قومی زبان ملکی ترقی کا ہے نشاں
یہ ہے ہماری غیرت قومی کی رازداں
قومی زباں کے نور سے پرنور ہے چمن
یہ ہی تو ہے ہماری بلندی کی ترجماں

(پاکستان زندہ باد)

غیرت ہے دل میں پیار کر اپنی زبان سے
برسیں گے پھول نور کے پھر آسمان سے
پیغام فتح پائے گا تو لامکان سے
تجھ کو ملیں گی عزتیں سارے جہان سے

زندگی کا حسن پیسہ ہے

صدر گرامی اور حاضرین ذی وقار! آج مجھے جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے۔

زندگی کا حسن پیسہ ہے

جناب والا! ہر انسان اس کائنات میں سربلند مقام کا تمنائی ہے۔ ہر فرد اپنی حیثیت سے بڑھ کر شہرت عام چاہتا ہے۔ عام حیثیت رکھنے والا مسافر حیات ہو یا سلطان کجکلاہ سب کے سب زندگی کے وقار اور حسن کی چوٹیوں کو سرنگوں کرنے کیلئے مصروف عمل ہیں۔ مصور ہو یا ادیب شاعر ہو یا مغنی تاجر ہو یا سرمایہ دار سب کے دلوں میں زندگی کے ابدی حسن کو پالینے کی تمنا مچل رہی ہے۔ یہی تمنا جب اپنے عروج کو چھوتی ہے تو انہیں بجا طور پر احساس ہونے لگتا ہے کہ زندگی کا حسن صرف پیسے سے عبارت ہے۔

صدر عالی مقام! زندگی نے اپنے وسیع دامن میں جن انسانی خصوصیات کو پناہ دے رکھی ہے ان کا اعتراف اپنی جگہ۔ ہر فرد اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لا کر زندگی کے دامن کو مزید زرنگار بنانے کیلئے مصروف جدوجہد ہے مگر اس کے باوجود اگر جیب میں پیسہ اور دامن میں دولت کی تب و تاب نہ ہو تو بیشتر انسانی خصوصیات دم توڑ کر رہ جاتی ہیں اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ

دولت سے ہی یہ سلسلۂ قیل و قال ہے

پیسے سے حسن ذوق ہے پیسہ کمال ہے

جس کے سبھی غلام ہوں پیسہ وہ جال ہے

پیسہ وقار زیست ہے روح جمال ہے

پیسہ نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

والا قدر! نغمہ گری زندگی کا حسن ہے لیکن اگر پیسے والے سرپرستی نہ کریں تو مغنی کی نوا صحراؤں میں بکھر جائے۔ مصوری زندگی کا حسن ہے لیکن اگر پیسے والے رنگوں کی دنیا سجانے والوں کی حوصلہ افزائی نہ کریں تو یہ شغل بیکاراں بن جائے۔ شاعری ذہنی سربلندگی کا نام ہے لیکن اگر خون جگر سے وجود پانے والی شاعری کو اشاعت کا اعزاز نہ ملے جو پیسے سے عبارت ہے تو شاعری کا لامحدود پیغام محدود ہو کر رہ جائے۔ یہ گلستان، آبشار، ندی، نالے لہلہاتے ہوئے مرغزار، شہروں کی رنگینیاں، تہذیب کی چکا چوند، علوم فطرت کی ترویج و اشاعت، جدھر دیکھیے پیسے ہی کی جلوہ کاری نظر آتی ہے۔

جناب صدر! مفلس و نادار فقط خواب دیکھ سکتا ہے جبکہ ان خوابوں کو تعبیر کا حسن دولت عطا کرتی ہے۔ آپ پیسے اور دولت کو گالی دے کر خاک پھانک کر زندہ نہیں رہ سکتے۔ خواب کتنے ہی دلکش ہوں ان سے مقدر نہیں سنورا کرتے۔ لفظ کتنے ہی خوبصورت ہوں ان سے وقت کی رفتار کا ساتھ نہیں دیا جا سکتا۔ یہ نت نئی ایجادات، سائنس کی بالاتری، انسان کا خلاؤں کو تسخیر کرنے کا عزم، صدیوں کے فاصلوں کو دنوں میں سمیٹنے کا تمام کا تمام عمل پیسے کا مرہون منت ہے۔

اک فقط دولت سے ذرے گوہر شہوار ہیں

ہو نہ گر تعبیر تو پھر خواب سب بیکار ہیں

والا مرتبت! زندگی کا حسن ہر اس چیز سے وجود پاتا ہے جس کی انسان آرزو کرے۔ بچہ کھلونے کی آرزو کرتا ہے تو طالب علم حصول علم کیلئے مچلتا ہے۔ جوان عہدے اور رتبے کی تمنا کرتا ہے تو بزرگ جاہ وجلال اور رعب وداب کا تمنائی ہے۔ عالم بڑے پیمانے پر دانشکدہ تعمیر کرنا چاہتا ہے تو معیشت دان اپنی فکری صلاحیتوں سے قوم کا مقدر بنانے کا آرزومند ہے۔ سائنسدان چاند ستاروں کی سیاحی کرنا چاہتا ہے تو ایٹمی توانائی کا عالم اپنی ایجادات سے زمانے بھر کو متحیر کر دینا چاہتا ہے۔ عمرانیات پر دسترس رکھنے والا صحراؤں کو گلستان بنانا چاہتا ہے تو تہذیبی اقدار کا پرچار کرنے والا اخلاقیات کا حسن بکھیرنے کی سوچ کو مرکز توجہ بنائے ہوئے ہے۔ لیکن یہ تمام آرزوئیں فقط حسین خواب ہیں۔ انہیں تعبیر کا حسن دینے کیلئے پیسے کی ضرورت ہے۔ آرزو خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی' سوچ خواہ ذاتی ہو یا قومی' اسے عمل کا حسن دینے کیلئے پیسے کا سہارا لینا ہوگا ورنہ

ع گر یہ نہیں تو بابا جھوٹی کہانیاں ہیں

جناب صدر! شعراء دن رات اپنے محبوبوں کے حسن و جمال کے قصائد لکھتے ہیں۔ ان کا قلم مبالغہ کی آخری حدوں کو چھوتا نظر آتا ہے۔ ان کے نزدیک محبوب کا حسن ہی زندگی کا حسن ہے۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ اگر شاعر خوش نوا کو چار یوم کی بھوک برداشت کرنا پڑے یا اس کے نام نہاد محبوب کو چار یوم کے فاقے سے دوچار کر دیا جائے تو ادھر شاعر کی فکر محبوب کے چہرے سے ہٹ کر روٹی کے حسن پر مائل ہو رہی ہوگی اور ادھر محبوب کا کملایا ہوا چہرہ اپنے عاشق سے حسن کا خراج لینے کے بجائے کسی نان جویں کا طواف کر رہا ہوگا۔ اسی کیفیت کو فیض احمد فیض کے قلم نے یوں ابدی صداقت کا حسن عطا کیا ہے۔

اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

جناب صدر! تذکرہ ایک انسان کی زندگی میں بکھرے ہوئے حسن کا ہو یا ملک وقوم کے تہذیبی حسن کا' ہر مقام پر پیسے کی حکومت نظر آتی ہے۔ حسن لفظوں سے نہیں بلکہ عمل سے عبارت ہے۔ حسن خواب نہیں بلکہ اس کی تعبیر کا نام ہے۔ حسن فقط علم نہیں بلکہ عمل کا مرہون منت ہے۔ حسن محض ایک نظریہ نہیں بلکہ اس نظریہ کو بروئے کار لانے کا نام حسن ہے۔ ان پیش کردہ حقائق کی روشنی میں دیکھیں تو اعتراف کرنا پڑے گا کہ زندگی کا حسن پیسہ ہے۔ حسن کو جلوہ گاہ عام بنانے کیلئے جتنے عوامل بھی کارفرما نظر آتے ہیں ان کے پس منظر میں پیسے کی بالادستی' قوت اور ہمہ گیری نظر آتی ہے۔

جناب والا! ان صداقتوں کے آئینے میں جھانک کے مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ

زندگی کا حسن فقط پیسہ ہے

بول کہ لب آزاد ہیں تیرے

صدر گرامی قدر اور معزز حاضرین! مجھے آج جس موضوع کو تقدیر کے گلدستے میں سجانا ہے وہ ہے۔

بول کہ لب آزاد ہیں تیرے

جناب والا! جب چاروں طرف منافقت اور بے حسی کے اندھیرے چھانے لگیں۔ جب انسانیت حق و صداقت کی معمولی سی کرن کیلئے بھی ترسنے لگے۔ جب مصلحت کا طاغوت عدل و انصاف کو نگلنے لگے۔ جب سچ بولنا' جرم اور حق و صداقت کی پاسداری' گناہ عظیم ٹھہرے۔ جب انصاف کو وقت کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے اور حکومتی ایوانوں میں کذب و ریاکاری کی صدائے بازگشت سنائی دینے لگے تو پھر رنج والم اور مایوسی کے صحرا میں کسی مردِ حق کی بانگ درا گونجتی ہے۔

بول کہ لب آزاد ہیں تیرے
بول کہ یہ لب تیرے ہیں

اور پھر اذن گویائی پاتے ہی انصاف کو ترسنے والا انسان چیخ اٹھتا ہے۔

یہ دستور زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

اور معزز حاضرین! یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب مہر سکوت ٹوٹنے لگتی ہے۔ زبانوں کے قفل کھلنے لگتے ہیں۔ ہر طرف سچائی اور حق و صداقت کا سورج چمکنے لگتا ہے اور

منزلِ شوق کے مسافر یہ نعرۂ مستانہ بلند کر دیتے ہیں کہ

ہم پرورشِ لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

والا قدر! تاریخ شاہد ہے کہ کوئی فرعون بھی ہمیشہ کیلئے لبوں کی آزادی سلب نہیں کر سکا' وقت کا کوئی بھی بدترین آمر سچائی کے سیلِ بے کراں کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ سچائی نور ہے' سچائی خوشبو ہے اور نور اور خوشبو کی ہمہ گیری زمان و مکان کی پابند نہیں ہوتی۔ انسانیت کے نام لیواؤں نے ہر جگہ جھوٹ کے پرچم کو پاؤں تلے روندا ہے۔ سچائی کو مصلوب کیا جاتا ہے مگر یہ مر کر بھی زندہ رہتی ہے۔ صحابہ کرام تو علم و عمل اور نور کے مینار تھے' ان کا کیا تذکرہ' مجاہدین کوچہ صداقت نے تو قید و بند میں بھی نعرۂ حق بلند کیا' دار و رسن کی آزمائش میں بھی صدائے حق بلند کی' اپنے خون میں ڈوب کر بھی آزادئ فکر کو سربلند رکھا کہ

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

صدرِ محترم! شوکتِ اظہار کا حسن دیکھنا ہے تو کربلا کے معرکۂ حق و باطل میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور خاندانِ اہلبیت کے لبوں سے پھوٹنے والی اذانِ حق کو سنئے جس نے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے وقت کے نمرودوں اور فرعونوں کے غرورِ شاہی کو قدموں تلے روند دیا۔ منصور اور حلاج کے نعرۂ مستانہ میں اس کی صدائے پرجوش سنیئے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کوڑے کھا کر اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے برف کی سلوں پر لیٹ کر صداقت آفرین لبوں کی داستان سنیئے۔ ایک طرف زہر کا پیالہ پی کر سقراط سچائی کے نور کو پھیلا رہا ہے تو دوسری طرف ہر معرکۂ ایمان میں شوکتِ ایمان کا علم تھا منے والے غازیوں' شہیدوں اور مردانِ صداقت کا جذبہ سرفروشی یہی پیغام دے

رہا ہے۔ بنام حق وصداقت

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھتے ہیں زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

صدر محترم! جابر قوتیں حق پرستوں کی آواز کو دبانے کیلئے ہر دور میں نئے نئے حربے آزماتی ہیں۔ قوت گویائی سلب کر لی جاتی ہے۔ قلم پر پہرے بٹھا دیئے جاتے ہیں۔ ذہن وفکر کو نام نہاد ثقافتی یلغار سے مرعوب کیا جاتا ہے۔ ہر گلی کو مورچہ بنا کر صلیب کھڑی کر دی جاتی ہے۔ سچ کو جھوٹ اور حق گوئی کو حماقت کا نام دینے کیلئے کاسہ لیسوں کی خدمات مستعار لی جاتی ہیں۔ وقت کی منڈی میں بکنے والے قلم کاروں اور مفتیوں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔

مگر جناب والا! کبھی سیل نور بھی رُکا ہے۔ صحرائے حجاز سے روانہ ہونے والے کاروان حق کو کون روک سکا ہے۔ زمانے گواہ ہیں' صدیاں شاہد ہیں کہ اہل حق کے لب کھلتے ہی باطل کافور ہو جاتا ہے۔ جھوٹ اور مکر وریا کاری کے فلک بوس ایوان ایک آن میں تنکوں کی طرح بکھر جاتے ہیں۔ آزاد لبوں کا یہی ترانہ شوق صداقتوں کو نئی زندگی دے جاتا ہے۔

اے خاک نشینو! اٹھ بیٹھو' وہ وقت بھی اب آ پہنچا ہے
جب تخت گرائے جائیں گے اور تاج اچھالے جائیں گے
اب ٹوٹ کریں گی زنجیریں اب زندانوں کی خیر نہیں
جو دریا جھوم کے اٹھے ہیں تنکوں سے نہ ٹالے جائیں گے

جناب والا! زمانے کے جھوٹے خداؤں کی کوششیں اپنی جگہ' لبوں کی آزادی ہمیشہ پیغام صداقت دیتی رہی ہے۔ ''بول کہ لب آزاد ہیں تیرے'' کہہ کر شاعر نے عصر حاضر کو صراط حق پر چلتے رہنے کی ترغیب دی ہے۔ یہ محض ایک جذباتی نعرہ

یا فقط ایک مصرعہ نہیں۔ بلکہ یہ تو وہ زندہ حقیقت ہے جو ازل سے ابد تک کا حسن لئے ہوئے ہے۔ یہ تو قرآن حکیم کا حسن ہے۔ احادیث رسول کا مجموعہ ہے۔ شہیدوں کے لہو کی سرخی ہے۔ غازیوں کی شجاعت کا بانکپن ہے۔ کاروان صداقت کی برق رفتاری کی شہادت ہے۔ جو یہ پیغام دے رہی ہے۔

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خوں چکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہرے

سچائی کے نام کا دریا ہر دم بہتے رہتا ہے
دل پر اپنے جو بیتی ہے پل پل کہتے رہتا ہے
سچائی کے نام پر ہر اک ظلم کو سہتے رہنا ہے
لب سے تم اہل حق کے حق تو کہتے اپنا ہے

تیری زندگی اسی سے تیری آبرو اسی سے

صدر ذی وقار اور محترم حاضرین! آج کے اس ایوان علم و ادب میں اصحاب فکر و عمل کے حضور مجھے جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے' وہ شاعر مشرق حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال کا یہ پیغام ہے۔

تیری زندگی اسی سے تیری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی' نہ رہی تو روسیاہی

جناب صدر! علامہ اقبال کی شاعری کا حسن افتخار وہ نظریۂ خودی ہے جو غلاموں کو آقائی کے آداب سکھاتا ہے۔ بے یقینوں کو یقین اور غم کے ماروں کو زندگی کی نوید عطا کرتا ہے۔ یہ نظریہ تکبر نہیں سکھاتا بلکہ رب واحد کے سامنے سر جھکا کر شاہان عالم کے سامنے گردن اٹھا کر چلنے کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔ غلامی کی شب دیجور میں یہی نظریۂ خودی شمع آزادی بن کر چمکتا ہے۔ بے حمیتوں کو غیرت اور خود داری کے آداب بخشتا ہے۔ یہی پیغام خودی ہے جو حفظ خودداری کا مظہر بن کر یہ شعور بخشتا ہے کہ

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

حاضرین محترم! یہی نظریۂ خودی ہمیں خود شناسی سے خدا شناسی کی منزلوں تک پہنچاتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی اس نظریہ کو نئی تب و تاب عطا

کررہا ہے کہ

"جس نے خود کو پہچانا اس نے رب کو پہچان لیا"

گویا خودی کا جذبہ صاحب ایمان کے باطن کو نور آگہی عطا کرتا ہے اور باطن منور ہوتے ہی رب کریم کی تجلیات جلوہ ریز ہونے لگتی ہیں۔ پھر یہی وہ مقام ہوتا ہے جب بندۂ آزاد کجکلاہوں کی شان سلطانی کو قدموں کی ٹھوکر سے اڑا دیتا ہے۔ حکیم الامت نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یہ پیغام دے گئی ہے مجھے باد صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی
تو عرب ہو یا عجم ہو ترا لا الہ الا
لغت غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

جناب والا! علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ہندی مسلمانوں کو اس وقت جینے کے آداب سکھلائے جب برطانوی سامراج نصف دنیا پر اپنے پنجے گاڑ چکا تھا۔ برطانوی طاغوت یہ نعرہ لگا رہا تھا کہ ہماری سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا اور ہم برصغیر پر کم از کم ہزار سال حکومت کریں گے۔ علامہ محمد اقبال نے نباض فطرت کی حیثیت سے صورت حال کا جائزہ لیا۔ انگریزوں نے مسلمانوں سے سلطنت چھینی تھی اس لئے مسلمان ہی سب سے زیادہ مغضوب تھے۔

والا قدر! ایسے کٹھن دور میں علامہ اقبال نے محسوس کیا کہ فقط حفظ خودی اور پاس خودداری کے ذریعہ ہی مسلمانوں کو اسلام کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا جا سکتا ہے۔ اسی لئے انھوں نے برطانوی سامراج کی قوت کے سامنے سر ٹیکنے والے مسلمانوں کو سمجھایا کہ تمہاری زندگی کا راز حمیت وخودداری میں پوشیدہ ہے۔ کیونکہ یہی حمیت وخودداری مسلمانوں کو مثالی مرد مومن بناتی ہے۔ خاک نشینوں کو شاہینی پرواز عطا

کرتی ہے۔ خدائے واحد کی توحید کا تقدس اور رسالت مصطفوی ﷺ کا شکوہ عطا کرتی ہے۔ اگر خودی کو خضر راہ بنالیا تو پھر زندگی سربلندی کی ضامن بن جائے گی' اور اگر اس سے منہ موڑ لیا تو پھر ذلت و خواری اور روسیاہی مقدر بنے گی۔ اسی تصور کو اقبال نے یوں اجاگر کیا ہے۔

تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا' خدا کا ترجماں ہو جا
خودی میں ڈوب جا غافل یہ سر زندگانی ہے
نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہو جا

جناب والا! اسلامیان برصغیر کے دلوں میں خودی کے جذبۂ لاہوتی کے اتر جانے کا ہی اعجاز تھا کہ انہوں نے روسیاہی کے تاریک پیراہن کو اتار پھینکا اور شاہینی پرواز کے امین بن کر پاکستان کو صفحہ ہستی کا اعزاز بنا دیا۔ اقبال کا یہ پیغام آج بھی فرزندان توحید اور پاکستان کے غیور مسلمانوں کو عظمت و خوداری کا حسن عطا کر رہا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ وہی قوم تاریخ کے اوراق پر جگمگاتی ہے جو غیرت و حمیت کا سودا نہیں کرتی۔ فقر کو فخر اور درویشی کو شہنشاہی سمجھتی ہے۔ چند روز دنیاوی لذات اور ڈالروں کی چمک سے مسحور ہو کر اپنی آزادی رہن نہیں رکھتی۔ تاریخ اسلام ہمیں اس حقیقت ازلی سے آگاہ کرتی ہے کہ کشکول گدائی توڑ کر ہی باوقار قومی زندگی کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

جناب صدر! وطن عزیز کی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی ہم نے اپنے وسائل پر بھروسہ کیا' خودی و خودداری کو خضر راہ بنایا' مساوات اور برابری کی سطح پر اقوام عالم کے سامنے سر اٹھا کر چلنے کا جذبہ پیدا کیا تو تقدیر ہم پر الطاف و کرم کے پھول نچھاور کرنے لگی۔ ناممکنات' ممکنات میں ڈھلنے لگے۔ سربلندی و سرفرازی کے نئے عنوان

رقم ہونے لگے۔ چشم عالم اس منظر کے تصور سے آج تک حیران ہے کہ پاکستان کے غیور اور عظیم سائنسدان نے ہر قسم کے بین الاقوامی دباؤ اور وسائل سے بے نیاز ہو کر چاغی کے پہاڑوں سے ایٹم بم کی قوت کا سورج کیسے طلوع کر لیا۔

حضرات محترم! یہ فقط خودی و خودداری اور حفظ غیرت و حمیت کا انعام ہے۔ ہماری مسلح افواج' ہمارے سائنسدان' ہمارے مفکر' ہمارے محنت کش اور فرزندان پاکستان اس حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ خودی ہی بادشاہی اور باوقار زندگی کی تمہید بنتی ہے۔ اقبال اسی حوالے سے کیا خوب جذبۂ ایمانی عطا کر رہے ہیں۔

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

والا قدر! تاریخ انسانیت کے سب سے بڑے راہنما حضور نبی کریم ﷺ نے خودی اور غیرت کو مسلمان کا امتیاز قرار دیا ہے۔ صحابہ کرام کا اسوہ اور ہمارے عظیم اسلاف کا کردار ہمیں ہر لحظہ اور ہر مقام پر خودی کا پیغام دے رہا ہے۔ خودی ایمان کا دوسرا نام ہے۔ شوکت دین کا پیغام ہے۔ خودی عین روح اسلام ہے۔ خودی غلبۂ دین حق کی صدائے عام ہے۔ خودی وہ سمندر ہے جسکا کوئی کنارا نہیں۔ جب یہ قوت صاحب ایمان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے تو وہ مکان کو ہی نہیں بلکہ لامکان کو بھی تسخیر کر لینے کا عزم کر لیتا ہے۔

جناب صدر! میں شاعر مشرق کے ان اشعار کے ساتھ اپنی گذارشات کو ختم کرتا ہوں۔

بڑھے جا یہ کوہ گراں توڑ کر
طلسم زمان و مکاں توڑ کر
خودی شیر مولا جہاں اس کا صید
زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید
ہر اک منتظر تیری یلغار کا
تیری شوخی فکر و کردار کا
خودی کا نشیمن تیرے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی کے لئے ہے وہ ناں زہر تاب
وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب
مرے عشق کو پر لگا کر اڑا
مری خاک جگنو بنا کر اڑا

پاکستان کی معاشی ترقی کا راز ایٹمی قوت میں ہے

صدرِ ذی وقار اور معزز حاضرین! میری تقریر کا عنوان ہے۔

پاکستان کی معاشی ترقی کا راز سائنسی قوت میں ہے

جناب والا! آج پاکستانی معیشت بحرانوں کی زد میں ہے۔ آبادی کا بڑھتا ہوا سیلاب معیشت کے تمام وسائل کو اپنی لپیٹ میں لینے کو تیار ہے۔ انسانوں کا تیزی سے اگتا ہوا جنگل روٹی، کپڑا اور مکان طلب کر رہا ہے۔ بے روزگار نوکری طلب کر رہا ہے۔ مزدور کا پسینہ خشک ہو چکا مگر اسے اجرت نہیں ملتی۔ کسان انتہائی تگ و دو کے باوجود آبادی کیلئے اناج اگانے سے قاصر ہے۔ زمین ہے مگر رزق کے ذرائع کم یاب ہیں۔ طالب علموں کی علمی ڈگریوں کا وزن انہیں روشن مستقبل کی نوید دینے سے قاصر ہے۔

جناب والا! وقت کی چمنیوں سے ابھرتا ہوا معاشی بدحالی کا دھواں اس لئے پھیل رہا ہے کہ ہم پاکستان کی معاشی ترقی کو وطن کی سائنسی ترقی سے مربوط کرنے کو تیار نہیں ہیں حالانکہ

وقت کی آواز نئے حالات کا پیغام ہے
سائنس کی قوت معاشی عظمتوں کا نام ہے

جناب صدر! ملک کی معیشت کو سنبھالنے والا ایک بڑا شعبہ زراعت کا ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ زمینیں سکڑ رہی ہیں اور افراد بڑھ رہے ہیں۔ اب یہ سائنسی ترقی

کا ہی کمال ہے کہ زمینوں نے اپنے سینے فراخ کر دیئے ہیں۔ نئے نئے کاشتکاری کے آلات' زیادہ فصل دینے والے بیج' زیادہ سے زیادہ اور ہر وقت پانی کی فراہمی' کیڑے مار ادویات کا درست استعمال ہو رہا ہے۔ زراعت کروڑوں انسانوں کا پیٹ ہی نہیں بھرتی بلکہ لاتعداد کسان گھرانوں کو فکر معاش سے بھی بے نیاز کرتی ہے۔ عصر حاضر میں معاشی ترقی کے اس پہلو کی مضبوطی فقط سائنسی ترقی کی مرہون منت ہے۔ ورنہ پرانے ہل کی رفتار اور رہٹ کی آواز تو اب تک لاکھوں انسانوں کا گلا گھونٹ چکی ہوتی۔

جناب والا! سائنس نے زمان و مکان کے فاصلوں کو مختصر کر دیا ہے۔ آج کا دور کمپیوٹر کا دور ہے۔ ہوائی جہازوں نے فاصلے سمیٹ لئے ہیں۔ معاشی ترقی کیلئے ذرائع رسل و رسائل کی بہتری اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ سائنسی ترقی کا ہی کرشمہ ہے کہ ٹیلیفون اور فیکس نے بین البراعظمی فاصلے مٹا دیئے ہیں۔ ملک میں موٹر ویز کا قیام بلاشبہ کار عظیم ہے۔ لاکھوں انسانوں کو روزگار بھی مل رہا ہے اور تجارتی و معاشرتی اور معاشی رابطے بھی پھیل رہے ہیں۔ پہاڑوں اور سمندروں نے فکر معاش میں آگے بڑھنے والوں کے قدم روک دیئے تھے مگر سائنسی ترقی نے پہاڑوں کو روئی کے گالوں کی طرح اڑا دیا ہے اور سمندروں کے اندر راستے تعمیر کر کے تیل نکالا جا رہا ہے۔ معدنیات کا حصول بھی سائنسی ترقی کا مرہون منت ہے غرضیکہ

میدان کہ صحرا ہے' زمیں ہے کہ خلاء ہے
سائنس کی ترقی کا جنوں پھیل رہا ہے
ملت کی معیشت ہے کہ فطرت کی صدا ہے
سائنس کا حوالہ ہی بڑا سب سے بڑا ہے

صدر محترم! زمینوں کی آباد کاری سے لے کر دفاع وطن تک سائنسی ترقی کی ضرورت ہے۔ ملازم ہو یا سرمایہ دار' تاجر ہو یا صنعت کار کوئی فرد بھی اس وقت

تک معاشی ترقی سے فیضیاب نہیں ہوسکتا جب تک وہ جسمانی اور روحانی طور پر صحت مند اور توانا نہ ہو۔ یہی صحت اور توانائی ان ہسپتالوں' علاج گاہوں اور تجربہ گاہوں کو جنم دیتی ہے جہاں سے بیماریوں کا خاتمہ کرنیوالی دوائیں وجود میں آتی ہیں اور جدید سائنسی آلات منظر عام پر آتے ہیں۔

جناب والا! اگر ہم نے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلیں تو حقائق نہیں بدلیں گے۔ آج ہر ایک فکر معاش میں الجھا ہوا ہے مگر سائنسی ترقی کی عظمت پہچاننے سے عاری ہے۔ ہماری زمینوں میں تیل کے ذخائر موجود ہیں۔ معدنیات کے خزانے دفن ہیں۔ ہماری زمینیں اتنا اناج دے سکتی ہیں کہ ہم خود کفیل ہو کر دوسرے ملکوں کو بھی اناج برآمد کرسکیں۔ تقدیر ہماری دشمن نہیں۔ تقدیر تو صاحب ایمان کی تدبیر کی پابند ہے اور تدبیر و جستجو ہی سائنسی ترقی کی بنیاد بنتی ہیں۔

اس لئے جناب صدر! ہمیں قومی اور نجی سطح پر سائنسی ترقی کیلئے تمام قوتیں صرف کرنا ہوں گی۔ ہماری درس گاہیں' یونیورسٹیاں' ایٹمی مراکز اور سائنسی تجربہ گاہیں ہمیں سائنس کے میدان میں آگے بڑھنے کا پیغام دے رہی ہیں۔ اپنے وطن میں کیا نہیں ہے۔ ہم فکر معاش میں دبلے ہو رہے ہیں مگر وطن کی محبت اور ایثار سے جی چراتے ہیں۔ ہمارا معاشی ڈھانچہ لاکھ کمزور سہی مگر یہ سائنسی ترقی کے سہارے کھڑا ہے۔ اگر ہم ہر میدان میں سائنسی ترقی کی معراج کو چھولیں تو ملک بھر میں بھرپور معاشی ترقی کے لالہ و گلاب مہک اٹھیں گے۔

جناب والا! آج کے اس ایوان میں ہر فرزند وطن تک علامہ اقبال کا یہ پیغام پہنچاتے ہوئے اجازت چاہوں گا۔

آؤ کریں وہ کام کہ سائنس ہو راہنما
پرچم اڑے پھر چار سو اپنے وقار کا

ارضِ پاکستان ...... ایٹمی قوت

صدر عالی مرتبت اور حاضرین والا قدر! مجھے آج کے ایوان میں جس موضوع کو الفاظ کے گلدستہ کی زینت بنانا ہے' وہ ہے۔

ارضِ پاکستان ...... ایٹمی قوت

والا قدر! میں تاریخ کے آئینہ خانے کے سامنے کھڑا ہوں۔ پاکستان دولخت ہو چکا تھا۔ کراچی میں عظیم الشان ایٹمی مرکز قائم کرنے والی کینیڈا کی حکومت ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت پاکستان سے ناراض ہوگئی' اور کینیڈا کی حکومت نے یہ کہہ کر ایٹمی مرکز کے چیئرمین سے لے کرادنیٰ کارکن تک واپس بلالئے کہ اب پاکستان کا سب سے بڑا شہر اندھیروں میں ڈوب جائے گا' اور پاکستان کی معیشت کا بازوئے شمشیرزن مفلوج کر دیا جائے گا۔ پوری قوم ایک بھیانک خواب سے دوچار تھی کہ پاکستان کے اس وقت کے مقتدر اعلیٰ کی آواز گونجی کہ ہم گھاس کھالیں گے مگر پاکستان کی معیشت کو مضبوط بنانے کیلئے سائنسی اور ایٹمی قوت ضرور حاصل کریں گے۔

حضرات محترم! یہ نعرہ ایک فرد کا نہیں بلکہ پوری قوم کا تھا۔ فرد متنازعہ ہو سکتا ہے مگر یہ حقیقت غیر متنازعہ تھی کہ پاکستان کی ترقی کا راز سائنسی قوت میں مضمر ہے۔ کارخانوں کا چلنا' مشینوں کے پہیے کا حرکت میں رہنا' زمینوں کا سونا اگلنا' فصلوں کو روندنے والے طوفانوں پر قابو پانا' دریاؤں کو مرضی کا پابند بنانا' ہمالہ صفت بیراج تعمیر کرنا' پانی کی فراہمی کے ساتھ بجلی کی ترسیل کو بڑھانا' معاشرتی ترقی کی راہ میں

رکاوٹ بننے والے مسائل پر قابو پانا' وسائل اور ذرائع کے ان دیکھے جزائر کی دریافت' یہ سب سائنسی ترقی کا کمال ہے جو معاشی ترقی کو اپنے شانہ بشانہ لئے عظمت قوم و وطن کا نیا باب اس اعلان کے ساتھ رقم کر رہی ہے کہ

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد
مقام شوق تیرے قدسیوں کے بس کا نہیں
انہی کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد

جناب والا! سائنس فطرت کے مشاہدات کو بروئے کار لانے کا نام ہے۔ سائنس کی ترقی تہذیب و تمدن کی ترقی ہے۔ سائنسی علوم کا ارتقا پاکستان کی معاشی ترقی کا منطقی عمل ہے۔ سائنس لفظوں کے گھروندے نہیں بناتی بلکہ عمل پیہم کا حسن نکھارتی ہے' معاشی ترقی اس وقت تک ممکن نہیں' جب تک ہر فرد خوشحال نہ ہو' ہر ایک کو روزگار میسر نہ ہو۔ پیٹ بھرے ہوئے اور جسم کپڑوں سے سجے ہوئے نہ ہوں۔ انسانوں کو امن و راحت کی چھت میسر نہ ہو۔ اگر اس حقیقت کو کسوٹی جان کر پرکھا جائے تو پاکستان کی سائنسی ترقی کے سائے میں معاشی ترقی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا نظر آتا ہے۔ سائنس صرف خلاؤں کو ہی تسخیر نہیں کرتی' بنجر زمینوں سے اناج کے موتی اگاتی ہے۔ اگر ملک میں سائنسی ترقی کا عمل محدود تر ہوتی ہوئی زمینوں سے لامحدود اناج نہ اگاتا تو کسانوں کا طبقہ کب کا بھوک کی صلیب پر لٹک گیا ہوتا۔

جناب صدر! سائنس صرف ایٹم بم بنانے کا نام نہیں۔ جوہری توانائی ملک میں پھیلے ہوئے کارخانوں کے جال کو نئی زندگی دے رہی ہے۔ یہی کارخانے ہیں۔ جہاں لاکھوں مزدوروں کا معاشی مستقبل وابستہ ہے۔ جدید انداز میں سڑکیں بنیں گی اور بے شمار انسانوں کو معاشی خوشحالی نصیب ہوگی۔

جناب والا! فکر معاش کا سلسلہ اس وقت تک دراز نہیں ہو سکتا جب تک ملک کے افراد کو نظریاتی، جغرافیائی اور روحانی تحفظ حاصل نہ ہو۔ یہ تحفظ بلاشبہ سائنسی ترقی فراہم کرتی ہے۔ جوہری توانائی اور سائنسی ٹیکنالوجی کے فروغ سے وجود پانے والے ہتھیار جب پاکستان کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کے پاسداروں کے ہاتھ میں آتے ہیں تو دشمن لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ اور وطن کے محنت کش مکمل اطمینان اور ذہنی یکسوئی کے ساتھ معاشی ترقی اور خوشحالی کیلئے جدوجہد کرتے ہیں۔ جوہری ہتھیاروں کی یہ قوت امن و راحت کی کلید ہے تاکہ ملک کے کسان کھیتوں میں ستارے بو کر چاند اگاتے رہیں۔ محنت کش صنعتی مراکز کی آبرو بنے رہیں۔ کارخانے ملک کی معیشت کو مضبوط بناتے رہیں اور قوم کا ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارا بن کر ملکی معیشت کو حیات نو دیتا رہے۔

جناب صدر! اگر سرحدیں غیر محفوظ ہوں گی تو معاشی ترقی محض ایک مفروضہ بن جائے گی، مگر سائنسی ترقی ہمیں سرحدوں کی حفاظت کی ضمانت عطا کرتی ہے۔ تاکہ کاروان معیشت ترقی و سربلندی کی بلند منزلوں کی جانب رواں دواں رہے۔

جناب صدر! سائنس، فکر و تدبر کی بالاتری کا نام ہے۔ سائنس کے قدم وقت سے زیادہ تیز رفتار اور اس کی قوت مہر و ماہ کی راکب ہے۔ سائنس وقت کی معراج اور دنیا بھر کے وسائل پر گرفت کا دوسرا نام ہے۔ جب ہماری قوم کے ادنیٰ محنت کش سے لے کر پالیسی ساز اداروں کے حکمرانوں تک سب سائنس کی برکات سے استفادہ کریں گے تو پاکستان کے طول و عرض میں معاشی ترقی کے سنہرے رنگ طلوع ہوں گے، اور یہی وہ وقت ہوگا کہ جب مورخ کا قلم جلی حروف کے ساتھ یہ حقیقت تحریر کرے گا کہ

پاکستان کی معاشی ترقی کا راز سائنسی قوت میں ہے

پاکستان ایٹمی قوت اور اکیسویں صدی کے تقاضے

صدر ذی وقار اور حاضرین محترم! مجھے آج جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے، وہ ہے۔

''پاکستان ایٹمی قوت اور اکیسویں صدی کے تقاضے''

جناب والا! ہمارے محسوسات کو اکیسویں صدی کی چاپ سنائی دے رہی ہے۔ یہ عین فضل ربی ہے کہ جب اکیسویں صدی کا سورج طلوع ہو رہا ہوگا تو ہمارے عظیم سائنس دانوں کو جوہری توانائی کو تسخیر کئے ہوئے کتنے ہی اس بیت چکے ہوں گے۔ ستاروں پر کمندیں ڈالنے والوں کے ہاتھوں معجزہ رونما ہو گیا۔ ایٹمی دھماکوں کے ساتھ ہی پاکستان ایٹمی قوت بن گیا۔ کل بھی پرتھوی راج کے مقابلے میں محمد غوری تھا اور آج پرتھوی کے ناپاک عزائم کو غوری میزائل خاک میں ملا رہا ہے۔ تاریخ نے خود کو پوری شان کے ساتھ دہرایا ہے۔ اکیسویں صدی نئے تقاضے اور آزمائشیں لے کر آ رہی ہے اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی زیر قیادت مسافران شوق کا ہراول دستہ پوری قوم کو اس عزم سے آراستہ کر چکا ہے کہ

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے
پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

صدر ذی وقار! جب پر شور آندھیوں کی آمد ہو تو شاہین پہلے ہی پر پھیلا لیتا ہے۔ جب زندگی بحرانوں کی زد میں ہو تو محبان وطن پہلے ہی حب الوطنی کے چراغ روشن کر لیتے ہیں۔ جب سفر طویل اور کٹھن ہو تو جادہ پیما سر شام ہی سامان سفر باندھ لیتے ہیں۔ یہ لفظوں کی اڑان نہیں بلکہ زندہ قوموں کا انداز حیات ہے۔ یہی انداز حیات ۲۸ مئی ۱۹۹۸ء کو چاغی کی پہاڑیوں سے عزم و عمل کا سرچشمہ بن کر ابھرا۔ ایٹمی دھماکے ہوئے۔ ایک طرف سبز ہلالی پرچم کی اڑان نعرۂ تکبیر سے ہم آہنگ ہوگئی اور دوسری طرف ان دھماکوں کی صدائے بازگشت سے ہندو، رام راج کی کوکھ سے جنم لینے والوں کے سینے شق ہو گئے۔

جناب صدر! اکیسویں صدی کا تقاضا ہے کہ کشمیر کے شہداء کے لہو کا قرض چکایا جائے۔ کشمیر کے چنار سلگ رہے ہیں۔ جہاں ہر گھر مورچہ ہے اور ہر گلی میدان جنگ۔ جہاں بچے آزادی کے نام پر جنم لیتے اور جوان شہادت کے نام پر موت کو سینے سے لگاتے ہیں۔ کشمیر ایران صغیر مگر بھارتی درندوں نے اس کا حسن پامال کر دیا ہے۔ پاکستان کے ایٹمی دھماکوں نے عالمی ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ پاکستان کے ایٹمی دھماکوں سے قبل بھارت نے ایٹمی دھماکے کرتے ہی کشمیریوں کو کچلنے اور پاکستان پر حملہ آور ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ مگر پاکستان کے ایٹمی دھماکوں نے اس اعلان کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں، اور اپنی مرضی منوانے کا دعویدار بھارت پاکستان سے مذاکرات کی میز پر آنے کی درخواست کر رہا ہے۔ امن بہت ضروری ہے مگر یہ امن کشمیر کی قیمت پر نہیں ہوگا۔ اب کشمیر کی غلامی کی زنجیریں ٹوٹ کر رہیں گی۔ آزادی کا سویرا طلوع ہوگا اور جنت ارضی کو اس کا حسن لوٹایا جائے گا۔

صدر محترم! اکیسویں صدی عالم اسلام کو مضبوط اور متحد دیکھنا چاہتی ہے۔ بیت المقدس، بوسینیا اور چیچنیا کی غلامی کی رات کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ طاغوتی طاقتیں

پہلے ہی عراق کے ایٹمی پروگرام پر شب خون مار چکی ہیں۔ پاکستان کی ایٹمی قوت پورے عالم اسلام کا اعزاز اور شوکت ایمان کا پیغام ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا ہے اور اس کا سب کچھ اسلام کیلئے ہے۔ اب پاکستان کی ایٹمی قوت کے سائے تلے دنیا نیل سے نلے کرتا بخاک کاشغر تک عالم اسلام کو متحد ہوتے اور زمانے بھر کی امامت و قیادت کا تاج پہنتے دیکھے گی۔ پاکستان کی ایٹمی قوت شاعر مشرق کے لفظوں میں یہی پیغام سنا رہی ہے کہ

سرشک چشم مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

جناب والا! آنے والی صدی کا تقاضا ہے کہ ایٹمی قوت سے کام لے کر غربت وافلاس کے جنگل کو کاٹ کر رکھ دیا جائے۔ بنجر کھیتوں کو سرسبز وشاداب کیا جائے۔ نئی کھادیں اور بیج متعارف کروائے جائیں۔ مزید ڈیم اور بیراج بنائے جائیں۔ بجلی زیادہ سے زیادہ پیدا کی جائے۔ انشاء اللہ میرے وطن کی ایٹمی قوت کی بدولت زرعی اور صنعتی انقلاب کا ملاپ ہوگا۔ کھیتوں میں ہل اور کارخانوں میں پہیہ چلتا رہے گا۔ اہل وطن کو روزگار اور زندگی کا حسن عطا ہوگا۔

جناب صدر! عالم انسانیت امن وسکون کیلئے ترس رہا ہے۔ پاکستان کی ایٹمی قوت زمانے بھر کیلئے امن وراحت کا پیغام ہے۔ ہمارے ایٹمی دھماکوں نے وطن عزیز کی سرحدیں محفوظ کر دی ہیں۔ جب سرحدیں محفوظ ہوں تو کھیتوں میں ہل اور کارخانوں میں پہیہ چلتا ہے۔ سرحدیں محفوظ ہوں تو شاعر کے قلم اور مغنی کی نوا سے امن کے ترانے پھوٹتے ہیں۔ سرحدیں محفوظ ہوں تو علم کو عروج اور معیشت کو کمال

حاصل ہوتا ہے۔ سرحدیں محفوظ ہوں تو ستاروں پر کمندیں ڈالنے اور مہر و ماہ کو تسخیر کرنے کے عزائم جنم لیتے ہیں۔ سرحدیں محفوظ ہوں تو غربت و جہالت کو پاؤں تلے روندنے کا حوصلہ بیدار ہوتا ہے۔

جناب والا! پاکستان کی ایٹمی قوت اکیسویں صدی کے تقاضوں کا عملی جواب ہے۔ اب فقط لفظوں کے پھول نہیں بکھریں گے بلکہ امن کی کہکشاں بھی اترے گی۔ میں پاکستان کی ایٹمی قوت کو سلام کرتے ہوئے اس عزم کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں کہ

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہوگا' یہی ہے اک حرف محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی اسی کا مشتاق ہے زمانہ
جہان نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالم پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

یوم یکجہتی پاکستان

صدر والا قدر اور محترم حاضرین! آج کے پرشکوہ ایوان میں میری تقریر کا عنوان ہے۔

''یوم یکجہتی پاکستان''

جناب والا! پاکستان کا نام لبوں پر آتے ہی رحمت خداوندی کی باد خوشگوار چلنے لگتی ہے۔ پاکستان محض ایک ملک کا نام نہیں بلکہ ایک عظیم نظریئے کی سربلندی کا پیغام ہے۔ یہ فقط ایک خطہ زمین نہیں بلکہ یہاں کا ذرہ ذرہ اسلامی غیرت کا امین ہے۔ یہ صرف ایک ریاست نہیں بلکہ خدائے قدوس کی عظیم امانت ہے۔ کروڑوں فرزندان توحید کیلئے لطف و رحمت کا سائبان۔ ہند کے کفرستان سے ابھرنے والا خطۂ جنت نشان۔ کراچی کے ساحلوں سے لے کر خیبر کی بلندیوں تک بکھرا ہوا ملی حمیت کا جذبۂ عالی شان' کہ جس کے ذروں کی تب و تاب دیکھ کر شاعر کا قلم مچل اٹھے۔

یہ ارض وطن نور کے سانچے میں ڈھلی ہے
یہ حسن یقیں' وقت کا شہکار جلی ہے
وہ خلد بریں جس پہ تصدق ہیں بہاریں
وہ خلد بھی اس دیس کی پرنور گلی ہے

جناب صدر! اپنا وطن کسے عزیز نہیں ہوتا اور پھر یہ وطن تو لاکھوں شہداء کا ورثہ ہے۔ بیشمار دختران اسلام کی آبرو نے اسے روشن مستقبل کی آبرو بخشی ہے۔

اس کا خمیر دو قومی نظریہ اسلام سے ابھرا ہے۔ وہ دو قومی نظریہ جس نے اسلامیان پاکستان کو آزادی کی صبح نو سے ہمکنار کیا۔ یہ ارض وطن خدا کا عظیم احسان ہے۔ اسلامیان برصغیر پر اللہ کا سب سے بڑا انعام ہے۔ یہ تو وقت کے سنہری ہاتھوں میں چھلکتا ہوا حیات تازہ کا جام ہے۔ شہیدوں کے مقدس لہو کے سمندر سے ابھرنے والے سورج کا انعام ہے۔ یہ وطن کہ جس کی عظمت کے سامنے محبان وطن کی جبینیں خم ہو جاتی ہیں اور وہ پکار اٹھتے ہیں۔

ہر ذرہ ستارا ہے، ہر غنچہ گلستاں ہے
فطرت کی تجلی کا ہر گوشہ نمایاں ہے
اک نقش ہے مستحکم، اک رنگ ہے روز افزوں
اڑتا ہوا پرچم ہے، مہکا ہوا عنواں ہے
اے مشعل آزادی ضو ریز و فروزاں باش
تو عزم کا شعلہ ہے تو خون شہیداں ہے

محترم حاضرین! آج ہم پاکستان سے یکجہتی کا دن منا رہے ہیں۔ وہ پاکستان جو ہمارے لئے رحمتوں کا سائبان ہے۔ وقت کی تمازتوں میں امن و راحت کا گلستان ہے۔ راحت زندگی اور مونس قلب و جان ہے۔ جب آندھیوں کی آمد ہوتی ہے تو کمزور سے کمزور پرندہ بھی اپنے آشیاں کی حفاظت کرتا ہے اور پھر ہم تو توحید کی امانت کے پاسدار ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے حاشیہ بردار ہیں۔ شہدائے بدر و احد کی جرأت رندانہ کے علمبردار ہیں۔ محمد بن قاسم، صلاح الدین ایوبی اور فتح علی ٹیپو کی روایات سے ضوبار ہیں۔ پھر ہم کیسے گوارا کر سکتے ہیں کہ اس وطن عزیز پر معمولی سی آنچ آ جائے۔ ہم اگر رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کی تویر ہیں تو اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّار کی تفسیر بھی ہیں۔

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا
باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کرچکا ہے تو امتحاں ہمارا

جناب والا! آج کا دن وطن سے جذباتی وابستگی کے اظہار کا دن ہے۔ کاروان خدمت قوم کی گرمی رفتار کا دن ہے۔ معجز بیان، قلم کاروں کی شوخی گفتار کا دن ہے۔ حب الوطنی کے نام سے عبارت پانے والے کردار کے اظہار کا دن ہے۔ جس وطن نے ہمیں سب کچھ دیا اس سے یکجہتی کے اقرار کا دن ہے۔ آج کا دن اس عہد کی پاسداری کا دن ہے کہ

سدا ہم رہیں گے وطن کے نگہباں
وطن اپنا کعبہ، وطن اپنا ایماں
یہ پربت، یہ جھرنے، یہ اشجار اس کے
یہ جنگل، یہ صحرا، یہ گلزار اس کے
کسی کو بھی رونق مٹانے نہ دیں گے
وطن پر کبھی آنچ آنے نہ دیں گے

صدر ذی وقار! جب قافلے زندگی کے ریگستانوں میں سفر کرتے کرتے تھک جائیں تو حدی خوانوں کی صدائے عزم آفریں ابھرتی ہے۔ ایسی صدا جو تھکے ہوئے قدموں کو منزلوں کا سراغ بخشتی ہے اور بوجھل اعصاب کو حیات نو کا ولولۂ تازہ عطا کرتی ہے۔ یوم یکجہتی پاکستان بھی حدی خوانی کا دن ہے۔ ایسی حدی خوانی جو یوم احتساب کا پیغام بھی ہو اور تجدید عہد کا عنوان بھی۔ ایسی حدی خوانی جو وطن کے ہر فرزند کو حب الوطنی کی عملی تصویر بنا سکے۔ ایسی حدی خوانی جو عروس وطن پر اپنی

بہترین صلاحیتوں کے ارمغان نچھاور کرنے کا حوصلہ بخش سکے۔ وقت کا مغنی زندگی کے افق سے آواز دے رہا ہے۔ مجھے اس کی آواز روح کی گہرائیوں میں اترتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے' اور یقیناً آپ بھی اس احساس سے شادکام ہوں گے۔

آج ایسا نہیں' ایسا نہیں ہونے دینا
اے میرے سوختہ جانو' میرے پیارے لوگو
اب کے گر زلزلہ آیا تو قیامت ہوگی
میرے دلگیر میرے درد کے مارے لوگو
کسی غاصب کسی ظالم کسی قاتل کے لئے
خود کو تقسیم نہ کرنا مرے سارے لوگو

منشیات کی لعنت اور اس کا تدارک

صدر والا قدر اور معزز حاضرین! آج کا موضوع تقریر دلوں کے خلوت کدوں سے ابھرنے والی صدا ہے کہ
"منشیات کی طرف راغب ہونے کے عوامل کا تجزیہ اور تدارک کے اقدامات"
جناب والا! یہ عنوان دو حصوں پر مشتمل ہے مگر یہ دونوں حصے بے حمیتی کے سیل بے کراں میں دم توڑتی ہوئی زندگی کو آخری سنبھالا دینے کیلئے لازم وملزوم ہوگئے ہیں۔ نشہ ایک لعنت ہے۔ قطرہ قطرہ زندگی نچوڑنے والا زہرناک عمل ہے۔ ہمارے واعظین، مصلحین اور دانشور اس پیغام نور کو پھیلاتے پھیلاتے تھک گئے کہ نشہ حرام ہے، اور جو چیز حرام ہے اس کی انتہائی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔ مگر ہماری فکری بے بسی کا تماشا دیکھئے کہ دوا ہوتی رہی اور مرض بڑھتا گیا۔ تقاریر کی مسندیں سجتی رہیں اور منشیات کا زہر خواہشات اور امنگوں کے آباد جزیروں کو عبرت کے کھنڈرات میں تبدیل کرتا رہا۔

جناب والا! آخر ایسا کیوں ہوا؟ اسکا سبب ہمارے چہروں پر پھٹکار برساتی ہوئی منافقت ہے۔ ٹیلیویژن پر سگریٹ پینے والا شیر کو ایک ہی وار میں موت کی نیند بھی سلا دیتا ہے اور ساتھ ہی ٹیلیویژن سگریٹ کے ضرر رساں ہونے کی نوید بھی سناتا ہے۔ ذرائع ابلاغ کے خداوند منشیات کی لعنت کیخلاف مذاکرے بھی کرواتے ہیں اور ہر گھر میں موجود اس چھوٹی سکرین کا ہر ڈرامہ منشیات کے شکار نوجوانوں کو

قوم کی پہچان بنانے کیلئے تمام قوتیں صرف کر رہا ہوتا ہے۔ پاکستان اسلامی مملکت ہے۔ شراب حرام ہے مگر غیر مسلموں کو شراب کے پرمٹ عطا کئے جاتے ہیں۔ غیر مسلم پکارتے ہیں کہ ہماری بائیبل میں بھی شراب حرام ہے مگر انہیں چور دروازوں سے پرمٹوں سے نوازا جاتا ہے تاکہ نام نہاد فرزندان توحید بے حیائی کی آگ کے اپنے آپ کو سپرد کرسکیں۔ جب گناہ کو تہذیب اور نشے کو آلام سے فرار کا نام دے دیا جائے تو وقت کے بغداد اور قاہرہ یونہی اجڑا کرتے ہیں۔ مگر ہماری ڈھٹائی دیکھئے۔

منافقت کے لپکتے شعلے ہمارا آنگن جلا رہے ہیں
ہم اپنے کاندھوں پہ اپنا مقتل سجا کے بھی مسکرا رہے ہیں
یہ زرد مدقوق روتے چہرے' یہ چوکھٹے ماؤں کی لحد کے
یہ موت کو زندگی سمجھ کر حیا دھویں میں اڑا رہے ہیں

جناب صدر! منشیات کے عام ہونے کے محرکات کا جائزہ لینے لگیں تو قدم قدم پر ضمیر مصلوب ہوتا نظر آتا ہے۔ بے روزگاری' غربت' جہالت' مادر پدر آزادی' ناجائز خواہشات کا پھنکارتا ہوا عفریت جو فرد ہی نہیں پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لینے کی ہمت رکھتا ہے۔ گلیوں' بازاروں اور چوراہوں میں کھلے بندوں تقسیم ہوتی ہوئی ہیروئن کی یلغار۔ جب دارالامان نشے کی تقسیم کا سامان بن جائیں۔ جب قانون کے محافظوں کے زیر سایہ یہ زہر بٹنے لگے۔ جب منشیات کے عبرت کدے میں پناہ ڈھونڈنے والے ہاتھ ماؤں کی گردن کی جانب لپکنے لگیں' جب عزتوں کے محافظ بہنوں کی چادر عصمت چاک کرنے لگیں۔ جب طالب علم کتاب کے بجائے کلاشنکوف اٹھالیں اور اسی کی دہشت کے سائے میں منشیات فروشی موت کو ارزاں کردے تو محرکات وعوامل کی تلاش میں بھٹکنے والا فقط یہی صدائے درد ناک بلند کرسکے گا۔

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں
تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

جناب والا! جس طرح مرض کے مکمل علاج کیلئے اس کی بہترین تشخیص ضروری ہے' اسی طرح محرکات وعوامل کا جائزہ منشیات کی لعنت کے خاتمہ کیلئے اہم ترین کردار ادا کرسکتا ہے۔ اس کیلئے ہمیں گفتار سے زیادہ کردار کا غازی بننا پڑے گا۔ فرد قوم کے مقدر کا درخشندہ ستارہ ہے اسے درندہ بنانے والے ہاتھوں کو بے نقاب کرنا پڑے گا۔ پرنالہ ہمیشہ اوپر سے نیچے کو بہتا ہے' اس لئے سزا اور احتساب کا عمل بلند سطح سے شروع کرنا ہوگا۔ ایک فرد کا قاتل اگر سزائے موت کا حق دار ہے تو بے شمار ماؤں کے جگر پاروں سے لہو کی حرارت چھین کر انہیں موت کے گھاٹ اتارنے والا کیوں سزا سے بچ نکلتا ہے۔ کہتے ہیں قانون اندھا ہے مگر اسے انصاف کے راستے سے بھٹکانے والی آنکھیں کون دیتا ہے۔ کیا ستم ہے کہ ہم نے صرف منشیات سازی میں ہی خود کفیل ہونا تھا۔ امریکہ پاکستان کے منشیات سازوں کی تو حوصلہ افزائی کرتا ہے مگر اس کے اپنے ملک میں ہیروئن کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں اتنی کڑی سزائیں ہیں کہ ان کا تصور کر کے اس سپر پاور کے دہرے معیار اخلاق پر حیرت ہوتی ہے۔ ترکی سمیت کئی ملکوں میں منشیات فروشی کی سزا موت ہے تو ہمیں بھی کچھ ایسا ہی سوچنا ہوگا۔

جناب صدر محترم! ہمارے ذرائع ابلاغ کو موثر کردار ادا کرنا چاہیے۔ نشہ خواہ سگریٹ کے ایک کش کا ہو یا ہیروئن کی پڑیا کا۔ چرس اور افیون کا ہو یا شراب کا' اسے چند سکوں کیلئے ترغیب انگیز انداز میں پیش نہیں کرنا چاہیے۔ ٹیلیویژن ہو یا اخبارات انہیں جرائم کی رپورٹنگ یا ڈراموں کے حوالے سے محض مقبولیت یا اشاعت کا گراف اونچا کرنے کیلئے پوری قوم کے مقدر کو داؤ پر نہیں لگا دینا چاہیے۔ ہماری

پولیس منشیات سازوں اور منشیات فروشوں سے باخبر ہوتی ہے اوپر سے دباؤ آجائے تو چند دنوں کیلئے منشیات مافیا کے گاڈ فادر چند چھوٹی بھیڑیں انہیں مستعار بھی دے دیتے ہیں مگر پھر وہ بھی غائب ہو جاتے ہیں۔ پولیس ہم سے جدا نہیں وہ بھی معاشرے کا حصہ ہے۔ ضمیر کو بیدار کرنا ہوگا کہ منشیات کے زہر نے کتنے محمد بن قاسم' صلاح الدین ایوبی' غزالی اور ملک کے شفاف مستقبل کے آئینے کو دھندلا کر دیا ہے۔

جناب والا! ہم میں سے کوئی بھی اس لعنت کے بدترین اثرات سے بے خبر نہیں ہے۔ ہمیں اپنے اپنے تعلیمی اور تہذیبی اداروں کا جائزہ لینا چاہیے۔ ہم منشیات کے خاتمے کیلئے ایک ہو جائیں تو پھر کوئی مافیا بھی ہم پر غلبہ نہیں پا سکتا۔ وہ فاقہ کش جو اسم محمد ﷺ کو سینے سے لگا کر نہیں ڈرتا اس کے بدن سے روح محمد ﷺ نکالنے والے ہاتھوں کو توڑنا ہوگا۔ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے۔ اس کے اثاثی نظریہ کو منشیات کی قبر میں اتارنے والوں کے عزائم کو ناکام بنانا ہوگا۔ ہمارے خطیبوں نے مسلکی اعتقادات کے تحفظ کیلئے صدیوں سے منبر و محراب کو جولاں گاہ بنا رکھا ہے۔ انہیں بھی منشیات کے خلاف اعلان جنگ کرنا ہوگا کیونکہ ان کے سامعین منشیات سے محفوظ ہوں گے تو وہ اپنی خطابت کے جوہر دکھا سکیں گے ورنہ قبرستان کے شہر خموشاں میں ان کی خطابت کی سحر طرازی کون دیکھے گا۔

عرضیکہ: جناب والا ہم میں سے کوئی طالب علم ہے یا استاد' بیوروکریٹ ہے یا تاجر' عالم ہے یا دانشوار' ذرائع ابلاغ کا پالیسی ساز ہے یا صحافی' ڈاکٹر ہے یا سماجی کارکن' پولیس کا عہدیدار ہے یا کسی اور حساس ادارے کا نگہدار' سب کو ایک ہو کر اس لعنت کے خلاف جہاد کا جذبہ اجاگر کرنا ہوگا۔ ہمیشہ جذبہ ہی قوموں کی شیرازہ بندی کرتا ہے' بے حس افراد کبھی انقلاب کو جنم نہیں دے سکتے۔ آج کی طرح سیمینار اور تقریری مقابلے کثرت سے منعقد کیے جائیں۔ سزاؤں کا عمل سخت سے سخت تر

کر دیا جائے۔ منشیات کی لعنت کا شکار ہونے والے افراد کی صحت کی بحالی کیلئے حکومتی اور سماجی سطح پر زیادہ سے زیادہ مراکز قائم کئے جائیں۔

جناب والا! ایک دوسرے کو الزام دینے کی بجائے سب ایک ہو کر کام کریں، قدرت ہر قوم کو سنبھلنے کا ایک موقع ضرور دیتی ہے۔ ہمیں بھی نوشتۂ دیوار پڑھ لینا چاہیے کہ یہ موقع کہیں آخری موقع نہ ہو۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ اگر ہمالیہ کے چشمے ابل کر گراں خواب چینوں کو حیات نو دے سکتے ہیں تو پھر ہم منشیات کی لعنت کو جڑ سے اکھاڑ کر کیوں ختم نہیں کر سکتے۔ اس مقصد کی خاطر ہمیں فکر اقبال سے اس طور راہنمائی لینا پڑے گی۔

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شر رفشاں ہوگی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہوگا
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے میں نے یہ قدسیوں سے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

جناب صدر! منشیات کی لعنت کتنی بڑی سہی اسے اسلامی جذبۂ جہاد سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ چشم عالم چودہ سو سال پہلے کے اس حسین منظر کا تصور کرتی ہے۔ جب مسلمانوں کیلئے شراب حرام قرار دے دی گئی۔ حکم ربانی گونجا اور مدینہ کی گلیوں میں شراب گندے پانی کی طرح بہا دی گئی۔ کسی نے بارگاہ حضور ﷺ میں ایک لحظہ کیلئے بھی حکم سے سرتابی کا اظہار نہ کیا۔ اگر دلوں میں شمع عشق مصطفوی ﷺ اجالے بکھیر رہی ہو تو پھر منشیات کی تاریک رات کا خاتمہ ناممکن نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے پاک وطن کی مقدس سرزمین کا وہ قرض اتارنے کی کوشش کریں جو قیام پاکستان کے وقت لاکھوں شہداء کے پاکیزہ لہو کی حرمت کی صورت میں ہمارے ذمے واجب الادا ہے۔ منشیات سے متاثر ہونے والے وہ لوگ جنہیں بدترین تاریک راتوں کے مسافر

ہیں وہ بھی ہماری ہمدردیوں اور علاج کے مستحق ہیں مگر وہ نادیدہ طاقتور ہاتھ جنہوں نے انہیں اس بدترین انجام سے دوچار کیا گیا کسی ہمدردی یا نرمی کے مستحق نہیں۔ درد و آلام کی یہ شب تاریک بھی آخر کٹ جائے گی اور وہ سویرا ضرور طلوع ہوگا جو ملت پاکستان کے ہر فرد کو منشیات کی لعنت سے پاک زندگی کی نوید دے گا۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی

آزادی......انعام خداوندی

صدر عالی مرتبت اور حاضرین والا تبار! میں آج کی اس پروقار تقریب میں آزادی کی نعمت کو واضح کرنا چاہتا ہوں۔

جناب والا! آزادی ایک عظیم ترین نعمت اور عام انسانیت کیلئے قدرت کا سب سے بڑا انعام ہے۔ آزادی صرف ایک لفظ نہیں' زندگی کا افتخار ہے۔ یہ صرف ایک ادبی ترکیب نہیں' صبح حیات کا نکھار ہے۔ آزادی کی قیمت ان محکوم قوموں سے پوچھو جو غلامی کی تاریک راتوں میں سفر کرتے کرتے تھک گئی ہیں' اور جن کے افراد آزادی کی شمع کی روشنی کیلئے ترس رہے ہیں۔

صدر محترم! ہم خوش قسمت ہیں کہ ہم آزاد ہیں۔ آزادی کا سبز ہلالی پرچم وقت کی بلندیوں پر لہرا رہا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ نعمت جتنی عظیم ہوگی اس کو حاصل کرنے کیلئے اتنی ہی بڑی قربانی دینی پڑے گی۔ اور پھر آزادی کی نعمت کہ جس کے بارے میں تاریخ اپنا فیصلہ یوں سناتی ہے کہ

؎ خود بخود ٹوٹ کے گرتی نہیں زنجیر کبھی
بدلی جاتی ہے بدلتی نہیں تقدیر کبھی

معزز حاضرین! تحریک پاکستان پر ایک نظر ڈالتے ہی ہمیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے آزادی پاکستان کیلئے ہر قسم کی قربانی سے کام لیا۔ انہوں نے آگ اور خون کے سمندر عبور کیے۔ لاکھوں معصوم بچے کرپانوں کی نوکوں پر اچھالے گئے۔ بے شمار عورتوں نے اپنے سہاگ پاکستان کے ناموس پر قربان کر

دیئے۔ لاتعداد جوان سینہ تان کر ہندوؤں اور سکھوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ ابلیس رقص کرتا رہا' انسانیت پردوں میں منہ چھپاتی رہی۔ ان شہیدوں کے لبوں پر تبسم تھا۔ یہ قائداعظم محمد علی جناح کے جانثار تھے۔ یہ کاروان آزادی کے وفادار تھے۔ یہ دوقومی نظریۂ اسلام کے فدا کار تھے۔ ان کے مقدس لہو کا ایک ایک قطرہ چودہ اگست کی حرمت کی قسم کھا کر اعلان کر رہا تھا کہ

عشق و آزادی بہار زیست کا سامان ہے
عشق میری جان آزادی مرا ایمان ہے
عشق پر کر دوں فدا میں اپنی ساری زندگی
اور آزادی پہ میرا عشق بھی قربان ہے

صدر والا قدر! یوم آزادی ہر مرتبہ ہمارے لئے آزادی کی اہمیت اور قدر و قیمت کا پیغام لے کر آتا ہے۔ یہ دن پیغام عمل بھی ہے اور یوم احتساب بھی۔ اس روز ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ہم آزادی کی حرمت کو پہچاننے میں کس حد تک کامیاب رہے ہیں۔ عالم اسلام کے بطل جلیل قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے آزادی کے نام پر پاکستان کی صورت میں جو امانت ہمیں سونپی تھی' ہم نے اس کی کس حد تک حفاظت کی ہے۔

جناب والا! جب ہم اپنی کوتاہیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ ہم نے آدھا پاکستان گنوا دیا اور اب ہمارے دشمن باقی آدھے پاکستان کو بھی ٹکڑوں میں بانٹنے کی سازش کر رہے ہیں۔ فرقہ واریت کا زہر فضاؤں میں گھولا جا رہا ہے۔ صوبائی اور لسانی عصبیت کو ہوا دی جا رہی ہے۔ بھائی' بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ مسلمان' مسلمان کے لہو سے کھیل رہا ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

مگر صدر والا قدر! ہم دشمنوں کے عزائم کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ ہم طلبہ اپنے ملک کا مستقبل اور قائداعظم کے سپاہی ہیں۔ وفادار سپاہی اپنی جان پر کھیل جاتا ہے مگر قدم پیچھے نہیں ہٹاتا۔ ہم یوم آزادی کی صبح روشن کو گواہ رکھ کر عہد کرتے ہیں کہ پاکستان کی عظمت و سربلندی کیلئے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔ ہم قائداعظم کے لازوال کردار اور تعلیمات کو دلوں میں بسا کر وعدہ کرتے ہیں کہ پاکستان کے سبز ہلالی پرچم کو عالم اسلام کی ترقی کا پیامبر بنا کر رہیں گے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ

اے نگارِ وطن تو سلامت رہے
تو سلامت رہے تا قیامت رہے

جناب والا! آزادی کا نور ہمارے دلوں میں ضوفگن ہے۔ آزادی کا چاند ہمارے سروں پر جگمگا رہا ہے۔ آزادی کی خوشبو وطن کے ماحول کو بہاروں کا نشیمن بنا رہی ہے۔ آزادی کا سورج ہماری پہچان بن چکا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آزادی کے چراغ اپنے لہو سے روشن کئے تھے۔ آج ان کا مقدس لہو ہمارے سینوں میں زندگی کی حرارت بن کر دوڑ رہا ہے۔

اے ہلالی پرچم تو افلاک کی سربلندیوں پر لہراتا رہے۔
اے آزادی کے اجالو تم ہمیں زندگی کا نور بخشتے رہو۔
اے یوم پاکستان تو ابد کی آخری ساعتوں تک ہمارا اعزاز بنا رہے۔
اے وطن تو ہمارے سروں پر رحمت کا سائبان بن کر رحمت خداوندی کا مظہر بنا رہے۔ تیرے بیٹے تیرے ناموس کے رکھوالے عہد کرتے ہیں کہ

خونِ دل دے نکھار دیں گے رخ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا

صدر والا قدر اور معزز حاضرین! آج مجھے جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے۔

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا ہے

جناب والا! انسان قدرت کی بہترین تخلیق ہے۔ یہ وہی تخلیق ہے جسے علم و حکمت کی معراج بخشی گئی۔ جس کے سر پر عظمتوں کا تاج سجایا گیا۔ جسے کائنات میں خدا کے نائب ہونے کا اعزاز بخشا گیا۔ جسے خاکی جسم عطا کر کے ملکوتی اوصاف بخشے گئے۔ ہاں وہی انسان جو زمین پر چلتا اور آسمانوں کی خبر رکھتا ہے۔ انسان کی لافانی عظمت کو دیکھ کر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

جناب صدر! انسان بننا فرشتے سے بہتر ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کیلئے شدید محنت درکار ہوتی ہے۔ محنت جتنی زیادہ ہو عظمت اتنی ہی زیادہ عطا ہوتی ہے۔ جتنا عظیم کام ہو اتنا بلند انعام عطا ہوتا ہے۔ انسان جب انسانیت کے اوصاف سینے میں سمو لیتا ہے۔ آدمیت کی بلندیوں کو چھونے لگتا ہے۔ فقط لفظوں کے بت نہیں تراشتا بلکہ عمل پیہم کا گلزار بھی کھلاتا ہے۔ گفتار کا رازی ہی نہیں بلکہ کردار کا غازی بنتا ہے تو پھر اس کے وجود سے ''مردِ

مومن‘‘ کی پہچان ابھرتی ہے۔ وہ مردمومن کہ

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

محترم حاضرین! فرشتے سے انسان بننا بہتر ہے۔ فرشتہ ہر خطا اور ہر خواہش سے پاک ہے‘ سراپا نور اور مکمل طور پر معصوم ہے۔ مگر انسان تو نیکی اور بدی سے عبارت ہے‘ یہ نفس اور خواہشات کا بھی اسیر ہے۔

لیکن صدر محترم! یہی انسان جب انسانیت کی معراج کو چھوتا ہے تو فرشتہ بھی اس کا مقام دیکھ کر دم بخود رہ جاتا ہے۔ انسان خاکی ہے مگر اس کے علم کی پرواز نوریوں سے آگے ہے۔ اس کا وجود نیکی اور بدی سے عبارت ہے۔ مگر یہ برائیوں کو جڑ سے کاٹتا اور نیکیوں کے گلزار کو کھلاتا ہے۔ یہ فرشتہ نہیں مگر اس کا کردار فرشتے سے بہت آگے ہے۔ یہ غریبوں کی مدد کرتا ہے۔ کمزوروں کے کام آتا ہے۔ گرتوں کو اٹھاتا ہے۔ روتوں کو ہنساتا ہے۔ ظلمتوں میں نور توحید کے چراغ جلاتا ہے۔ یہ اپنے لئے نہیں بلکہ اوروں کیلئے جیتا ہے۔ خدمت انسانیت کا پرچم لہراتا اور دکھ درد کے ماروں کے کام آتا ہے۔ انسانیت کی اسی معراج کو دیکھ کر شاعر مشرق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔

؎ خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں‘ بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

جناب صدر! انسان کی سرفرازی دیکھنی ہو تو اولین انسان حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھئے۔ وہ حضرت آدم جنہیں خدا نے علم وحکمت کی دولت عطا کی اور تمام فرشتوں

کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ یہی انسان خاکی ہو کر نوریوں کا مسجود بن گیا۔ انسانیت کی یہی بلندی اس شعر سے ظاہر ہو رہی ہے۔

فرشتہ مجھ کو کہنے سے مری تحقیر ہوتی ہے
میں مسجود ملائک ہوں مجھے انسان رہنے دو

جناب والا! فرشتہ تو حکم الٰہی کا پابند ہو کر خاموش کھڑا ہے مگر کاروان انسانیت کا سفر جاری ہے۔ آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا گیا مگر پھر بھی انہوں نے ویران دنیا کو جنت کا نمونہ بنایا۔ انسان نے دنیا کو سجانے کیلئے خون جگر صرف کیا۔ ایجادات کے ڈھیر لگا دیئے۔ ویرانوں کو گلستانوں میں تبدیل کیا۔ دریاؤں اور سمندروں کے رخ موڑ دیئے۔ بیماریوں کے علاج دریافت کیے۔ زمین کے بنجر سینے سے فصلوں کا سونا نکالا۔ محنت اور جدوجہد سے وقت کے آتشکدوں کو گلزار بنایا۔ اسلام اور قرآن کا نور پھیلایا۔ عدل اور انصاف کا سبق پڑھایا۔ تہذیب وتمدن کا نور پھیلایا۔ گمراہوں کو ہدایت کا راستہ دکھلایا۔ اور بالآخر تاریخ کو تسلیم کرنا پڑا کہ۔

یہی انساں ہے جو حالات کے رخ کو بدلتا ہے
زمانہ اس کی مرضی پوچھ کر آگے کو چلتا ہے
مقدر دیکھ کر اس کا فرشتے دنگ رہتے ہیں
مقدر بھی تو انسانوں کی محنت سے سنورتا ہے

صدر ذی وقار! فرشتہ بھی خدا کی تخلیق ہے اور انسان بھی۔ مگر جب انسان بدی کو ٹھکرا کر نیکی کے راستے میں آگے بڑھتا ہے تو پھر فرشتے بھی اس کے راستے میں پر پھیلاتے ہیں۔ جب یہ راہ جہاد میں آگے بڑھتا ہے تو فرشتے مدد کو اترتے ہیں۔ جب یہ بارگاہ خداوندی میں حق کی بلندی کیلئے آنسو بہاتا ہے تو فرشتے آمین کہتے ہیں۔ جب انسان مکمل طور پر خدا اور خدا کے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو جاتا

ہے تو پھر فرشتے ہی نہیں بلکہ ساری کائنات اس کی غلام بن جاتی ہے۔

یہی وہ وقت ہوتا ہے جب علامہ اقبال کا پیغام گونجتا ہے کہ

؎ کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

یوم دفاع پاکستان

صدر والا قدر اور معزز حاضرین! آج کے اس ایوان میں مجھے جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے، وہ ہے۔

یوم دفاع پاکستان

جناب والا! بعض تاریخی ایام اس قدر پروقار اور ایمان آفریں ہوتے ہیں کہ ان کا تصور کرتے ہی دلوں کو ذوق عمل کی دولت عطا ہونے لگتی ہے۔ یوم دفاع بھی ایسا ہی خوش بخت دن ہے جس کی یاد ملت پاکستانیہ کے ہر فرد کو جذبۂ جہاد سے سرشار کر دیتی ہے۔ رگوں میں منجمد لہو رقصاں ہونے لگتا ہے۔ شوق شہادت کے ستارے بکھرنے لگتے ہیں۔ یہی یوم دفاع اس حقیقت کا اعلان ہے۔

آج کا دن شوکتِ آئینۂ ایام ہے
آج کا دن جرأتِ ایمان کا پیغام ہے
چھ ستمبر ہے سراسر جلوۂ شوق جہاد
یہ ہے اعزازِ شہیداں، شوکتِ اسلام ہے

صدر والا قدر! میں چند لمحوں کیلئے تاریخ کا ایک ورق الٹتا ہوں۔ وہ چھ ستمبر ۱۹۶۵ء کی ایک رات تھی۔ جب بھارت کی بزدل قیادت نے پاکستان پر شب خون مار کر جنگ مسلط کر دی۔ بھارتی سامراج کا خیال تھا کہ پاکستانی فوج غافل ہوگی مگر مجاہد تو موت کے منہ میں بھی مسکراتا ہے، پھر نیند کیسی۔ پاکستانی افواج دشمن کے

سامنے سیسہ پگھلائی دیوار بن گئیں، آگ اور خون کا کھیل شروع ہوگیا۔ غازیان اسلام نے ارض پاکستان کے تحفظ کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ مجاہدین پاکستان شہادت کی تمنا میں شاہینوں کی طرح جھپٹ پڑے اور بھارت پر ثابت کردیا۔

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کرچکا ہے تو امتحاں ہمارا
اے ارضِ پاک تری حرمت پہ کٹ مرے ہم
ہے خوں تیری رگوں میں اب تک رواں ہمارا

جناب والا! جنگ کے بادل چاروں طرف پھیل گئے۔ لاہور، واہگہ، کھیم کرن، چونڈہ، اٹاری، رن کچھ، قصور، سیالکوٹ، اعوان شریف، جگہ جگہ پاکستان کی شیر دل افواج نے بھارتی حملہ آوروں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیا۔ چونڈہ کے میدانوں میں تاریخ کی سب سے بڑی جنگ لڑی گئی۔ پاکستانی افواج تعداد میں کم تھیں، اسلحہ دشمن کے مقابلہ میں بہت کم تھا۔ مگر ہمارے شاہینوں کے دل جوان اور حوصلے سربلند تھے۔ ان غازیوں کی پیشانیوں پر فتح کی بشارت لکھی ہوئی تھی۔ بعض مقامات پر درجن سے بھی کم پاکستانی سپاہیوں نے بھارت کی پوری پلٹن پر قابو پالیا۔ دنیا آج تک حیران ہے کہ یہ معجزہ کیسے رونما ہوگیا۔ دنیا کیا جانے؟ اس راز کو فقط مرد مومن ہی سمجھتا ہے کہ

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

حاضرین کرام! حق و باطل کے معرکے نے ثابت کردیا کہ جنگ اسلحے سے نہیں بلکہ ایمانی قوت سے لڑی جاتی ہے۔ جنگ فوجوں کی برتری سے نہیں بلکہ قوت بازو سے لڑی جاتی ہے۔ جنگ طاقت کے غرور سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے

سہارے لڑی جاتی ہے۔اسی لئے خدا تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔
"اللہ تعالیٰ کے حکم سے بعض اوقات کم تعداد کو بڑی تعداد پر غالب کر دیا جاتا ہے"۔

جناب والا! اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ مسلمان مجاہد اللہ کے حکم کی تفسیر اور اس کا دل ایمان کی تنویر ہوتا ہے۔ یہ اپنی بقاء کیلئے نہیں بلکہ خالق کی رضا کیلئے جیتا ہے۔ یہ اپنے نام کیلئے نہیں بلکہ اللہ کے پیغام کیلئے مرتا ہے۔ اس کا مقصد اپنی آن نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہوتا ہے جب نصرت خداوندی مجاہدین اسلام کے شامل حال ہو جاتی ہے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشاو کار ساز

صدر محترم! دفاع پاکستان کی جنگ فقط افواج نے نہیں بلکہ عوام نے بھی لڑی۔ عوام کے حوصلے ایمان کی للکار تھے۔ ان کے ولولے عزم و ہمت کی یلغار تھے۔ پوری قوم ایک مرکز پر جمع ہوگئی۔ ہر قسم کے تعصبات مٹ گئے۔ اتحاد کا نور پھیل گیا۔ شاعر قومی ترانے سنانے لگے۔ قوم کے مغنی طاؤس و رباب کو چھوڑ کر جنگی نغمات گانے لگے۔ طلبہ و طالبات سرحدوں پر پہنچ کر پاک افواج کی مدد کرنے لگے۔ عوام کی دلیری دیکھئے جب پاکستانی اور بھارتی طیارے آپس میں ٹکراتے تو یہ چھتوں پر چڑھ جاتے اور موت اور زندگی کا منظر یوں دیکھئے جیسے پتنگ بازی دیکھ رہے ہوں۔ یوں نظر آتا جیسے تحریک پاکستان کا دور لوٹ آیا ہو۔ اسی یوم دفاع کی حرمت کی قسم کھا کر دل پکار اٹھتا ہے۔

وطن پہ جان و مال وارنے کے جوش کی قسم
ہے غازیانِ سخت جان و سخت کوش کی قسم
وطن کے ہر شہید کے لب خموش کی قسم

نشانِ حیدرِ عزیزِ سرفروش کی قسم
جہاد کیلئے اٹھے تو کفر کو مٹا دیا
غرور سارے ہندیوں کا خاک میں ملا دیا

جناب والا! معرکۂ ستمبر تو گزر گیا مگر اس کی دل کش یادیں یوم دفاع کی صورت میں باقی ہیں۔ بھارت ہمارا ازلی دشمن ہے۔ وہ بدستور موقعہ کی تلاش میں ہے مگر ہمارے مجاہد اور غازی بھی غافل نہیں ہیں۔ ہماری سرحدیں محفوظ ہیں مگر ہمیں نظریاتی محاذ پر ایک ہونے کی ضرورت ہے۔ پھر اسی اتحاد اور عزم آہن کی ضرورت ہے جو جنگ ستمبر میں ہمارا اعزاز تھا۔ پھر اسی ایمانی تب وتاب کی ضرورت ہے جس نے اس وقت ہمارے دلوں کو گرما دیا تھا۔ یوم دفاع کے حوالے سے اس اظہار کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں کہ

؎ دلوں میں اپنے جوش ہے نظر میں کار زار ہے
بلا رہا ہے فرض ہم کو وقت کی پکار ہے

فقط ذوق پرواز ہے زندگی

صدر والا قدر! آج کے ایوان میں مجھے جس موضوع کی تائید میں کچھ عرض کرنا ہے' وہ یوں ہے۔

"فقط ذوق پرواز ہے زندگی"

جناب والا! انسانی زندگی عزم و ہمت سے عبارت ہے۔ کائنات میں اپنی ابتدائی سانسوں سے لے کر تادم مرگ انسان اپنی جدوجہد سے غیر معمولی کارنامے انجام دیتا ہے۔ انسانی وجود تو فانی ہے مگر یہ اپنی ہمت سے کام لے کر ایسے نقوش عمل تراش جاتا ہے جو کتاب زیست میں لافانی قرار پاتے ہیں۔ اسی جدوجہد' عمل پیہم اور جرأت رندانہ کا دوسرا نام ذوق پرواز ہے اور بلاشبہ یہی ذوق پرواز اس کائنات کے ہر جاندار کیلئے زندگی کا پیغام ہے۔ زمین کی پستیوں سے افلاک کی بلندیوں تک نگاہ دوڑایئے' یہی محسوس ہو رہا ہے کہ

دما دم رواں ہے یم زندگی
ہر اک شے سے پیدا رم زندگی
ٹھہرتا نہیں کاروان وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شان وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوق پرواز ہے زندگی

صدرذی وقار! انسان تو ''احسن تقویم'' کا دوسرا نام ہے۔ پرندوں کو دیکھئے اپنے پر پرواز کو جنبش دے کر رزق کا اہتمام کرتے ہیں۔ جانور حالات کی ٹھوکریں کھا کر بھی رزق کی جستجو سے باز نہیں آتے کیونکہ یہی رزق ان کی زندگی کی ضمانت ہے۔ ذوق پرواز چھوڑنے والے پرندے کسی صیاد کے قفس کی زینت بنتے ہیں اور جدوجہد کے جذبے سے محروم افراد طاغوتی طاقتوں کا شکار بنتے ہیں کیونکہ

؎ یہاں کوتاہی ذوق عمل ہے خود گرفتاری

جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

ذی وقار! فرد کی عظمت کی داستان ہو یا کسی قوم کی آزادی کا افسانہ لہو رنگ۔ سب کے پس پردہ اسی ذوق پرواز کی جلوہ کاری نظر آتی ہے۔ یہی ذوق پرواز باوقار زندگی کے آداب سکھاتا ہے۔ غلاموں کے سینوں کو آزادی کے لہو کی حرارت دلاتا ہے۔ مایوس اور دل گرفتہ افراد کو بہترین مستقبل کی نوید سناتا ہے۔ سر جھکا کر چلنے والوں کو آقائی اور فرمانروائی کے تصورات کا خوگر بناتا ہے۔ یہی ذوق پرواز عابدان شب زندہ دار کو خدا تک پہنچاتا ہے۔ بالآخر یہی ذوق پرواز برصغیر کے غلام مسلمانوں کو پاکستان کی صبح آزادی کے انوار دکھاتا ہے۔ یہی ذوق پرواز مولے کو شہباز سے لڑاتا اور شاہباز کو شاہین شہ لولاک بناتا ہے۔ علامہ محمد اقبال اسی پیغام کو یوں واضح کرتے ہیں۔

ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تو

فروغ دیدۂ افلاک ہے تو

تیرے صیدِ زبوں فرشتہ و حُور

کہ شاہینِ شہ لولاک ہے تو

جناب صدر! اسلام سعی و عمل کا مذہب ہے۔ ارشاد خداوندی ہے ''لیس

للانسان الّا ما سعٰی ""یعنی ہم انسان کو وہی عطا کرتے ہیں جس کیلئے وہ محنت کرتا ہے۔گویا انسان کی تقدیر بھی اس کی محنت کی مرہون منت ہے۔ایک اور مقام پر قدرت یوں اپنا پیغام سناتی ہے۔

؎ خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کو بدلنے کا

جناب والا! فقط رونے سے مقدر نہیں بدلا کرتے۔آنسوؤں سے آزادی کا سورج طلوع نہیں کیا جاسکتا۔کمزور ہاتھوں سے غلامی کی زنجیر نہیں توڑی جاسکتی۔ نیند کے متوالے اپنے خوابوں کو تعبیر سے ہمکنار نہیں کر سکتے۔دوسروں کے بازوؤں کی قوت پر بھروسہ کرنے والے اپنی زندگی کو تابندگی کا عنوان نہیں دے سکتے۔فطرت فقط اہل جنوں کا ذوق پرواز دیکھتی ہے۔جرأت رندانہ کی طالب ہوتی ہے۔اور جب آزادی اور حفظ خودی کے متوالے نشۂ شہادت میں مخمور آگے بڑھتے ہیں تو منزلیں خود آگے بڑھ کر ان کے قدم چومتی ہیں۔

صدر ثریا جاہ! پاکستان کی آزادی اسی ذوق پرواز کا شاہکار ہے۔غلامی کی تاریکیوں میں آزادی کے اجالے بکھیرنے کیلئے اقبال کے شاہین' مائل پرواز ہو گئے۔ سکولوں' کالجوں اور یونیورسٹیوں سے طلبہ و طالبات اٹھے۔صبح آزادی کی قسم کھا کر آگ اور خون کے سمندر میں کود گئے۔زندانوں کو آباد کیا۔دار ورسن کی آزمائش کو سینے سے لگایا۔زنجیروں کی جھنکار کو آزادیٔ وطن کی للکار میں بدل دیا۔بزرگ راہنماؤں کے پہلو بہ پہلو جوانان صف شکن کا کردار بھی آزادیٔ وطن کے ماتھے کا جھومر ہے۔قائداعظم محمد علی جناح نے انہی طالب علموں کے روپ میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے شاہین کی عملی تفسیر دیکھی تھی۔وہ شاہین جو لہو گرم رکھنے کا بہانہ ہی نہیں ڈھونڈتے بلکہ عروس وطن پر دیوانہ وار نثار ہونا اپنا اعزاز سمجھتے تھے۔

صدر مکرم! منزلوں کے تمنائی کبھی راستوں میں پڑاؤ نہیں ڈالتے۔ ان کیلئے تو ہر منزل نئی منزل کی جانب صرف ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ حصول پاکستان سے لے کر استحکام پاکستان تک اہل ہمت کے کارواں مسلسل محو سفر ہیں۔ یہ اسی ذوق پرواز کا اعجاز تھا عظیم سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خاں شاہینی پرواز کا مظہر بن کر تاریخ کے افق پر طلوع ہوا۔ ایٹمی قوت کا یادگار مظاہرہ کر کے باطل قوتوں کو لرزہ براندام کر دیا۔ یہ ایک مرد مجاہد پوری قوم کی دعاؤں کا جواب بن گیا' اور ثابت کر دیا کہ

اس خاک کو بخشے ہیں اللہ نے وہ آنسو
کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرق ناک

والا مرتبت! کارخانوں میں حرکت کرنے والا پہیہ' کسانوں کے چلتے ہوئے ہل' علم و حکمت کے نور سے جگمگاتی ہوئی پیشانیاں۔ تاریخ تمدن کے غیر آباد جزیروں کی دریافت' زمین پر بیٹھ کر آسمانوں پر کمندیں ڈالنے کے عزائم۔ زمینی اور زمانی فاصلوں کو سمیٹنے کے مظاہرے' زندگی کا ہر آن پھیلتا ہوا حسن عالمگیر۔ خوابوں کو تعبیر اور تصور کو تصویر میں بدلنے کی کاوشیں۔ یہ سب ذوق پرواز کی کرشمہ کاری ہے۔ یہی ذوق پرواز وقار بندگی بھی ہے اور صبح دوام زندگی بھی۔ میں علامہ اقبال ان اشعار کے ساتھ اجازت چاہوں گا کہ

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم دواں' ہر دم جواں ہے زندگی

پاکستان کے سیاسی حالات اور تعلیمی فکر

صدر عالی مرتبت اور حاضرین کرام! مجھے آج جس موضوع کو تقریر کے پیرائے میں سجانا ہے' وہ ہے۔

''پاکستان کی سیاسی حالات، اور تعلیمی فکر''

جناب صدر! تعلیم کسی بھی قوم اور معاشرہ کیلئے اعزاز کا باعث ہوتی ہے۔ زندہ قومیں اپنی تعلیمی ترقی اور علمی عروج کیلئے تمام توانائیاں صرف کر دیتی ہیں۔ اصحاب عمل اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ علم کا نور صرف دلوں میں ہی اجالا نہیں کرتا بلکہ قومی ترقی اور فکری سربلندی کیلئے بھی یادگار کردار ادا کرتا ہے۔ وہ قومیں جو دور حال کی شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے روشن ماضی کے ایوانوں میں داخل ہونا چاہتی ہیں وہ تعلیمی فکر اور علمی تدبر کو مشعل راہ بنا کر آگے بڑھتی ہیں۔

مگر جناب والا! جب تعلیمی فکر کے حوالے سے پاکستان کے سیاسی حالات کا جائزہ لیا جائے تو علم و عمل کا گلستان خزاں آلود نظر آتا ہے۔ ذہن منجمد اور افکار بوجھل دکھائی دیتے ہیں۔ علم کا چراغ بے نور اور تعلیم کا سرچشمہ آب حکمت سے محروم نظر آتا ہے۔ تعلیمی فکر کے انحطاط کے جہاں اور بہت سے عوامل کارفرما نظر آتے ہیں' وہاں سب سے بڑا سبب سیاسی عدم استحکام ہے' جس نے ملک کی قومی ترقی کے دھارے کو روکنے کے ساتھ ساتھ علمی دانشکدوں سے بھی ان کا حسن چھین لیا' ہے اور ہر فرد نوحہ خواں نظر آتا ہے کہ

؎ جہل خرد نے دن یہ دکھائے
گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

محترم حاضرین! ملک کو سیاسی استحکام نصیب ہو تو جمہوریت کے نخل تن آور پر حب الوطنی کے برگ و بار لگتے ہیں۔ حقوق و فرائض کا تعین ہونے لگتا ہے۔ افراد مطمئن اور ادارے مضبوط ہو جاتے ہیں' مگر پاکستان میں سیاسی ابتری نے ہم سے روشن مستقبل کے خواب چھین لئے ہیں۔ اجلے دنوں کے مسافر ظلمت کدوں کے راہی بن گئے ہیں۔ ہماری فکری کجروی کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ

؎ کیا ستم ڈھایا کہ ظلمت کو ضیا کہتے ہیں
کتنے سادہ ہیں کہ صرصر کو صبا کہتے ہیں

جناب والا! قائداعظم نے جمہوریت کے نام پر ہمیں پاکستان دیا۔ بعد کے ادوار میں وہ سیاسی ابتری پھیلی کہ الامان! جب سیاست قومی ایوانوں سے سفر کرتی ہوئی تعلیمی اداروں میں داخل ہو جائے تو تعلیمی فکر ایک خواب پریشاں بن کر رہ جاتی ہے۔ اسی خواب پریشاں نے تعلیمی نظام درہم برہم کر کے رکھ دیا۔

جناب والا! قائداعظم نے فرمایا ''طالب علم میری قوت ہیں۔ یہ پاکستان کا مستقبل ہیں۔ کتاب ان کا ہتھیار اور علم ان کا اسلحہ ہے''۔ مگر افسوس کہ ہم نے قائداعظم کے ارشادات کو فراموش کر دیا۔ آج طالب علم کے ہاتھ میں کتاب نہیں بلکہ کلاشنکوف ہے' اسے علم سے نہیں بلکہ بارود سے پیار ہے۔ وہ تعلیمی فکر سے عاری اور جبر و تشدد کا علمبردار ہے۔

؎ جب فضا میں ہر طرف پھیلا ہوا بارود ہو
کیوں نہ پھر تدبیر ہر اک علم کی بے سود ہو

صدر والا قدر! سیاست کی مسموم اور زہر آلود ہواؤں نے گلزار علم سے اس

کی بہاریں چھین لیں۔ طلبہ کو سیاسی جماعتوں نے اپنا دست و بازو یا حلیف بنا لیا۔ وہ طالب علم جنہیں کتاب، استاد اور درس گاہ سے محبت ہونی چاہیے تھی۔ جنہیں علم کی سربلندی کی خاطر جینا اور فروغ تعلیم کیلئے مرنا چاہیے تھا۔ وہ فقط سیاسی جماعتوں کے آلہ کار بن کر رہ گئے۔ انہیں تعلیم کے مستقبل سے زیادہ اپنی پسندیدہ سیاسی جماعتوں کا مستقبل عزیز ہو گیا۔ اس طرح علمی دانشکدوں کے اندر ''منی سیاسی جماعتیں'' قائم ہو گئیں۔ نئے نئے نعرے ایجاد ہونے لگے۔ کسی زمانے میں طلبہ یونینیں طلبہ کے علمی مفاد اور تعلیمی احیاء کیلئے کوشاں رہتی تھیں۔ آج یہ نام نہاد راہنما اپنی جماعتوں کی بالادستی اور اپنی ذاتی مصلحت کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

؎ وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

جناب والا! تعلیمی ماحول میں سیاست نے صرف طلبہ کو ہی متاثر نہیں کیا بلکہ بعض اساتذہ بھی پارٹی بازی کی نذر ہو گئے۔ تعمیر کے نام پر تخریب کے سامان ہونے لگے۔ وہ علم پرور زبانیں جو علم کے گلاب بکھیرا کرتی تھیں اپنی ذاتی پسند و ناپسند طلبہ پر ٹھونسنے لگیں۔ آج حالات اس حد تک دگرگوں ہو گئے ہیں کہ جو صاحب بصیرت تعلیمی تفکر کی بات کرتا ہے اس کی گزارشات کو فقط ایک مسکراہٹ سے ٹال دیا جاتا ہے۔ حکومتیں بدلتی ہیں تو ان کے بنائے ہوئے تعلیمی کمیشن بھی داستان پارینہ بن جاتے ہیں۔ ستم تو یہ ہے کہ علم کی متاع کو علم والوں نے لوٹا۔ تعلیمی فکر کے روشن مستقبل کو علم و حکمت کے نام نہاد علمبرداروں نے گہنا کر رکھ دیا۔

؎ میرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گلستاں کا
میں وہ گل ہوں خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری

صدر محترم! ابھی صورت حال اس حد تک نہیں بگڑی کہ تعمیر کے سامان نہ

کیے جا سکیں مگر اس مقصد کیلئے ہم سب کو ذاتی مفادات اور سیاسی وفاداریوں سے بالاتر ہو کر سوچنا ہوگا۔ حکومت کوئی بھی ہو‘ سیاسی جماعت کوئی بھی ہو‘ ہر حالت میں ملک سے وفاداری اور تعلیمی پاکیزگی کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ سیاسی جماعتوں کو تعلیمی اداروں پر رحم کھانا چاہیے۔ طالب علم کو سوچنا چاہیے کہ وہ اول و آخر طالب علم ہے۔ وہی طالب علم جو کبھی غزالی بنتا ہے تو کبھی رومی‘ کبھی رازی بنتا ہے تو کبھی بوعلی سینا‘ کبھی محمد علی جناح بنتا ہے تو کبھی محمد اقبال۔ آج وقت کا مغنی پاکستان میں تعلیمی فکر کی سر بلندی اور علمی سرفرازی کیلئے ہمیں یہ پیغام دے رہا ہے کہ

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

تعمیر وطن میں طلبہ کا کردار

صدر عالی مرتبت' محترم اساتذہ اور حاضرین کرام! مجھے آج جس موضوع پر لب کشائی کرنا ہے' وہ ہے۔

"تعمیر وطن میں طلبہ کا کردار"

جناب والا! تاریخ شاہد ہے کہ کوئی بھی تحریک اس وقت تک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی جب تک طلبہ اپنی جدوجہد اور اپنی توانائیاں اس کی نذر نہیں کریں گے۔ تحریک پاکستان پر ایک نظر ڈالتے ہی طلبہ کے عظیم الشان کردار کا اندازہ ہونے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے طلبہ کو افواج آزادی کا ہراول دستہ قرار دیا تھا۔ ہراول دستہ وہ ہوتا ہے جو دشمن کی قوت کی پروا کئے بغیر حصول مقصد کیلئے جسم و جان کی بازی لگا دے۔ طلبہ نے تحریک پاکستان کے دوران میں ہر مشکل کو آزادی کا انعام سمجھ کر سینے سے لگایا۔ انہوں نے آزادی کے نام پر جیلوں کو آباد کر دیا' مسکرا کر تختۂ دار کی زینت بن گئے' ظلم و تشدد برداشت کیا مگر قائداعظم کے اس اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچائی جو انہوں نے ہراول دستہ قرار دے کر ان پر کیا تھا۔ اور پھر ان طلبہ کی جدوجہد کے طفیل غلامی کی شب تاریک سے آزادیٔ پاکستان کا سورج طلوع ہوا۔

یہ وطن مرا وطن ہے شوکتِ اظہار ہے
طالبانِ علم کی محنت کا یہ شہکار ہے

صدر محترم! عمارت بن چکی تو اس کو حسن و جمال بخشنے کا مرحلہ آ گیا۔ تشکیل پاکستان ہو چکی تھی' اب تعمیر وطن کا مرحلہ درپیش تھا۔ طلبہ اس مرحلہ پر بھی پیچھے نہیں رہے۔ لاکھوں مہاجرین کے قافلے اپنا سب کچھ لٹا کر پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھ رہے تھے۔ خزانہ خالی تھا۔ بھارت کی افواج پاکستان کی سرحدوں پر دستک دے رہی تھیں۔ مایوسیوں اور اندیشوں کی تاریک رات میں ایک ذات ماہتاب امید بن کر روشنی دے رہی تھی' اور وہ ذات حضرت قائداعظم کی تھی' جنہوں نے ایک مرتبہ پھر طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے انہیں حکم دیا کہ وہ شہروں میں' دیہات میں' ہر جگہ پھیل جائیں' شکستہ دلوں کو حوصلہ دیں' مہاجرین کو سینے سے لگائیں اور تعمیر وطن کیلئے تن من دھن کی بازی لگا دیں۔ ہم دشمن کے عزائم کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

جناب والا! طلبہ نے اس مرتبہ پھر اس عظیم قائد کے فرمان پر لبیک کہا۔ راس کماری سے لے کر خیبر تک یہ ہر مقام پر پہنچے۔ مہاجرین کی آبادکاری سے لے کر افواج وطن کو اسلحہ کی فراہمی تک انہوں نے وہ سب کچھ کر دکھایا جس کی قائداعظم کی توقع تھی۔ یہی وجہ تھی کہ قائداعظم نے ان کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا

''میں تم کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ تم نے وہ سب کچھ کر دکھایا جو تعمیر وطن کا تقاضا تھا۔ تمہارے درمیان آ کر مجھے نئی زندگی ملتی ہے۔ اب ملک کی کشتی منزل کی جانب رواں دواں ہو گئی ہے' اس لئے تم اپنے کالجوں اور سکولوں میں لوٹ جاؤ اور فقط ایک ہی مقصد پیش نظر رکھو اور وہ ہے کام کام کام''۔

معزز حاضرین! قائداعظم کے یہ الفاظ آج تک میرے وطن کے طالب علموں کے لئے شمع راہ بنے ہوئے ہیں۔

ہر گھڑی روشن وطن کا نام ہونا چاہیے
ملک پہ قربان اب آرام ہونا چاہیے

دامن ہمت سدا تخریب سے محفوظ ہو
بہر تعمیر وطن ہر کام ہونا چاہیے

صدر والا قدر! طلبہ کی حیثیت قوم کے مقدر کے روشن ستاروں کی ہے۔ جس طرح ستاروں کی جگمگاہٹ زمانے بھر کی ظلمتوں کو کافور کر دیتی ہے' اسی طرح طلبہ اپنے روشن کردار سے ماحول کی تاریکیوں کو انوار میں بدل سکتے ہیں۔ طلبہ کی ذہنی قوتیں قوم کے مستقبل کی امین ہوتی ہیں۔ انکی فکر زندگی کی ترجمان اور ان کی سوچ بزم ہستی کی راز دان ہوتی ہے۔ ان کے ارادوں میں پہاڑوں کی اٹھان اور علم و عمل میں شاہین کی اڑان ہوتی ہے۔ یہ ستاروں پر کمندیں ڈالنے اور مہر و ماہ کو تسخیر کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ اس لئے جب یہ تعمیر وطن کیلئے آگے بڑھتے ہیں تو خدا کی رحمتیں ان کے پا بہ رکاب اور ان کی کوششیں آپ اپنا جواب ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ

؎ یقیں محکم' عمل پیہم' محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

حاضرین کرام! تعمیر وطن کیلئے ضروری ہے کہ طلبہ اقبال کے شاہین بنیں۔ قائداعظم کے سپاہی بنیں' دشمن کے مقابلہ میں خالد کی تلوار بنیں' حیدر کی للکار بنیں' عظمت کا مینار بنیں' فطرت کا شہکار بنیں۔ ان کے ہاتھوں میں کلاشنکوف نہیں بلکہ قلم ہونا چاہیے۔ ان کے دل میں بارود سے محبت نہیں' اپنی درس گاہ سے عقیدت ہونی چاہیے۔ انہیں جہالت سے پیار نہیں بلکہ علم کا وفادار ہونا چاہیے۔ توحید خداوندی ان کا افتخار ہو' عشق مصطفیٰ ان کا قرار ہو' وطن سے محبت ان کا شعار ہو اور جب مشکل لمحات میں ان کا وطن انہیں آواز دے تو یہ کہتے ہوئے آگے بڑھیں۔

؎ اے وطن تو نے پکارا تو لہو کھول اٹھا
تیرے بیٹے تیرے جانباز چلے آتے ہیں

صدر محترم! آج درس گاہوں کا سکون لٹ چکا ہے۔ ہم نے وہ شمع عمل گل کر دی ہے جو ہمارے قائد نے جلائی تھی۔ ہم نے کتابوں سے منہ موڑ کر بارودی ہتھیاروں سے تعلق جوڑ لیا ہے۔ ہم محنت سے جی چراتے اور غفلت سے لو لگاتے ہیں۔ ہم نے اپنے کان بہرے کر لئے ہیں تاکہ قائداعظم کی تعمیر وطن کیلئے کام کرنے کی تلقین ہمارے ضمیر کو جھنجوڑ نہ سکے۔ آخر ایسا کب تک ہوگا۔ چند غلط عناصر پوری طالب علم برادری کو بدنام نہیں کر سکتے۔ اے نگار وطن! ہم تیری حرمت کی قسم کھاتے ہیں کہ تیری خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔ اے میرے قائد کی نشانی تو سلامت ہے تو ہم سب کی عزت سلامت ہے۔ اے نگار وطن! تیرے کھیت لہلہاتے رہیں گے، تیرے گلستاں خوشبو لٹاتے رہیں گے، ہم تیری تعمیر و ترقی کا پرچم بلندیوں پر لہراتے رہیں گے۔ اے وطن تیرے بیٹے اپنے محسن قائداعظم کے پیغام کو دل میں بسا کر عہد کرتے ہیں۔

تیرے بیٹے تجھ کو اے قائد بھلا سکتے نہیں
تیرے فرمودات کی شمعیں بجھا سکتے نہیں

لڑکیوں کیلئے تعلیم کی اہمیت

صدر گرامی قدر اور معزز حاضرین! آج مجھے جس موضوع پر لب کشائی کرنا ہے وہ ہے۔

"لڑکیوں کیلئے تعلیم کی اہمیت"

جناب والا! تعلیم کی اہمیت ہر دور اور ہر معاشرے میں مسلم رہی ہے۔ تعلیم کا نور راستوں کو منور کرتا اور دلوں کو جگمگاتا ہے۔ فرد ہو یا معاشرہ' قوم ہو یا ملک' تعلیم کی بالادستی نے ہمیشہ اپنا وجود منوایا ہے۔ تعلیم خضر راہ ہے' شمع منزل ہے' قرار دل و جان ہے۔ تعلیم بندوں کو عرفان ذات بخشتی اور گمراہوں کو صراط مستقیم کا شعور عطا کرتی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

علم کیا ہے' در حقیقت قلب اور جاں کا سرور
علم کیا ہے' راحت فکر و نظر' حسن شعور
علم کیا ہے' سر بسر اک رحمت رب غفور
علم کیا ہے' پستیوں میں سربلندی کا ظہور

صدر محترم! جس طرح تعلیم کسی بھی معاشرے کے ماتھے کا جھومر ہے' اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ معاشرہ فقط مردوں سے ہی نہیں بلکہ خواتین کے وجود سے بھی عبارت ہے۔ دختران قوم کسی بھی سوسائٹی یا قوم و وطن کی شاہراہ ترقی کا وقار ہیں۔ ان کے بغیر کوئی بھی معاشرہ اپنی پہچان سے محروم رہتا ہے۔ جب دختران قوم اپنے معاشرہ کا لازمی حصہ ہیں تو پھر ان کی تعلیم بھی اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے جتنی

جوانانِ قوم کی۔

حاضرین کرام! تاریخ شاہد ہے کہ تعلیم یافتہ خواتین اور لڑکیوں نے کارزار عمل میں ناقابل فراموش کارنامے انجام دیئے ہیں۔ لڑکیاں گھروں کا نور ہیں۔ اگر آپ ایک لڑکی کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کریں گے تو ایک خاندان کی بہترین تربیت کی بنیاد رکھیں گے۔ ماں کی گود بچے کی اولین تربیت گاہ ہے۔ آج کی بچیاں کل کی مائیں ہیں۔ اگر یہ تعلیم یافتہ ہوں گی تو ان کی گود میں ایک ایسی قوم پرورش پائے گی جو وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکتی ہو اور قوم و وطن کی ترقی کا نیا باب رقم کرسکتی ہو۔ اسی لئے ایک صاحب نظر نے کہا تھا۔

؎ اے ماؤ بہنو بیٹیو قوموں کی عزت تم سے ہے
تم سے شعور زندگی ہر ایک عظمت تم سے ہے

صدر ذی وقار! نبی مکرم حضور محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے"۔

حضور عالی مرتبت ﷺ کے اس ارشاد گرامی کی روشنی میں دخترانِ اسلام کیلئے علم حاصل کرنا اشد ضروری ہے۔ وہ خاتون جس نے گھر کی ذمہ داریاں سنبھالنی ہیں۔ کبھی اس نے اپنے باپ اور بھائیوں کے ساتھ اور کبھی اپنے خاوند کے شانہ بشانہ آنے والی نسلوں کی تربیت کرنی ہے۔ اگر وہی خاتون جاہل اور تعلیم سے ناآشنا ہوگی تو عصر حاضر کا معاشرہ اندھیروں میں ڈوب جائے گا۔ لیکن اگر یہی دخترانِ قوم تعلیم یافتہ ہوں گی تو تعلیم کا سورج پہلے سے کہیں زیادہ تابناکی کے ساتھ چمکے گا۔

جناب والا! اغیار کی بات چھوڑیئے۔ تاریخ میں ایسی مسلم خواتین کا نام بھی ملتا ہے جنہوں نے فروغ دین اور اسلامی فقہی علوم کے فروغ میں باپردہ رہتے ہوئے بھی اہم کردار ادا کیا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک حجرے میں مقیم رہ کر اسلامی تعلیمات کی دولت تقسیم کیا کرتی تھیں۔ اگر آپ کے فیض کا چشمہ

جاری نہ ہوتا تو اسلامی فقہی علوم اور تعلیمات محمد مصطفیٰ ﷺ کا ایک بڑا حصہ ہماری نظروں سے پوشیدہ رہتا۔

جناب والا! تاریخ کے مختلف ادوار سے گزر کر جب ہم آزادی برصغیر اور تحریک پاکستان کے ولولہ آفریں دور میں داخل ہوتے ہیں تو دختران قوم اور طالبات کا کردار نہایت قابل ستائش نظر آتا ہے۔ مولانا محمد علی جوہر کی والدہ اور پھر ان کی بیگم، بیگم حسرت موہانی، آپا فاطمۃ الکبریٰ، نور الصباح بیگم سے مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح تک دختران ملت کی ایک طویل فہرست ہے جنہوں نے تعلیم سے آشنائی کی بدولت تحریک آزادی میں شاندار کردار ادا کیا۔

اور صدر محترم! وہ ایک طالبہ ہی تھی جس نے پنجاب سیکرٹریٹ سے یونین جیک اتار کر وہاں پاکستان کا پرچم لہرایا۔ برستی گولیوں اور سنگینوں کی نوکوں کے درمیان سے گزر کر اس طالبہ کا پرچم لہرانا تاریخ پاکستان کا ایک زرنگار باب ہے۔ جب قائداعظم نے طلبہ کو حصول پاکستان کیلئے جدوجہد کیلئے پکارا تو طالبات نے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکل کر پاکستان کے پیغام کو گھر گھر پہنچادیا۔ حق تو یہ ہے کہ

؎ یہی تھیں دختران قوم، علم حق کی شمشیریں
انہوں نے کاٹ ڈالیں قوت باطل کی زنجیریں
عمل اور علم کی دولت سے روشن ان کے سینے ہیں
انہی سے جگمگاتی ہیں مری ملت کی تقدیریں

والا قدر! آج کا دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ زمان و مکاں کے فاصلے سمٹ رہے ہیں۔ ہم نے بہت تیزی سے آگے بڑھنا ہے۔ ہمیں یہ حقیقت مدنظر رکھنا ہوگی کہ اگر طالبات تحریک پاکستان کے دوران میں عظیم کردار ادا کرسکتی ہے تو تعمیر پاکستان میں ان کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ عورت کے اندر مرد کی نسبت کہیں زیادہ شفقت ہے۔ لہٰذا تعلیم و تدریس اور ڈاکٹری کے شعبے میں ان کا

مقام کہیں زیادہ موثر ہے۔ بورڈ اور یونیورسٹی کے سالانہ نتائج ان کی علمی برتری اور شدید محنت کے آئینہ دار ہیں۔

صدر محترم! غربت' جہالت اور معاشی بحران عصر حاضر کیلئے بہت بڑا چیلنج ہے۔ ہر چیلنج کا بھرپور سامنا کرنے کیلئے ہمیں دختران ملت کو ساتھ لے کر آگے بڑھنا ہوگا۔ ہم زمین کے مسائل حل نہیں کر سکے اور خلاؤں میں نئی بستیاں بسانے کی فکر میں ہیں۔ زمین کے مسائل کو حل کرنے کیلئے طالبات کو طلبہ کے ساتھ برابر کا شریک عمل سمجھنا ہوگا۔ پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا۔ اسلامی اقدار کو خضر راہ بنا کر طالبات تاریخ ساز کردار ادا کرسکتی ہیں۔

جناب صدر! اگر ہم لڑکوں کی تعلیم سے نظر چرائیں گے تو آدھی سے زیادہ آبادی جہالت کے اندھیروں میں ڈوب جائے گی' اور جب یہ نصف آبادی تاریکیوں کا شکار ہوگی تو پھر اندھیروں سے اندھیرے ہی پھیلیں گے۔ تاریکیوں سے اجالے جنم نہیں لیا کرتے۔ اسلئے لڑکیوں کو تعلیم کے استحقاق سے محروم کرنا فطری اصولوں سے بغاوت ہے۔ ایک نامور فاتح نے کہا تھا۔ مجھے دس اچھی مائیں دے دو میں تمہیں بہترین قوم دوں گا''۔ ہم تو اس دین کے ماننے والے ہیں جو سراپا نور اور سراسر روشنی ہے اور جس نے بچے کی پہلی درس گاہ ماں کی گود قرار دی ہے۔ طب ہو یا تدریس' انجینئرنگ ہو یا سیاسی امور' سائنسی امور ہوں یا احیائے دین' تعلیم یافتہ خواتین ہر جگہ' ہر مقام پر موثر کردار ادا کرسکتی ہیں۔ میں ان جذبات کیساتھ اجازت چاہوں گا کہ

؎ وہی ہے راہ ترے عزم و شوق کی منزل
جہاں ہیں فاطمہؓ و عائشہؓ کے نقش قدم
اسی پہ چلنا ہے تجھ کو چراغ علم لئے
بصد وقار اڑانا ہے پھر وفا کا علم

ہیپاٹائٹس ...... بیماری یا عذاب

صدر ذی وقار اور معزز حاضرین! آج کی تقریب کے حوالے سے میری تقریر کا عنوان ہے۔

ہیپاٹائٹس ...... بیماری یا عذاب

جناب والا! اس کائنات کا خالق وہ رب جلیل ہے جو زندگی کی روشنی پر موت کے سائے محیط کرتا اور موت کی تاریکیوں میں زندگی کا سورج ابھارتا ہے۔ جو بیماری کی صورت میں اپنے بندوں کے صبر کو آزماتا اور صحت وشفا کے گلاب اگاتا ہے۔ انسانی زندگی کس طرح ہلاکت کی قبر میں اترتی ہے' عصر حاضر میں اس کی سب سے بڑی مثال ہیپاٹائٹس یا کالا یرقان ہے۔ وہ کالا یرقان جو انسانی رگوں سے قطرہ قطرہ زندگی کا رس نچوڑتا اور اسے قدرت کی عظمتوں کے حضور جھکنے پر مجبور کرتا اور یہ احساس بخشتا ہے کہ

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

جناب والا! ہیپاٹائٹس کیا ہے۔ سر بسر موت کا پیغام ہے۔ یہ ایک متعدی مرض ہے۔ زہر کی لہر بن کر ایک فرد سے دوسرے فرد تک منتقل ہوتا ہے۔ یہ قدرت کی ستم کاری کا شاہکار ہے۔ یہ محض ایک مرض نہیں عالمگیر موت ہے۔ چنگیز اور ہلاکو خاں نے تو چند شہر اجاڑے تھے مگر کالا یرقان پورے کرۂ ارضی پر موت کا آتش

فشاں دہکا رہا ہے۔ جس گھر میں اس کی تشخیص ہو جائے تو پورا گھر ہی نہیں' پورا محلّہ سہم جاتا ہے۔ کالے یرقان کا نام ملک الموت کے نام سے بھی زیادہ خوفزدہ کرنے والا ہے۔

جناب والا! میں عصرِ حاضر میں انسانیت کو نوحہ کناں دیکھ رہا ہوں۔ میں نے ہیپاٹائٹس کی وہ تباہ کاری دیکھی ہے کہ جس کو دیکھ کر شاید موت کو بھی پسینہ آ جائے۔ کالا یرقان ایسی ہی وحشت ناک موت تقسیم کر رہا ہے۔ ایسی موت جو لمحہ اترتی اور لحظہ قبر کی جانب دھکیلتی ہے۔

موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موت کی آغوش میں
نے مجال شکوہ ہے' نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلو افشار ہے

صدر محترم! ہیپاٹائٹس جو موت تقسیم کر رہا ہے' اس کی خوفناک تصویر میں نے اپنے کلاس فیلو امجد علی کے گھر میں دیکھی۔ امجد علی میرا دوست تھا اور برسوں پہلے کا میرا ہم جماعت بھی۔ یہ دوست خوشیوں کا پیکر اور مسرتوں کا سفینہ تھا مگر پچھلے سال کالے یرقان نے امجد پر شب خون مارا۔ ہنستا کھیلتا امجد علی درد سے تڑپنے لگا۔ بے شمار ڈاکٹروں سے رجوع کیا گیا۔ بڑی دیر کے بعد پتہ چلا کہ کالا یرقان امجد علی کو قبر کی طرف لے جا رہا ہے۔ موت آگے بڑھتی گئی۔ زندگی کے گلاب مرجھاتے گئے۔ امجد علی جو ستاروں کی طرح جگمگاتا تھا یکدم ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا۔ سیاہ رنگت نے ماتم کا لبادہ اوڑھ لیا۔ میں اپنے دوست کو دیکھ کر بلکتا رہا۔ ڈاکٹر جدوجہد کرتے رہے۔ لیکن نہ تو ماں کی دعائیں کارگر ہوئیں اور نہ ہی بہنوں کے آنسو کام آئے۔ بھیانک موت نے اپنے جبڑے کھول دیئے۔ تاریک قبر نے اپنا دامن پھیلا

دیا اور میرا دوست امجد علی ہمیشہ کیلئے نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔

پھول تو کھل کر بہار جاں فزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

معزز حاضرین! میرے دوست کی موت کے بعد جب گھر کے باقی افراد نے اپنا طبی معائنہ کروایا تو معلوم ہوا کہ یہ متعدی مرض امجد علی کی ایک بہن اور بھائی کو لاحق ہو چکا ہے۔ میں لرز اٹھا' اور اس وقت سے میں حرف سوال بن کر سوچ رہا ہوں کہ اے ڈاکٹرو! اے مسیحاؤ! اے معالجو! اے طبیبو! موت کا یہ رقص کب تک جاری رہے گا؟ خدارا اپنے خالق کے بخشے ہوئے دماغ کی کرنیں بکھیرو اور اس عالمگیر موت کو روک لو' ورنہ اس کی تباہی تمام عالمگیر جنگوں پر سبقت لے جائے گی۔

جناب والا! اس قیامت خیز دور میں ہمیں اپنے ڈاکٹروں کی تجاویز پر عمل کرنا ہوگا۔ احتیاط علاج سے بہتر ہے۔ ہم میں سے ہر فرد کو بلا تاخیر اپنا طبی معائنہ کروانا چاہیے۔ ناقص سرنجوں' گندے طبی آلات' ناقص دوائیوں اور موت بخشنے والے عطائی حکیموں اور جعلی ڈاکٹروں سے بچنا ہوگا۔ موت کا وقت اٹل ہے مگر جان بوجھ کر خودکشی کرنا کس مذہب میں جائز ہے؟

جناب صدر! ہمارے سائنس دان چاند تسخیر کر چکے ہیں۔ ستاروں پر کمندیں ڈالنے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ خلاؤں پر قبضہ جمانے کی جنگ جاری ہے۔ مگر چاند کو تسخیر کرنے سے زیادہ اہم ہے کہ چاند جیسے چہروں کو قبروں میں اترنے سے بچالو۔ خلاؤں کو تسخیر کرنے سے زیادہ اہم ہے کہ کالے یرقان کی عالمگیر تباہی کو تسخیر کرو۔ ہم ایٹمی دھماکہ تو کر چکے' اب ایک دھماکہ ہیپاٹائٹس بی اور سی کے خلاف بھی ہونا چاہیے۔

محترم ڈاکٹر صاحبان آگے بڑھیے۔ فکری' سائنسی' ذہنی اور روحانی توانائیوں

سے بھرپور کام لیجئے۔ میں عہد حاضر کی نمائندگی کرتے ہوئے خدا کی رحمت پر یقین کامل رکھتا ہوں۔ اور اس عزم کے ساتھ آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ

؎ آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

جناب والا! اب تو بات یہاں تک آ پہنچی ہے کہ ڈاکٹروں نے کہہ دیا ہے کہ پاکستان میں ہر چوتھا شخص ہیپاٹائٹس میں مبتلا ہے۔ یہ خبر ہے یا زندگی کا نوحہ؟ یہ انکشاف ہے یا موت کی عالمگیری؟

؎ اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

جناب صدر! میں آپ کی وساطت سے حکومت کے انتہائی مقتدر حلقوں سے استدعا کرتا ہوں کہ خدارا اس عذاب الٰہی کو روک لیں۔ قدرت ہر قوم کو سنبھلنے کا ایک موقع ضرور فراہم کرتی ہے۔ وطن کی نالیوں میں گندا پانی سرایت کرتا ہو صاف پانی کا حصہ بن چکا ہے۔ موت کا نقارہ بج چکا ہے۔ اب عمل کی گھڑی ہے۔ ابھی درد دل رکھنے والے مسیحا صفت ڈاکٹر معالج اور سماجی راہنما موجود ہیں۔ خدارا ایک مرکز پر جمع ہو جاؤ۔ اس موت سے ٹکرانے کیلئے۔ زندگی کو بچانے کیلئے۔ ویرانوں کو خوشیوں کے گلزاروں میں بدلنے کیلئے۔

؎ چلے چلو کہ بدلنا ہے زندگی کا مزاج
چلے چلو کہ بدلنا ہے اب شعور سماج

ہم نے ساٹھ برسوں میں کیا کھویا کیا پایا

صدر ذی وقار اور معزز حاضرین! آج میں جس موضوع کو الفاظ کے گلدستے میں سجانا چاہتا ہوں' وہ ہے۔

ہم نے ساٹھ برسوں میں کیا کھویا کیا پایا

جناب والا! ان دنوں چاروں طرف پاکستان پاکستان کے ساٹھ برسوں کے انوار رقصاں ہیں۔ ہر محب وطن عظمت قوم و وطن کا پرچم لہرا رہا ہے۔ اس حسین ماحول میں قیام پاکستان کے بعد کے ساٹھ برسوں کا جائزہ وقت کا تقاضا بھی ہے اور عصر حاضر کا آوازہ بھی۔ کیونکہ میرا عظیم وطن اپنے ہر فرزند کو آواز دے رہا ہے کہ

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

صدر محترم! میرا وطن رب کریم کا احسان ہے۔ مسلم نشاۃ ثانیہ کی پہچان ہے۔ ہر ایک غم حیات کا درمان ہے۔ اس وطن کے صدقے میں ہم نے ہر وہ نعمت حاصل کی جس کا ہم آزادی سے پہلے تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ غلاموں نے آزادی کا قرار پایا۔ ہمیں عزت نفس ملی۔ اپنی پہچان عطا ہوئی۔ انگریز کے اقتدار کی سیاہ دھوپ میں جھلنے والوں کو امن و راحت کا سائبان عطا ہوا۔ تاریخ عالم نے اس صدی کا سب سے بڑا معجزہ دیکھا کہ دوقومی نظریہ کی حرمت کا امین پاکستان ایک خواب سے حقیقت میں ڈھل گیا۔

جناب والا! پاکستان نے تو ہمارا دامن ابدی خوشیوں اور آزادی کی لازوال مسرتوں سے بھر دیا مگر ہم نے اس کی حرمت و تقدیس کو ذاتی اغراض و مقاصد کی

نذر کر دیا۔ وہ قوم جو راس کماری کی ترائیوں سے خیبر کی بلندیوں تک کلمۂ طیبہ کے مرکز نور تلے جمع ہو کر وقت کے سب سے بڑے فرعون سے ٹکرا گئی تھی، تعصبات کی ظلمتوں میں کھو گئی۔ راہبر راہزن بن جائیں تو جادۂ حق کے مسافروں کی منزل سرابوں میں گم ہو جاتی ہے۔ ہم مسلمان نہ رہے بلکہ پنجابی، پٹھان، بلوچی اور سندھی کہلانے میں فخر محسوس کرنے لگے۔ یہ کتنا بڑا المیہ تھا کہ

ہم سمندر تھے مگر قطرے پہ راضی ہو گئے
پھر وقار و شانِ و شوکت عہد ماضی ہو گئے

جناب صدر! قائداعظم نے ہمیں وہ پاکستان دیا جو مشرقی اور مغربی پاکستان پر مشتمل تھا مگر ہم نے مشرقی حصے کو یوں جدا کر دیا جیسے ہمارا اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ شاہین اسلام کا ایک شہپر توڑ دیا گیا۔ بقیہ مغربی پاکستان کو پاکستان کا نام دے کر اب ہم اسے بھی ٹکڑوں میں بانٹنے کی فکر میں ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اَلْعِلْمُ سَلَاحِی" یعنی علم میرا اسلحہ ہے۔ اور اسی علمی شکوہ کے حوالے سے ساٹھ سال قبل طلبہ تحریک آزادی کا ہراول دستہ بن گئے۔ مگر آج کے طالب علم نے علم سے روشنی لینے کے بجائے تعلیمی درس گاہوں کو مذموم مقاصد کے بدترین مراکز میں تبدیل کر دیا۔ مقام افسوس ہے کہ ہم

بادِ صر صر کو بھی پیغام صبا کہنے لگے
کتنے سادہ ہیں کہ ظلمت کو ضیا کہنے لگے

حاضرین محترم! گذشتہ ساٹھ برسوں میں ہمیں کیا کچھ عطا نہیں ہوا مگر ہم ہر نعمت ربانی کو زیاں کاری کی نذر کرتے رہے۔ ان برسوں کا سب سے بڑا اعزاز وہ آزادی ہے جو ہم نے آگ اور خون کے سمندر عبور کر کے حاصل کی۔ اگر زندہ رہنا ہے تو پھر مایوسیوں کے ظلمت کدوں میں امیدوں کے ستارے روشن کرنا ہوں گے۔ ملک کو زرعی لحاظ سے ترقی یافتہ بنایا گیا۔ بین الصوبائی سڑکوں کے ذریعے فاصلوں

کو سمیٹ دیا گیا۔ کارخانوں کے جال بچھ گئے۔ ایٹمی توانائی کو بروئے کار لا کر پاکستان کو عالم اسلام کا بازوئے شمشیر زن بنا دیا گیا۔ مواصلات کے نظام نے شہروں ہی نہیں بلکہ ملکوں کو بھی آمنے سامنے کھڑا کر دیا۔ دریاؤں کے رخ مڑنے لگے۔ آبپاشی کے نظام کو جدت دے کر زمین کے سینے سے کئی گنا زیادہ اناج حاصل کیا جانے لگا۔ نئے نئے آلات نے ملک کے بیشتر مسائل کو بہترین حل سے ہمکنار کر دیا۔ ترقی اور جدوجہد کا قافلہ اس شان سے آگے بڑھا کہ روح ارضی یہ کہہ کر مادر وطن کے سامنے جھک گئی۔

؎ سر زمین پاک ہے تو سر زمین نور ہے
ذرہ ذرہ اے وطن تیرا چراغ طور ہے

صدر ثریا جاہ! اس سرزمین نور نے ہمیں جو کچھ دیا ہم نے اسے ضائع کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا۔ سونا اگلتی زمینوں کا اناج بیرون ملک سمگل ہونے لگا۔ قومی بینکوں کو اپنے ہی سیاست کار لوٹنے لگے۔ سیاست کو عبادت کے بجائے گالی بنا دیا گیا۔ دوقومی نظریہ پر مبنی کلچر کے بجائے ہیروئن اور بارود اگلتا ہوا کلاشنکوف کلچر متعارف کرایا گیا۔ ذرائع ابلاغ سے وطن کی نظریاتی بنیادوں کی تبلیغ کرنے کے بجائے فکری اقدار کو کھوکھلا کرنے کا کام لیا جانے لگا۔ فیکٹریوں کے ذریعہ سرمایہ دار امیر سے امیر تر ہوتے گئے مگر بندۂ مزدور کے تلخ حالات اس الم ناک حقیقت کی ترجمانی کرتے رہے کہ

؎ ملیں اس لئے کپڑوں کے ڈھیر بنتی ہیں
کہ دخترانِ وطن تار تار کو ترسیں

جناب صدر! قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں اتحاد تنظیم اور ایمان کا درس دیا مگر ہم نے اس پیغام کی عظمت کو فراموش کر دیا۔ شاعر مشرق نے نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر ہمیں ایک رشتہ میں سما جانے کا درس دیا مگر ہم نے مفادات

اور حرص وہوس کی رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے شاہین آوارگی کے خوگر بن گئے۔ بابائے ملت کے فرزند اپنے محسن کی بخشی ہوئی ارض پاکستان کو غیروں کا وطن سمجھ کر اس کے خاتمہ کی تدبیریں سوچنے لگے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم اچھے تاجر' اچھے بینکار اور اچھے منصوبہ ساز تو ہیں مگر اپنے وطن کے ساتھ مخلص نہیں۔ ہماری تمام صلاحیتیں تخریب کاری کی دھند میں گم ہو چکی ہیں۔

جناب والا! ملت پاک کے فرزند عظیم ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی ذات ہمیں حوصلہ دے رہی ہے کہ ساٹھ برسوں کا حساب کیا جائے تو اس نامور سائنس دان کا وجود ساٹھ کی ندامت کا داغ دھونے کیلئے کافی ہے۔ کاش ہمیں وطن سے حقیقی محبت کی توفیق عطا ہو جائے تو کتنے ہی ڈاکٹر قدیر خاں پاکستان کا اعزاز بن جائیں جو ناقدر شناسی کا شکار ہو کر غیر ملکوں کے سائنسی نظام کا حصہ بن چکے ہیں۔

مقام افسوس ہے کہ آج یہی محسن پاکستان نظر بند ہے۔ ہندوستان کا ایٹمی خالق تو صدر مملکت بن جائے گا مگر ہمیں ایٹمی قوت بنانے والا نذر زندان کر دیا ہے۔ کیا یہی احسان کا بدلہ ہے۔ ڈاکٹر بیمار نہیں مگر ہمارے سیاستدان امریکہ کی بنسری بجا رہے ہیں۔

صدر ذی وقار! ہم قائداعظم کی روح سے شرمندہ ہیں کہ ہم وہ کچھ نہ کر سکے جو قائداعظم کی تمنا تھی۔ ہمیں اپنی کوتاہیوں کا احساس ہے اور یہی احساس زیاں مردہ قوموں کو حیات نو عطا کرتا ہے۔ میں قائداعظم کی عظمتوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اس عزم کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں کہ

اے قائد ہم شرمندہ ہیں' اپنا نہ سکے انداز ترا
وہ قوم ہوئی بے بال و پر' بننا تھا جسے شہباز ترا
تجدید وفا ہم کرتے ہیں' اور آج یہ وعدہ کرتے ہیں
اے قائد ہم اپنائیں گے ہر طور تیرا' انداز ترا

ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

صدر والا مرتبت و حاضرین گرامی منزلت! آج کے اس ایوان خطابت میں مجھے جس موضوع کو الفاظ کا خراج پیش کرنا ہے' وہ ہے۔

ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

جناب صدر! عصر حاضر کے مسائل نے انسانی زندگی کو مصلوب کر رکھا ہے زندگی بے بندگی سے گزر کر شرمندگی کی نذر ہو گئی ہے۔ انسانی ضمیر سسک رہا ہے۔ انسانیت کی پہچان گم ہوتی جا رہی ہے۔ مصائب و آلام کے اس صحرائے بے کنار میں جب ایک ایک سانس بھی رک رک کے چلنے لگے تو پھر حالات کا مارا ہوا انسان چیخ اٹھتا ہے کہ

؎ زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

معزز حاضرین! جینے کے ہاتھوں مر جانے کا نوحہ صرف ہم ہی نہیں پڑھ رہے بلکہ یہ المنا کی ایک بین الاقوامی سانحہ محسوس ہوتی ہے۔ جہاں بھی سچ کو مصلوب کیا جائے' جہاں بھی حقیقت نگاری پر ہاتھ قلم کر دیئے جائیں' جہاں بھی کلمۂ حق کہنا جرم بن جائے' جہاں بھی پیٹ کا دوزخ بجھانے کیلئے انسان نان جویں کو ترسنے لگے' جہاں غیرت ایک تہمت اور بے حمیتی ایک اعزاز بن جائے' وہاں کا فرد ہو یا معاشرہ اسے بے موت مرنا ہی پڑے گا۔ کیونکہ

؎ جب بھی سلطانی ملے گی جبر و استبداد کو
لب ترستے ہی رہیں گے ہر گھڑی فریاد کو

جناب والا! زندگی خدا کی بخشی ہوئی رحمت ہے۔ جینا ایک نعمت ہے' مرنے کی دعا کوئی بھی نہیں کرتا' لیکن جب انسان خوابوں میں بھی زندہ نہ رہ سکے اور اس کی تعبیر کی آس بھی ٹوٹ جائے تو پھر وہ اپنے لبوں سے اپنا مرثیہ کیوں نہ پڑھے گا۔ بات کسی ایک صوبے یا خطۂ زمین کی نہیں' کسی ایک ملک یا براعظم کا تذکرہ نہیں' زندگی کی یہ بے آبروئی ہر جگہ نظر آتی ہے۔ جو بات ایک شاعر نے مدتوں پہلے کہی تھی وہی تو اب پوری کائنات کا افسانۂ غم بن گئی ہے کہ

؏ اب یہ حکایت عام ہوئی ہے سنتا جا شرماتا جا

صدر ثریا جاہ! میں تو وقت کے عبرت کدے میں کھڑا ہو کر چاروں طرف دار و رسن کی آزمائش دیکھ رہا ہوں۔ نہ ابتداء کی خبر ہے نہ انتہا معلوم۔ میرے کانوں کی قوت سماعت پورے کرۂ ارض پر پھیل گئی ہے۔ مجھے مسلمانوں کے قبلۂ اول ''بیت المقدس'' کے نام پر کٹ مرنے والے شہدائے اسلام کی چیخیں سنائی دے رہی ہیں۔ ''صیہونیت'' ایک عذاب بن کر مسلمانوں کی زندگی کا راستہ روک رہی ہے۔

اور پھر جناب صدر! ابھی وہ صدائیں مدھم نہیں ہوتیں کہ کشمیر کی ان بہنوں کی سسکیاں مجھ سے سماعت کا بھرم چھین لیتی ہیں جن کے بھائی' جن کی غیرتوں کے محافظ' اس جنت ارضی پر قربان ہو گئے۔ کشمیر جو کبھی جنت نظیر تھا اب اس کا ذرہ ذرہ سلگ رہا ہے ہر گھر مورچہ ہے تو ہر گلی میدان جنگ۔ شہداء کی لاشوں کا وہ انبار کہ فرشتے بھی چیخ اٹھیں۔ یہیں سے بوسنیا کے مجاہدوں کی چیخیں میرے حواس پر طاری ہو رہی ہیں جو یورپ میں نیا اندلس بنانے کیلئے آگ اور خون کے سمندر میں کود رہے ہیں۔ عراق اور افغانستان اریٹیریا کا مسلمان زندگی کیلئے سسک رہا ہے۔

چیچنیا میں فرزندان اسلام آقائے عربی کے نام پر باوقار زندگی کی آرزو میں موت کو سینے سے لگا رہے ہیں۔

جناب والا! میری سماعت ادھر سے ہٹتی ہے تو مجھے حبشہ اور صومالیہ میں ان لاتعداد بچوں اور بچیوں کی چیخیں سنائی دینے لگتی ہیں جو چاولوں کے چند دانوں کیلئے ترستے مر گئے۔ دنیا کو تہذیب وتمدن کا درس دینے والا ''گاڈ فادر'' امریکہ ان کی بے بسی کا تماشا دیکھ رہا ہے اور میرا سہما ہوا ضمیر یہ سوچ کر نگاہیں پھیر لیتا ہے کہ

اُف یہ آلام و مصائب کا ستایا انساں
زندگی آج بھی مفلس کی قبا ہو جیسے
میرے اندر کا وہ احساس کا مارا انساں
مجھ سے میرا ہی پتا پوچھ رہا ہو جیسے

والا قدر! میں اپنے ماحول سے الگ تو نہیں۔ انسان جینا چاہتا ہے مگر زندگی اس سے اپنے لوازمات کا خراج مانگتی ہے۔ کھانے کو غذا چاہیے۔ پینے کو صاف پانی چاہیے۔ دیکھنے کو شفاف ماحول چاہیے۔ محسوس کرنے کو پاکیزہ دل چاہیے۔ رہنے کو مکان کی حاجت ہے۔ موسموں کی شدت لباس کی طلب بیدار کرتی ہے۔ میں زندگی کا سراغ ڈھونڈتا ہوں مگر مجھے زندگی اپنے ہی طلب کردہ لوازمات کے بوجھ تلے سسکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ جب گندگی اور غلاظت کے ڈھیر ہمارا ثقافتی ورثہ بن جائیں۔ جب سائنس کی نالیوں میں گرد و غبار اترنے لگے۔ جب جوہڑ کے پانی کو صاف پانی کا نام دے دیا جائے۔ جب انسان چیتھڑے لگا لباس خریدنے پر بھی قادر نہ رہے۔ جب باغ صحراؤں میں اور گلشن ویرانی میں تبدیل ہو جائیں۔ جب بڑھتی ہوئی آبادی کا پھیلاؤ انسانی اعداد و شمار کے تمام معیار توڑ ڈالے تو پھر زندگی مفلس کی قبا بن کر رہ جاتی ہے۔

جناب صدر! ہم جینے کے ہاتھوں کیوں نہ مریں کہ ہمارا جینا تو آئی ایم ایف والوں کے عشرت کدے میں رہن رکھا ہوا ہے۔ ہم زمانے بھر کو دین و دنیا کی خیرات دینے والے نبی اکرم ﷺ کا امتی ہونا بھول کر کشکول گدائی اٹھا کر امریکہ بہادر کے در کے بھکاری بن گئے۔ ذلت و رسوائی کی آخری حد کو چھولیا۔ اس گاڈ فادر کی بے رحمی کا یہ عالم ہے کہ وہ ہمیں بے موت مارنے پر تلا ہوا ہے اور ہم کشکول گدائی کو اپنے اقتدار کا آخری سہارا سمجھے ہوئے ہیں۔

جناب والا! بات سیاست کی نہیں یہاں تو جو بھی آتا ہے فقر و غنا کی نہیں بلکہ کشکول گدائی کی بات کرتا ہے۔ عزت و غیرت نہ ہو تو جینا کیسا!

بزرگ کہا کرتے تھے کہ خواہ پیٹ بھرے ہوئے ہوں مگر حمیت چھن جائے تو پھر زندگی سے موت اچھی۔ مگر یہاں تو پیٹ کا رزق آئی ایم ایف والوں نے چھین لیا اور غیرت و حمیت یورپ کے ڈالروں میں کھو گئی' تو پھر کیوں نہ ہم جینے کے ہاتھوں مر جانے کا اقرار کریں۔ لیکن نہیں' نہیں

جناب والا! ہم تو موت کو مسیحائی دینے والے رسول محترم ﷺ کے امتی ہیں۔ محمد ﷺ کی جلوہ گری ہمیں مرنے نہیں دے گی۔ ہمیں زندہ رہنا ہے۔ ہم نے کشکول گدائی توڑنا ہے۔ ہم نے باوقار انداز سے جینا ہے۔ اپنے وطن کیلئے' اسلام کیلئے۔ میں ان جذبات کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔

شب سیہ میں یقیں کا سورج اچھال دو گر تو بات بھی ہے
چراغ رخ سے فضائے تیرہ اجال دو گر تو بات بھی ہے
دلوں کی بنجر زمین کب سے سحاب رحمت کی ہے سوالی
حیات تازہ کو پھر سے جاہ و جلال دو گر تو بات بھی ہے

نرم دم گفتگو گرم دم جستجو

صدر ذی وقار اور محترم حاضرین! آج کے ایوان میں مجھے جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے، وہ علامہ اقبال کا آفاقی شعر ہے۔

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

والا قدر! تاریخ شاہد ہے کہ وہی لوگ حاصل حیات ٹھہرے جنہوں نے زندگی کے حقیقی مدعا کو پالیا، اور زمانہ انہی کی لافانی عظمت کو سلام کرتا ہے جنہوں نے وقت کی جبین پر اپنے معجز نما عمل کے نقوش ثبت کئے۔ جب ہم زمانے کو تسخیر کرنے والی شخصیات کا سراغ لگاتے ہیں تو ان کی روشن جھلک شاعر مشرق کے کلام میں نظر آتی ہے۔ بلاشبہ یہ مردان ایمان ہی ہیں جو وقت کی طاغوتی طاقتوں کے سامنے جھکتے نہیں بلکہ انہیں جھکاتے ہیں۔ ان کا ہر قول شوکت افکار اور ہر عمل عظمت کردار ہوتا ہے۔

جناب صدر! یہی وہ صف شکن مجاہد ہیں جن کے عمل کا ہر انداز تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہوتا ہے۔ جب رزم آرائی کے مرحلے ہوں تو یہ شیران نر کی طرح جھپٹتے ہیں، شاہینوں کی طرح لپکتے ہیں اور شعلہ و برق بن کر خرمن باطل کو خاکستر کر دیتے ہیں۔ مگر جب یہی اہل نظر اپنے دوستوں کی محفل میں ہوتے ہیں تو ایسے جیسے شبنم کے قطروں کا لمس ہوتا ہے، ایسے جیسے خوشبو کی نزاکت ہوتی ہے، ایسے جیسے خلوص و محبت کی بے نام مہک ہوتی ہے۔ یہی وہ عظیم مجاہدین اسلام ہیں جن کی شوکت

کردار کی گواہی قرآن یوں دیتا ہے۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم

اور والا قدر! پھر یہی حقیقت حکیم الامت کے قلم معجز رقم سے یوں خراج عقیدت حاصل کرتی ہے۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

جناب صدر! ہم جب تاریخ اسلام کے ایوان زرنگار میں داخل ہوتے ہیں تو صدیوں پر پھیلی ہوئی تاریخ کے افق پر ایسے بطل جلیل بڑی تعداد میں جگمگاتے نظر آتے ہیں جنہوں نے کہیں تو اپنی فولادی قوت سے باطل کو تسخیر کیا اور کہیں صلح و امن اور محبت و خلوص کی خوشبو پھیلا کر زمانے کو مسخر کر لیا۔ مجاہدین اسلام کا یہ تمام تر عمل آقائے دو عالم ﷺ کے ارشادات سے عبارت ہے۔ آپ جب کسی لشکر اسلام کو روانہ کرتے تو یہ نصیحت فرماتے۔

''دشمن کو اسلام کی دعوت دینا۔ اگر مسلمان ہو جائے تو تمہارا بھائی ہے۔ بصورت دیگر اسے جزیہ پر آمادہ کرنا۔ مان جائے تو اس کی جان و مال کی حفاظت تمہارا فرض ہے۔ اگر اسے دونوں صورتیں قبول نہ ہوں تو باطل سے اس شان سے ٹکرانا کہ وہ نیست و نابود ہو جائے۔ مگر خبردار! ان کے کھیتوں کو پامال نہ کرنا' املاک کو تباہ نہ کرنا۔ بچوں' بوڑھوں اور عورتوں سے رحم کا سلوک کرنا''۔

جناب والا! کیا تاریخ اس بلاغت آفریں خطبۂ رسالت مآب ﷺ کی نظیر پیش کر سکتی ہے۔ اقبالؒ کے لفظوں میں اس کی تفسیر یوں نظر آتی ہے۔

گزر جا بن کے سیل تند رو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

والا مرتبت! تاریخ کے اوراق گواہی دیتے ہیں کہ مجاہدین اسلام نے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے ارشادات کو یوں دلوں میں بسایا کہ عظمت اسلام کی تصویر بن گئے' جرأت حق کی تنویر بن گئے' نصرت و کامرانی کی تفسیر بن گئے۔ ان کی شمشیر خارا شگاف نے اپنوں اور بیگانوں کے درمیان امتیاز کرنا سیکھ لیا۔ ان کی تلواریں حق کی حمایت میں اور طاغوتی قوتوں کے خاتمہ کیلئے اٹھتی تھیں۔ یہ دشمنوں کیلئے ایمان کی للکار اور اپنوں کیلئے محبت کا اظہار تھے۔ باطل ان سے لرزتا اور کمزور ان کے دامان کرم میں پناہ ڈھونڈتے تھے۔

صدر ثریا جاہ! مسلمان تو اول و آخر مجاہد ہے۔ جہاد اس کی فطرت' میدان جنگ اس کی عظمت اور شمشیر اسلام کی کاٹ اس کی ہیبت ہے۔ وہ فقط اسی حقیقت سے آشنا ہوتا ہے کہ زندہ رہے تو غازی اور اگر راہ حق میں کام آ گئے تو شہید۔ ایسے شہید جو اپنے لہو میں غسل کر کے جرأت و دلیری کی داستانیں رقم کر جاتے ہیں' جو اس شان سے جان دیتے ہیں کہ مر کر بھی نہیں مرتے۔ فیض احمد فیض نے انہی کے بارے میں خوب کہا ہے۔

جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

صدر محترم! علامہ محمد اقبال کا یہ شعر ہمیں پیغام دیتا ہے کہ مجاہد اسلام اپنے لئے نہیں بلکہ رضائے الٰہی کیلئے جیتا ہے۔ جب اسکا یہ عمل اسلام کے حربی اصولوں کے تابع ہو جاتا ہے اور یہ خلوت و جلوت میں بانیٔ اسلام کی سیرت طیبہ سے روشنی لیتا ہے۔ اسلام اس کی پہچان' ذوق جہاد اس کی سیرت کا عنوان اور شوق شہادت اس کی ابدی زندگی کا فرمان بن جاتا ہے تو پھر اس کی للکار غیرت قدرت کی نوید اور اسکی ضرب' ضرب یداللّٰہی بن جاتی ہے۔ زمان و مکان اس کے سامنے جھکتے اور

فاصلے سمٹنے لگتے ہیں۔ سمندر راستہ دینے اور صحرا ذروں کی صورت ان کے قدموں کو بوسہ دینے لگتے ہیں۔

والا قدر! آج ضرورت ہے کہ اسی جذبہٗ جہاد کو عام کیا جائے۔ غزوہ بدر ہو یا احد و حنین، فتح بیت المقدس ہو یا فتح قادسیہ' محمد بن قاسم کی یلغار ہو یا صلاح الدین ایوبی کی للکار۔ خالد بن ولید کا نعرۂ مستانہ ہو یا فتح علی ٹیپو کی جرأت رندانہ' ہر جگہ ہر مقام پر فکر و نظر کو مجاہدین اسلام کی فاتحانہ کشور کشائی کی تب و تاب نظر آتی ہے۔

جناب والا! میں غازیان اسلام کے سامنے سر نیاز خم کرتے ہوئے اس پیغام کے ساتھ اجازت چاہوں گا۔

ترا جوہر ہے نوری' پاک ہے تو
فروغ دیدۂ افلاک ہے تو
تیرے صید زبوں فرشتہ و حور
کہ شاہین شہ لولاک ہے تو

شاعر مشرق کو سلام

جناب صدر اور معزز حاضرین! میرا آج کا موضوع تقریر ہے

"شاعر مشرق کو سلام"

جناب والا! علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ عصر حاضر میں مسلمانوں کی دعاؤں کا جواب تھے۔ انکا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو تاریخ ساز کردار ادا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ وہ بلاشبہ بے شمار انسانوں کی دعاؤں کا جواب تھے۔ بزم ہستی مدتوں ایسے ہی عظیم انسان کے وجود کیلئے محو دعا رہتی ہے۔ جس وقت برصغیر پاک و ہند پر غلامی کی تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں، اس وقت علامہ محمد اقبال نے قوم مسلم کو جینے کا حوصلہ عطا کیا۔ غلامی کی تاریکیوں میں آزادی کے چراغ روشن کیے اور مسلمانوں کو یہ پیغام دیا کہ

؎ سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

معزز حاضرین! علامہ محمد اقبال صحیح معنوں میں مرد مومن تھے۔ وہ ہر مسلمان کو ایمان کے سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کی آرزو تھی کہ مسلمان اپنے دلوں میں ایمانی صفت پیدا کریں۔ اس مقصد کی خاطر انہوں نے مسلمانوں کو پیغام دیا کہ وہ قرآن حکیم کا مطالعہ کریں۔ قرآن کے انوار کے سمندر میں غوطہ زن ہو جائیں تو انہیں علم و حکمت کے لازوال جواہر میسر آئیں گے۔ قرآن حکیم کا

مطالعہ اور اس پر عمل ان کی زندگیوں کو سنوار دے گا۔

آج کا پاکستان اسی عظیم فلسفی شاعر کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ انہوں نے مدتوں پہلے دو قومی نظریہ کا تصور اجاگر کیا اور واضح کیا کہ مسلمان قوم کا وجود مذہب سے ہے۔ یہی عظیم تصور بالآخر مسلمانوں کے دلوں میں سما گیا۔ برصغیر کے مسلمان جذبۂ آزادی سے سرشار ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور عظیم مملکت پاکستان معرض وجود میں آ گئی۔ یہ پاکستان اللہ رب العزت کا احسان اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خواب کی دل نشیں تعبیر ہے۔

صدر محترم! اقبال چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سما جائے۔ وہ خود بہت بڑے عاشق رسول تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہی ان کی آنکھوں میں آنسو بکھرنے لگتے۔ بلاشبہ محبت رسول وہ عظیم قوت ہے جو ذروں کو آفتاب کی چمک عطا کرتی ہے۔ اسی لئے اقبال سمجھتے تھے کہ جب مسلمانوں کے دل عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی سے پرنور ہو جائیں گے تو یہ ہر باطل قوت سے ٹکرا جائیں۔ اس خاطر انہوں نے پیغام دیا:

؎ کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اس عظیم شاعر کو نوجوانوں اور خاص طور پر طالب علموں سے بہت محبت تھی۔ وہ نوجوانوں کو اسلاف کی عظمت کے فسانے سناتے تھے تاکہ یہ فرزندان اسلام ماضی کی روایات کو دہرانے کے قابل ہو جائیں۔ وہ طالب علموں اور نوجوانوں کو شاہین کے روپ مین دیکھنا چاہتے تھے۔ ایسا شاہین جو بلندی پر پرواز کرتا ہے' جو اپنی پرواز پر بھروسہ کرتا ہے' جو کبھی تھک کر نہیں گرتا۔ ان کی آرزو تھی کہ ہمارے طالب علم اور نوجوان بھی شاہینی پرواز کے قابل ہو جائیں۔ اسی لئے انہوں نے فرمایا:

؎ محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

والا مرتبت! اس مقصد کی خاطر وہ فرزندان اسلام میں عقابی روح کی بیداری چاہتے تھے۔ ایسی عقابی روح جس کی بدولت انہیں اپنی منزل آسمانوں سے آگے نظر آئے۔ اقبال نے نوجوانوں اور طالب علموں کیلئے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان کا پیغام وقتی یا ہنگامی نہیں تھا۔ ان کا پیغام آج بھی گونج رہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے طالب علم اقبال کے کلام اور شاعری کو سمجھیں۔ ان کی سیرت کا مطالعہ کریں، ان کے افکار سے روشنی لیں، تاکہ یہ اپنے ملک کی فضاؤں میں اقبال کی تعلیمات سے اجالا کرسکیں۔

شاعر مشرق نے اپنے نوجوانوں کو خودی اور خودداری کا سبق دیا، غیرت کا پیغام دیا، اپنے بازوؤں کی قوت پر اعتماد کرنے کا پیغام دیا۔ خودی وہ قوت ہے جس کی بدولت مسلمان خود کو پہچانتا ہے، پھر اپنے خدا کی پہچان حاصل کرلیتا ہے۔ یہی وقت ہوتا ہے جب خدا کی رحمتیں مرد مومن میں سما جاتی ہیں۔ اس حوالے سے ان کا یہ پیغام آج بھی زندگی کا سلیقہ عطا کر رہا ہے۔

؎ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

صدر ثریا جاہ! آج ضرورت ہے کہ ہم اپنے ملک کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں۔ ہمارے طالب علموں پر خاص طور پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اقبال سے محبت کریں، پاکستان سے محبت کریں۔ کیونکہ یہ پاکستان علامہ اقبال کے خواب کی تعبیر ہے۔ اس مقصد کی خاطر ضروری ہے کہ ہمارے طلبہ دل لگا کر پڑھیں۔ علم کو دل و جان کا نور سمجھیں۔ علمی دنیا میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل کریں۔ بلاشبہ علامہ

محمد اقبال کو سب سے بڑا اخراج عقیدت یہی ہے کہ قوت عمل سے کام لیا جائے۔ علم کی بلندیوں پر پہنچ کر پاکستان کو عظیم تر بنایا جائے۔ میں اقبال کے اس پیغام کے ساتھ ہی اجازت چاہتا ہوں

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے
پرے ہے چرخ نیلی خام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

یوم تکبیر اور طلبہ کا کردار

گرامی قدر معزز اساتذہ کرام اور عزیز ساتھیو! میری تقریر کا عنوان ہے۔

''یوم تکبیر اور طلبہ کا کردار''

جناب والا! یوم تکبیر ہمیں اس دن کی یاد دلاتا ہے' جب چاغی کی پہاڑیوں سے ایٹمی قوت کا سرچشمہ پھوٹا تھا۔ ۲۸ مئی ۱۹۹۸ء کا دن تھا' جب پاکستان کو دنیا کی ساتویں ایٹمی قوت بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ ہمارے سائنسدانوں نے ایک بٹن پر انگلی رکھی اور معجزہ رونما ہوگیا۔ اپنوں کے دل خوشی و مسرت سے جھوم اٹھے اور دشمنوں کے سینے چاک ہوگئے اور فضاؤں نے مسکرا کر پاکستان کی دھرتی کو سلام کیا۔

میرا پاکستان ہے قوت کا یہ مینار ہے
رحمت رب دو عالم کا حسیں شہکار ہے
ایٹمی قوت بنا یہ ملک باطل جھک گیا
شوکت ایمان ہے' یہ مطلع انوار ہے

صدر محترم! مجھے فخر ہے محسن ملت ڈاکٹر عبدالقدیر خاں پر جن کی محنت رنگ لائی اور ناممکن کو ممکن میں تبدیل کر دیا۔ مجھے فخر ہے ارض پاک پر جس کی مٹی کے ذرے چاند ستاروں سے زیادہ روشن ہیں۔ مجھے فخر ہے ان فرزندان قوم پر جو پورے وقار کے ساتھ یوم تکبیر منا رہے ہیں۔ مجھے فخر ہے پاکستانی ایٹم بم پر جو عالم اسلام

کی قوت کا بم ہے۔ مجھے فخر ہے اپنے شاہین میزائل پر جو دشمن پر دلیری سے جھپٹتا ہے۔ مجھے فخر ہے غوری میزائل پر جس کی قوت کے سامنے دشمن کا پرتھوی میزائل ناکارہ ہو جاتا ہے۔ یہ ہماری ایٹمی قوت ہر صاحب ایمان کو یہ پیغام دے رہی ہے کہ

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے

جناب والا! ہم طالب علموں کو اپنے سائنس دانوں پر ناز ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنے سائنس دانوں کے مشن کو آگے بڑھائیں۔ ہمارے سائنس دانوں نے جو معجزہ کر دکھایا اس کی لاج رکھیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اچھے طالب علم اور اچھے شہری بنیں۔ دل لگا کر محنت کریں۔ سائنسی علوم پڑھیں۔ اپنے سائنس دانوں کی زندگی کا مطالعہ کریں اور پھر ان کی زندگی سے سبق حاصل کریں کیا۔ معلوم کہ قدرت ہم میں سے کس پر مہربان ہو جائے اور قوم کو نئے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں عطا ہو جائیں۔

جناب صدر! ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی زندگی محنت اور عزم وعمل کی زندگی ہے۔ اس مقصد کی خاطر ہمیں بھی شدید محنت اور علم سے لگن کا مظاہرہ کرنا ہوگا اور سمجھنا ہوگا کہ

بے معرکہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا' وہ ہنر کیا

معزز حاضرین! ہم طالب علموں کا فرض ہے کہ "یوم تکبیر" کو پورے ایمان کے ساتھ منائیں' کیونکہ یہی وہ دن ہے جس نے ہمارے جھکے ہوئے سر کو فخر سے بلند کیا۔ یہی وہ دن ہے جس نے بھارت کو پاکستان کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا۔ یہی وہ دن ہے جس نے ہمیں پاکستان کی پہچان عطا کی۔ اس پاکستان نے ہمیں بہت کچھ دیا ہے۔ اس ملک نے دنیا بھر کی نعمتیں ہماری جھولی میں ڈال دی ہیں۔

ہم پہ لازم ہے کہ ہم ان نعمتوں کا حق ادا کریں اور وطن سے محبت کا قرض چکائیں تاکہ آنے والا دور پاکستان کی عظمت اور خوشحالی کا نیا منظر دیکھ سکے۔ جب بھی کوئی دشمن اس پاک سرزمین کو میلی آنکھ سے دیکھے تو ہمیں یہ کہتے ہوئے دشمن پر جھپٹ پڑنا چاہیے کہ

تیرے دشمن کے لئے ہم موت کی یلغار ہیں
جرأت و ہمت کے پیکر عزم کی دیوار ہیں

صدرِ والا قدر! ہمارے سائنس دانوں نے ایٹمی قوت کی بدولت پاکستان کی جغرافیائی سرحدیں محفوظ کردی ہیں۔ طلباء کو چاہیے کہ پاکستان کی نظریاتی سرحدوں سے پیار کریں۔ یہ وطن لاکھوں شہیدوں کی امانت ہے۔ یہ وطن طلباء کی قربانیوں کا ثمر ہے۔ یہ وطن اسلام کی عظمت کی پہچان ہے۔ ہم نے اس کے گوشے گوشے کو اپنی محنت سے سنوارنا ہے۔ ہم ''یوم تکبیر'' مناتے ہوئے اپنے سائنس دانوں پر فخر کرتے ہیں اور یہ اعلان کرتے ہیں۔

قسم ہے ہمیں عزم و ہمت کی، جاں کی
قسم ہے ہمیں علم کے گلستاں کی
قسم ہے ہمیں جاں میں رقصاں لہو کی
قسم ہے ہمیں وقت کی آبرو کی
ترے نام پر سر کٹا دیں گے اپنا
کریں گے ترا پورا ہر ایک سپنا

محسنِ ملت ڈاکٹر عبدالقدیر خاں

جنابِ صدر اور معزز حاضرین! مجھے آج جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے۔

محسن ملت ڈاکٹر عبدالقدیر خاں

جناب والا! ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا شمار ان عظیم لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں قدرت کسی بڑے کام کیلئے تخلیق کرتی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں جب یہ ہجرت کر کے پاکستان آئے تو اپنے والد کی انگلی تھام رکھی تھی۔ سر پر کپڑوں کا ایک صندوق تھا۔ یہ گھرانا سب کچھ لٹا کر آیا تھا۔ اسکے کتنے ہی عزیز پاکستان کی منزل تک پہنچتے پہنچتے ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھ موت کا شکار بن گئے۔ یہ ننھا عبدالقدیر جب پاکستان کے بارڈر پر آیا تو اس نے خاک وخون میں اٹے ہوئے مسلمانوں کے ہجوم کو دیکھا۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اس نے وطن کی مٹی کو اٹھایا اور اسے گواہ بنا کر کہا

اے ارضِ وطن! میں تیری قسم کھاتا ہوں کہ تجھ پر ہونے والے ظلم کا بدلہ ضرور لوں گا۔

صدر محترم! یہ ننھا عبدالقدیر یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھ کر ایک روز ڈاکٹر عبدالقدیر خاں بنا۔ پاکستان آیا اور بے سروسامانی کے عالم میں کہوٹہ کو مرکز بنا کر ایٹم بم بنانے کی طرف سفر شروع کر دیا۔ برسوں کام ہوتا رہا پھر ایٹم بم وجود میں آ گیا۔ اچانک ہندوستان نے پانچ ایٹمی دھماکے کر دیئے اور للکار کر کہا۔

مسلمانو! تم کشمیر مانگتے تھے اب اپنے پاکستان کی خیر مناؤ"۔

ہندو بنیا مسکرا رہا تھا ادھر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ تقدیر کا حسن لئے ہوئے تھی۔ اگلے روز اس عظیم مجاہد پاکستان نے چاغی کے مقام پر ایٹم بم کے چھ دھماکے کر دیئے اور ایک ہی آن میں پاکستان اسلامی دنیا کی سب سے پہلی ایٹمی قوت بن گیا۔ قدرت نے معجزہ دکھا دیا۔ باطل کی نگاہیں جھک گئیں۔ زمانہ حیران رہ گیا۔

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا زور حیدر' فقر بو ذر' صدق سلمانی

جناب والا! ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا نام نہ صرف پاکستان' بلکہ عالم اسلام کے محسن سائنسدان کی حیثیت سے اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا' سنہری حروف میں لکھا جائے گا اور آنے والے وقتوں میں پاکستانی اور عالم اسلام کی نئی نسلیں ان کا نام بڑے احترام اور عقیدت سے لیا کریں گی۔ پاکستان کے بچے بچے کی زبان پر ان کا نام ہے۔ ملک کے گلی کوچوں میں دیواروں پر ننھے ننھے بچے چاک سے ان کا نام لکھتے ہوئے خوشی اور فخر محسوس کرتے ہیں۔

صدر محترم! محسن قوم نے دفاع کو نا قابل تسخیر بنا دیا ہے اور عالم اسلام کے نوجوان سائنسدانوں کیلئے بھی وہ ایک قابل تقلید مثال بن گئے ہیں۔ ان کی یہ آرزو رہی کہ اسلامی دنیا کے سائنسدان آگے آئیں اور مسلم دنیا کے دفاع کو بھی نا قابل تسخیر بنا دیں۔ ڈاکٹر خان نے جن مشکل حالات میں پاکستان کیلئے ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کی اور جس عزم و یقین کے ساتھ کم سے کم وقت میں اپنے وطن کو اسلامی دنیا کی اولین اور واحد ایٹمی طاقت بنا دیا' وہ ہم سب کیلئے قابل فخر ہے اور ہم اپنے اس عظیم سائنسدان کے احسان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ آج ڈاکٹر عبدالقدیر خان

پاکستان میں سب سے زیادہ پیارا اور سب سے زیادہ محترم نام ہے۔
والا قدر! 1974ء میں بھارت نے اپنا پہلا ایٹمی تجربہ کیا تو ہر ہندو اس پر خوشی سے اترانے لگا اور اسے پاکستان کیلئے ایک چیلنج تصور کیا' بلکہ بھارت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کیلئے مجبور کرنیکی باتیں بھی ہونے لگیں۔ اس وقت کے وزیر اعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو نے یہ اعلان کر کے پوری قوم کے دلوں کی ترجمانی کی کہ ہم گھاس کھائیں گے' مگر ایٹم بم ضرور بنائیں گے"۔ پاکستان اس وقت سیاسی اور اقتصادی طور پر اتنا مضبوط نہ تھا' بلکہ مالی مشکلات سے دوچار تھا۔ ایسے میں وزیر اعظم کا یہ اعلان ایک آرزو اور ایک خواب سے زیادہ کچھ نہیں معلوم ہوتا تھا' مگر ایک غیرت مند پاکستانی سائنسدان اور غیور مسلمان نے اس آرزو کو حقیقت میں بدلنے اور اس خواب کو خوبصورت تعبیر فراہم کرنے کا عزم کیا اور بھارت کے اس چیلنج کو قبول کرلیا۔ یہی نوجوان آج ایٹمی پروگرام کا خالق بن کر ملت اسلامیہ کے دلوں کی دھڑکن میں بس رہا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ

زینتِ قوم و وطن' اعزازِ فطرت کی نظیر
جلوۂ صبحِ ازل' ہاں ڈاکٹر عبدالقدیر
اس نے ایٹم بم دیا' ملت کو زندہ کر دیا
ہوگئے خاموش اک پل میں شیاطینِ شریر
شاعرِ مشرق کا شاہیں' روحِ ملت کا وقار
جو کہ ہے جانِ عمل اور غیرتِ حق کا سفیر

جناب صدر! اس کو قدرت کا کرشمہ جانیں کہ دھماکوں سے پہلے پاکستان کو خطرناک نتائج' اقتصادی بحرانوں اور جانے کیا کیا خوف دلائے جا رہے تھے' لیکن پچاس سالوں میں پہلی مرتبہ پاکستان نے اپنا فیصلہ خود کر کے اپنی آزادی کی قدر

دوسروں سے کروائی ہے۔ وہی مہربان، ہماری اتنی بڑی گستاخی کے باوجود ہمارے ساتھ قطع تعلق پر بھی راضی نہیں تھے۔ کوئی ثالثی کیلئے دوڑ رہا تھا، کوئی اپنے سرمایہ کاروں کو یہاں سرمایہ کاری جاری رکھنے کی اجازت دے رہا تھا۔ کسی نے پابندیاں لگانے سے اسلامی ملکوں کو یہ سہولت مل جانے کے خوف سے، ان کی مخالفت کی تو دیگر نے اس کو بھارت کے دھماکوں کا ردعمل ظاہر کر کے راہِ فرار اختیار کی۔ یہاں تک کہ قرض روک لینے والے عالمی مالیاتی ادارے خود ہی قرضے جاری رکھنے پر بضد رہے۔ ہم تو کہہ رہے تھے کہ ان قرضوں کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ ہم بھوکے رہیں گے، اب اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائیں گے، مگر عنایات تھیں کہ بڑھتی جا رہی تھیں۔ دراصل وہ ہمیں کبھی بھی اقتصادی طور پر ہمارے پاؤں پر کھڑا ہونے نہیں دینا چاہتے تھے۔

اس سارے تناظر میں یہ دیکھا جائے تو نہایت مناسب وقت ہے کہ ہم اب اپنی آزادی کی ایک بار پھر قیمت ادا کریں اور اپنے استحکام کے فیصلے خود کیا کریں۔ ان شعبہ ہائے زندگی میں سخت کوشی کو پیش نظر رکھیں کہ اسی کی بدولت قومیں ترقی کرتی ہیں۔

ملک کے معروف اور ممتاز سائنس دان ہیں
صاحب علم و بصیرت، ڈاکٹر عبدالقدیر
ارضِ پاکستان کا ہے ایک وہ مردِ عظیم
ربِ اکبر کی عنایت، ڈاکٹر عبدالقدیر

صدرِ والا قدر! زندہ قومیں اپنے محسنین کی قدر کرتی ہیں۔ ان پر اپنے دل و جان کے اثاثے نچھاور کرتی ہیں۔ ان کے تذکروں سے تاریخ کا اعزاز بڑھاتی ہیں۔ ان کی یادوں سے نسلِ نو کو آگے بڑھنے کا حوصلہ عطا کرتی ہیں مگر ہم وہ بدقسمت

قوم ہیں کہ جس کے گذشتہ سربراہ جنرل مشرف نے محسن قوم سے اعزازات چھین لئے اسے اہل خانہ سمیت گھر میں نظر بند کر دیا۔ وہ محسن پاکستان جس نے اٹھارہ کروڑ پاکستانیوں کی آزادی کا تحفظ کیا تھا اس سے اس کی ذاتی آزادی کا اثاثہ چھین لیا۔

محسن قوم و وطن سے یہ سلوکِ شرم ناک
اپنے ہاتھوں سے ہی گہنا دی ہم نے صبحِ تاب ناک

معزز حاضرین! افسوس تو یہ ہے کہ ہندوستانی قوم نے اپنے ایٹم بم کے خالق کو صدر ہندوستان بنا دیا مگر ہم کس قدر بد قسمت ہیں کہ اپنے ہی محسن کو زنداں کی نذر کر دیا۔ قائداعظم نے ہمیں پاکستان عطا کیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے اسی پاکستان کا دفاع ناقابل تسخیر بنایا۔ چشم فلک حیران رہ گئی کہ یہ معجزہ کس طرح رونما ہو گیا۔ یہ ناممکن امر کس طرح وجود میں آ گیا۔ بھارت اور اسرائیل جیسی قوتیں لرزہ براندام ہو گئیں اور ان کے آقا امریکہ اور برطانیہ کی نیندیں اڑ گئیں۔ انہوں نے اپنی شطرنج کے مہرے جنرل مشرف کو آگے بڑھایا اور اس نے وہ کر دکھایا جس کی کسی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ محبِ وطن سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ جس طرح تاریخ میر جعفر اور میر صادق پر قیامت تک لعنتیں برساتی رہے گی اسی طرح جنرل مشرف بھی رہتی دنیا تک محبانِ قوم و وطن کی نفرت کا مرکز بنا رہے گا۔

جس قدر بڑھتی رہیں گی سازشیں شیطان کی
اس قدر ہوگی فروزاں شان میرے ”خان“ کی

صدر محترم! ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے فقط ایٹم بم کو ہی اسلامی دنیا کا اعزاز نہیں بنایا بلکہ دور اور نزدیک مار کرنے والے میزائل بھی بنائے اور ہندوستان کو باور کرا دیا کہ تمہارا کوئی بھی شہر یا قصبہ ہمارے سائنسدانوں کی مہارت فن سے دور نہیں ہے۔ یکے بعد دیگرے میزائلوں کے تجربات نے بھارت اور اسلام دشمن قوتوں کو

ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ ان کا برتری کا احساس دم توڑ گیا۔ انہیں اپنا مستقبل پاکستانی مجاہدوں کے قدموں تلے پامال ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

یہی نہیں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ٹیکنالوجی اور سائنس کے فروغ پر زور دیا۔ ایسے ادارے بنائے جہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے سائنس دان آنے والے ادوار میں پاکستان کی سربلندی کا عمل جاری رکھ سکیں۔

والا قدر! ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے کہا تھا کہ اگر دشمن مجھے شہادت سے ہمکنار کردے تو میری شہادت سے جوہری توانائی کا یہ عمل رک نہیں جائے گا بلکہ میں نے ہزاروں ڈاکٹر عبدالقدیر پیدا کر دیئے ہیں۔ تم کس کس کو مارو گے۔ میں نے تو اپنا تاریخی فریضہ انجام دے دیا ہے۔

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
اُفق سے آفتاب ابھرا' گیا دورِ گراں خوابی
عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی

جناب والا! جنرل مشرف تو آمر تھا۔ یورپی قوتوں کا غلام تھا۔ اب تو وطن میں جمہوریت کا سویرا پھیلا ہوا ہے۔ آمریت اپنے برگ و بار کو سمیٹ کر رخصت ہو چکی ہے تو پھر اب کیوں محسن ملک نظر بندی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ضرورت ہے اس فرزند قوم کو بلا تاخیر رہا کر دیا جائے تا کہ یہ قوم و وطن کو اپنے تاریخ ساز تجربات کا اثاثہ دے سکے۔ میں یہ کہہ کر اجازت چاہوں گا کہ

اے خدا! محسن مرا زندہ و پائندہ رہے
زندگی جس نے ہمیں دی' شان سے زندہ رہے

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

جناب صدر اور معزز سامعین! آج کے اس معزز ایوان میں جس موضوع پر اظہارِ خیال کرنا ہے وہ علامہ اقبال کے ایک شعر سے مستعار لیا ہوا ایک مصرع ہے۔

"ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی"

جناب والا! قدرت نے انسان کو اسرارِ فطرت کا امین بنایا ہے۔ اسے ناممکنات کو ممکنات میں بدلنے کا حوصلہ بخشا ہے۔ فطرت نے چاند' سورج' ستاروں' زمین کی وسعتوں اور کوہ وصحرا کی بلندیوں کو اس کے قدموں میں ڈال دیا ہے تاکہ یہ اس بزمِ ہستی کو فطرت کے انوار سے منور کر سکے' سنگلاخ زمینوں سے گل و لالہ اٹھا سکے' دریاؤں کے رخ موڑ سکے' سنگلاخ پہاڑوں کو خاک راہ کی صورت اُڑا سکے' اوروں سے زندگی کی بھیک نہ مانگے' بلکہ زمانے کو عظمت و سرفرازی کی سوغات عطا کرے' اور یہی وہ مقام ہے جب حکیم الامت کا قلم اس عقدۂ فطرت کی گرہ کشائی کرتا ہے۔

غلامی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ شمشیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
یقیں محکم' عملِ پیہم' محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

حاضرین والا تبار! اقبال وہ حکیم الامت تھے جن کے دل کی گہرائیوں میں انقلابات جنم لیتے تھے۔ ان کیلئے مایوسی گناہ اور ناامیدی عذاب سے کم نہیں تھی۔ وہ

قوم کے نوجوانوں کو شاہین شہ لولاک سمجھتے تھے' انہیں فرزندان اسلام سے بوئے اسداللّٰہی محسوس ہوتی تھی' وہ نان جویں کھانے والوں کیلئے بازوئے حیدر کی دعا کرتے تھے' اس لئے وہ ملت اسلامیہ کی کشت ویراں سے کیوں مایوس ہوتے؟ وہ تو اس کشت ویران میں جذبۂ جہاد اور شوق احیائے ملت کا نم دیکھنے کے آرزومند تھے۔

انہوں نے کشت ویران کو گلستانوں میں تبدیل کرنے کیلئے جوانان ملت سے امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ وہ اسی جذبۂ امید کی بدولت جوانان وطن کو پیغام دے رہے تھے کہ

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو' زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے
تیری فطرت امیں ہے ممکنات زندگانی کی
جہاں کے جوہر مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

جناب والا! اقبال نے کشت ویران کہہ کر اس بدترین دور غلامی کی طرف اشارہ کیا ہے جب ملت اسلامیہ فرنگی آمریت کے سامنے سربسجود تھی' اپنے خالق اور اس کے احسانات کے تصور سے کنارہ کش ہو چکی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب بڑے بڑے خرقہ پوش اور جبہ و دستار کے حامل' مصلحتوں کے اسیر ہو چکے تھے۔ احیائے ملت اسلامیہ کا تصور ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا تھا۔ عظمت ملت اسلامیہ تو کجا' لوگ ہند کے ظلمت کدوں میں آزادی کی شمع فروزاں کرنے سے بھی گریزاں تھے۔ ایسے میں شاعر مشرق علامہ محمد اقبال ہی تھا جو اس کشت ویران میں ستارے بو کر آفتاب و ماہتاب اگانے کے بارے میں سوچ رہا تھا' جو عظمت آزادی کے خواب بن کر پاکستان کے وجود کے گلاب دیکھنے کا آرزومند تھا' جو اس بے یقینی اور بے حمیتی کے دور میں بھی یہ پیغام دے رہا تھا۔

بے خبر تو جوہر آئینہ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

صدر ذی وقار! اقبال نے اپنی تمام امیدیں ان جوانان صف شکن سے وابستہ کر رکھی تھیں جو مہر و ماہ کو تسخیر کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں' جو حالات کے غلام نہ ہوں بلکہ حالات کی مایوسیوں سے امیدوں کے سورج فروزاں کرنے کی جرأت رکھتے ہوں۔ جن کے جذبات میں صدق خلیل ہو' جن کے بازوؤں میں قوت حیدر و خالد ہو' جن کے دلوں میں رومی و غزالی کے جذبات مچل رہے ہوں' جن کے اندر احتساب عمل کا یہ جذبہ مچل رہا ہو۔

یہ گھڑی محشر کی ہے' تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی' اگر دفتر میں ہے

والا قدر! اور پھر زمانے نے دیکھا' چشم قدرت نے مشاہدہ کیا کہ ناامیدی کے اندھیرے چھٹ گئے' سرنہادہ اٹھ کھڑے ہوئے اور خاک نشین مسلمان ہندوستان کیلئے ہی نہیں بلکہ احیائے ملت اسلامیہ کیلئے سرگرم سفر ہو گئے' یہی فطرت کا تقاضا تھا' یہی غیرت و حمیت کی آواز تھی' یہی اقبال کے آنسوؤں کا ثمر تھا کہ افق کی تاریکیوں سے آزادی کے آفتاب تازہ کے آثار اس شان سے ہویدا ہوئے کہ دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان خواب سے ابھر کر تعبیر میں ڈھل گیا۔ مسلمانوں کو منزل مراد مل گئی۔ وقت کی کشت ویران فطرت کے گل و لالہ سے مہک اٹھی۔

حضرات محترم! اقبال فانی نہیں بلکہ لافانی ہے۔ اس کا پیغام ہنگامی یا وقتی نہیں بلکہ ابدی ہے۔ آج ملت اسلامیہ پھر ایک مرتبہ کفر کی یلغار کی زد میں ہے۔ صلیبی جنگ کا نعرہ لگانے والے طبل جنگ بجا چکے ہیں۔ پوری باطل قوتیں ایک ہو چکی ہیں مگر ہم کبوتر کی طرح آنکھیں بند کئے جان بوجھ کر اپنے انجام سے بے

خبری ظاہری کر رہے ہیں۔ تاریخ پھر ایک مرتبہ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ وقت ایک مرتبہ پھر ہماری غیرت ایمانی کا امتحان لینے کو ہے۔

لیکن جناب والا! یاد رکھئے اسلام بھی وہی ہے' پیغام مصطفیٰ ﷺ بھی وہی ہے' اسلام کا جذبہ' جہاد بھی وہی ہے' بدر و احد اور حنین وتبوک کے تقاضے بھی وہی ہیں' اور ان سے بڑھ کر اقبال جیسا حدی خواں بھی وہی ہے جو آج بھی ماضی کے نہاں خانوں سے ابھر کر اسی کشت ویران سے اسلام کی کامیابی کا سورج ابھارنے کیلئے مسلسل یہی پیغام دے رہا ہے۔

خودی کی یہ ہے منزل اوّلیں
مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں
بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر
طلسمِ زمان و مکاں توڑ کر
خودی شیر مولا جہاں اس کا صید
زمین اس کی صید' آسماں اس کا صید
جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
کہ خالی نہیں ہے ضمیرِ وجود
ہر ایک منتظر تیری یلغار کا
تیری شوخی فکر و کردار کا

نماز مومن کی معراج ہے

صدرِ ذی وقار اور معزز حاضرین مجھے آج جس مقدس موضوع کو اس ایوان کی زینت بنانا ہے، وہ ہے۔

''نماز مومن کی معراج ہے''

جناب والا! نماز سعادت ہے، نماز عبادت ہے، نماز اللہ کی بارگاہ میں میں روحانی ریاضت ہے، نماز بندگی کا اظہار ہے۔ نماز بندے کا خالق کے حضور عاجزی کا اقرار ہے اور کمال یہی ہے کہ کائنات کے اندر جو جھکتا ہے وہ صاحبِ وقار نہیں ہوتا لیکن نماز میں جو خوش بخت کائنات کے حکمرانِ اعلیٰ کی بارگاہ میں جب جھکنے کی آخری حد کو چھوتا ہے، اپنی جبینِ نیاز سجدے کا تقدس بخش کر سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پکارتا ہے تو وہیں اسے بشارتِ نبوی ﷺ ملتی ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے اور تم نے اس معراج کے آخری زینے کو چھولیا۔

والا قدر! نماز اللہ کی طرف سے عشاقِ مصطفیٰ ﷺ کیلئے سب سے بڑا تحفہ ہے، ارمغانِ بخشش ہے، کلید جنت ہے، اور اس کے مقام کے کیا کہنے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے تو اپنی چشم ''ماذاغ'' سے اللہ کا دیدار کر کے معراج کا تاجِ نور زیبِ سر کیا لیکن اُمت کو یہ خوشخبری سنا دی کہ مجھے جس معراج کی رفعت ملی ہے اس سے میں تمہیں محروم نہیں رکھنا چاہتا۔ تم نماز کے نور میں ڈوب جاؤ، یہ تمہاری معراج ہے۔ تم رکوع و سجود سے دلوں کو سکون دے لو، یہ تمہاری معراج ہے۔ تم اپنی جبینِ

نیاز سے سجدہ ہائے شوق کی تصویر بن جاؤ یہی تمہاری معراج ہے۔

جناب والا! تصور کیجئے وہ خدا جس نے مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰه فرما کر نبی محترم ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے' جس نے نطقِ محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنا ترجمان قرار دیا ہے' اسی زبانِ مصطفیٰ ﷺ سے نماز کو مومن کی معراج قرار دیا ہے۔ سلام ہو آقائے عالی مرتبت ﷺ پر کہ خود تو مکان ولامکان کی آخری سرحدوں کو چھو کر معراج کے مقام کو چھو آئے لیکن اپنی امت کو نماز میں معراج کی لذت بخش کر خوش بخت اور شاد کام کر دیا۔ کیا تحدیثِ نعمت کیلئے کہنا درست نہ ہوگا کہ

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

جناب والا! نماز مومن کی معراج ہے۔ وہ مومن جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی کی طرح عرب کی سرزمین پر بدترین ظلم وستم برداشت کر کے اَحَد اَحَد پکارتا ہے۔ حضرت خبیب' زید اور یاسر رضی اللہ عنہم کی طرح عرب کی سرزمین کو اپنے خون میں ڈبو کر اللہ اللہ پکارتا ہے۔ جو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کوڑے کھا کر نماز کی عظمت کی گواہی دیتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ٹانگ میں تیر پار ہو جاتا ہے تو فرماتے ہیں مئیں نماز کی نیت کر لیتا ہوں' تم اسے نکال لینا۔ تین نوکوں والا تیر کھینچا گیا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے روحانی سکون میں کمی نہ آئی کیونکہ یہ ان کی معراج تھی۔

والا قدر! اسی نماز کی احسن ترین تصویر میدانِ کربلا میں نظر آتی ہے۔ جب امام حسین رضی اللہ عنہ کا آخری شہزادہ بھی کٹ جاتا ہے اور دشمن آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ درجنوں تیروں اور تلواروں کے زخموں سے چور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما گھوڑے سے گر پڑتے ہیں تو ان کے لب ہائے جاں نواز سے صدا ابھرتی ہے کہ میں کامیاب ہو گیا اور حسینیت نے یزیدیت کو قیامت تک کیلئے شکست فاش

دے دی۔ مجھے سجدۂ شکر ادا کر لینے دو کہ مجھے میری معراج مل گئی۔

والا قدر! نماز محض جسم کی مخصوص حرکتوں کا نام نہیں، نماز صرف چند مخصوص عربی جملوں کی ادائیگی کا نام نہیں۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

والا قدر! جو نماز مومن کی معراج بنتی ہے، وہ اپنے من میں ڈوب جانے کا نام ہے، وہ خدا کی توحید میں گم ہو جانے کا نام ہے، وہ بندگی اور عاجزی کی انتہا کو چھو لینے کا نام ہے، اور یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق آقائے عالی مرتبت نے فرمایا "نماز ایسے پڑھو جیسے تم خدا کو دیکھ رہے ہو یا پھر ایسے پڑھو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے"۔

جب مومن پر یہ کیفیتِ معراج طاری ہو جائے کہ اس کا باطن نور الٰہی میں ڈوب کر خدا کے جلوؤں میں کھو جائے تو پھر احساس ہوتا ہے کہ نماز کس قدر ایمان آفرین اور کس قدر مشکل ہے۔

کیونکہ

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

والا مرتبت! نماز صرف مساجد کی حدود اور خلوت کدوں تک محدود نہیں بلکہ نماز تو زندگی کی سرخ روئی اور عقبیٰ کی سربلندی سکھاتی ہے۔ نماز کردار کی پاکیزگی، لفظوں کی سچائی، عمل کا خلوص بخشتی ہے۔ نماز ایمان کی پختگی، کونین کی حکمرانی اور عظمتِ کون و مکاں بخشتی ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے کہ

بیشک نماز گناہوں فواحشات ومنکرات سے روکتی ہے اور جب بندہ سرچشمہ نور میں ڈھل کر نماز میں معراج کی خلعتِ ایمانی زیبِ تن کرتا ہے تو پھر وقت کی فیصلہ کن صدا ابھرتی ہے

معراج وقت ہے یہی فطرت کا راز ہے
ربِ جہاں سے قرب کا باعث نماز ہے
اصلِ حیات ہے یہی، حسنِ ثبات ہے یہی
خالق کو اس سے اپنے غلاموں پہ ناز ہے

ارشادِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔ ''اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّین'' نماز دین کا ستون ہے۔ ستون کی مضبوطی پر عمارت کی پائیداری کا انحصار ہوتا ہے۔ گویا اسلام کی عمارت نماز کے لاہوتی پیغام پر کھڑی ہے۔ جو شخص پانچ وقت وضو کرتا ہے۔ اس کا عضو عضو اس کیلئے محو دعا ہوتا ہے۔ قرونِ اولیٰ میں وہ کیسی نمازیں ہوں گی، جب ابھی جبینِ شوق زمین پر جھکتی بھی نہ ہوگی، انوارِ خداوندی اس کیفیت میں نگاہوں کے رُوبرو آجاتے ہوں گے۔

حریمِ ناز کے پردے اُٹھائے جاتے ہیں
جمالِ یار کے جلوے دکھائے جاتے ہیں
حریمِ حسن میں جب عشق بازیاب ہوا
یہی ہے عشق کی معراج کامیاب ہوا

فرزندِ روزگار......امام احمد رضا

صدر والا قدر اور معزز ین' حاضرین! میرا آج کا موضوعِ سخن ہے۔''فرزند روزگار......امام احمد رضا''

جناب والا! امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ایسے نابغۂ روزگار تھے کہ جنہوں نے اپنی بے مثال علمی وفکری صلاحیتوں کی بدولت برصغیر پاک و ہند کے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکنوں کو حبِ رسول کے ایمان افروز تقاضوں سے ہم آہنگ کر دیا۔ آپ نے تجدیدِ دین کا فریضہ اس شان سے انجام دیا کہ غلامانِ احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آقا و مولا کے مقامِ سر بلند سے آشنا ہونے لگے۔ آپ کی مساعیٔ جلیلہ کی بدولت اسلامیانِ برصغیر کے دلوں میں بسنے والے اسلامی نشاۃ ثانیہ کے تصورات حقائق کے روپ میں ڈھلنے لگے۔ انگریز کی غلامی کو نوشتہ تقدیر سمجھنے والوں کو آپ نے دوقومی نظریۂ اسلام کی پاسداری کی صورت وہ ولولۂ تازہ عطا کیا کہ مردہ رگوں میں زندگی کا لہو جوش مارنے لگا کہ

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں' کردار میں' اللہ کی برہان

صدر محترم! ان کی شخصیت جس قدر عظیم ہے اصحابِ فکر وایمان کی طرف سے اس کا کماحقہٗ اعتراف نہیں ہوا۔ آپ کی رفعتِ ایمان کا تصور کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ہم وقت کے آئینہ خانے میں کھڑے ہیں جس میں آپ کا وجود شمع ایمانی

کی صورت ضوفگن ہے۔ اس ایک شمع کے پرتَو سے اس شیش محل میں لاتعداد شمعیں فروزاں دکھائی دیتی ہیں اور اہلِ نظر محوِ حیرت ہیں کہ کس شمع کو بزمِ فکر میں سجائیں اور کس سے صرفِ نظر کریں۔ یہ تمام شمعیں نظر کا فریب نہیں بلکہ آپکی جامع الصفات شخصیت کے وہ بیشمار پرتو ہیں جن میں سے کسی سے بھی اغماض کرنا دیانتدار مورخ کیلئے ممکن نہیں ہے' عالم باکمال' فقیہہ لازوال' محدثِ زمانہ' مصنفِ یگانہ' صاحب اسلوب شاعر' حاملِ فکر نثر نگار' علومِ ہستی کا بحرِ بے کنار' عشاقِ سرمست کا حاملِ افتخار' غرضیکہ جس حیثیت سے بھی دیکھیں آپ کی شخصیت یہ اعلان کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

مستند ہے میرا فرمایا ہوا
سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا

معزز حاضرین! وہ وقت آچکا ہے کہ دنیا اس امام احمد رضا خاں کی عظمت فکر وفن کو پہچان لے' جو شاعر مشرق علامہ اقبال کے لفظوں میں وقت کا ابوحنیفہ اور غلامانِ سیدِ ابرار کی نگاہوں میں مجددِ ملت حاضرہ تھا۔ جو دوقومی نظریہ کا افتخار بھی تھا اور عظمت اسلاف کا پاسدار بھی۔ جو عشق سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر بھی تھا اور سوز و ساز فطرت کا پیکر بھی۔ جو کاروانِ عقیدت کا سالار بھی تھا اور اقلیمِ علم وحکمت کا تاجدار بھی' اور جو تمام زندگی شاہانِ وقت سے منہ موڑ کر سرورِ سلاطینِ عالم حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء گوئی اس احساس سے سرشار ہو کر کرتا رہا کہ

کرے مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

صدر محترم! محمد احمد رضا خاں فاضل بریلوی (رحمۃ اللہ علیہ) ایک فردِ تنہا نہیں' ایک ملک گیر ادارے کا نام تھا۔ وہ فرد واحد کب تھا؟ وہ تو نقیب ملتِ اسلامیہ تھا۔ وہ واحد

بطلِ جلیل تھا جس نے علامہ اقبال کی صورت ملتِ احناف کو جگایا۔ گرتوں کو اٹھایا۔ ہندو کے سحر میں اسیر غلامانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو بادۂ سرمدی کا جام پلایا۔ اسے راہِ وفا میں اپنے سینۂ پرنور پر بیشمار تیر کھانے پڑے۔ اغیار تو خنجر بدوش تھے' افسوس تو ان اپنوں کا تھا جو ناقہمی کی بدولت براہِ راست ہندوؤں کے گماشتوں کے اسیر بن چلے تھے۔ بریلی کی ارضِ نور سے یہ مردِ مجاہد صبح نو کا پیغام بن کر طلوع ہوا۔

جناب والا! اس نے پیچھے ہٹنا نہیں بلکہ ہمیشہ آگے بڑھنا سیکھا تھا۔ اس پر وہ الزامات لگائے گئے کہ ہمالہ کا بھی سینہ شق ہو جائے۔ وہ تہمتیں تراشی گئیں کہ زمین لرز اٹھے۔ شیطانی فکر سے مستعار لیکر وہ فتاویٰ تراشے گئے جس سے آسمان بھی ہل جائے۔ دیوبند کے مفتی اور خطیب' ندوۃ العلماء کے ادیب' نام نہاد تحریکات آزادی کے جیالے امام احمد رضا کو تر نوالہ سمجھ کر ان کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ دجل وفریب کے ہمرنگِ زمین جال پھیلائے گئے کہ یہ شاہین لاہوتی کسی طور ان کے سحر کا اسیر ہو جائے مگر علامہ اقبال کی بلند نگاہی نے شائد ان ہی کیلئے کہا تھا۔

وہ سحر جو کبھی فردا ہے' کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذان سے پیدا

جناب والا! امام احمد رضا خاں تو تاریخِ اسلام کا بطلِ جلیل تھا۔ عصرِ حاضر میں غزالی ورازی کی فکر کا پرتو لئے ہوئے تھا۔ محبتِ رسول ﷺ اس کا سرمایہ تھا' تائید ایزدی اس کے پابہ رکاب تھی۔ علم اس کا سرمایہ تھا' عشق اس کا زادِ سفر تھا' توکل اس کا پیرہن تھا' تدبر اس کی ڈھال تھا' خودی اور خودداری اس کی زرہ تھی' اسلام دشمن قوتوں کا تعاقب اس کی شمشیر تھا' رضائے الٰہی اس کی زرہ تھی' تقدیر الٰہی اس کی ڈھال

تھی' نصرتِ الٰہی اس کا نور اور اس کی رہبر تھی' وہ خودی کی خلوتوں میں کبریائی اور خودی کی جلوتوں میں مصطفائی جلووں سے روشنی لیتا تھا۔ اس کی ضرب خارا شگاف تھی' وہ ماضی میں اہلسنت و جماعت کی سطوتوں کا امین تھا۔ حال کے اندھیروں میں عقائد حقانیہ کے چراغ جلا رہا تھا۔ اس کا ہر عمل تن آسان عشاقِ رسول کو نظریاتی تگ و دو میں مصروف رکھنے کیلئے وقف تھا۔ پھر تاریخ نے دیکھا' وقت نے حقائق کی اوٹ سے مشاہدہ کیا' اکیلا محمد احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ جیت گیا۔ وہ جنہیں اپنی فتح پر کامل یقین تھا' کلکِ رضا کی ایک ضرب بھی برداشت نہ کر سکے اور تمام حریف دیکھتے ہی دیکھتے چاروں شانے چت تھے۔

بریلی کی فضاؤں سے یکایک جھوم کر اٹھا
وہ فرزندِ عمل آیاتِ نصرت چوم کر اٹھا
وہ جس کی فکر میں ایمان کی للکار تھی گویا
وہ جس کی ہر ادا ایمان کا اظہار تھی گویا

جناب والا! امام احمد رضا خاں نے وقت کے ایک ایک لحہ کی قدر کی۔ زندگی کی ہر ساعتِ گزراں سے کام لیا اور اپنی ذاتِ تنہا میں ایک ایسی یونیورسٹی کی صورت اختیار کر گئے جس کے مختلف شعبوں سے فیضیاب ہونے والے برصغیر میں چاروں طرف پھیل گئے۔ ان میں سے ہر فرد آسمانِ تحقیق و فکر کا مہرِ کامل تھا۔ آپ نے مناظروں اور تقاریر سے بہت حد تک دامن بچایا اور حیاتِ مستعار کے لحہ لحہ سے زندگی پرور ادب اور محبتِ رسولِ خدا کی روشنی عطا کرنیوالی قندیلیں فروزاں کرتے رہے۔ اس قدر ہمہ گیری' اتنی جامعیت' اتنا فکری پھیلاؤ کہ جس کو اپنا بنایا اسے بحر العلوم بنا دیا' مرکز علوم و حکمت بنا دیا۔ یہ تو سنا ہی تھا کہ چراغ سے چراغ جلتے ہیں مگر امام احمد رضا خاں نے ایسے چراغ فروزاں کیے جن میں سے ایک چراغ سے

سینکڑوں چراغ تصنیف وتالیف کی روشنی لے رہے تھے۔

وہ ایک شمع حسین جس سے ہزاروں شمعوں نے روشنی لی
وہ ایک مردِ یقین جس سے کہ عہدِ حاضر نے آگہی لی
وہ علم و حکمت کا ماہپارا' وہ ایک تشبیہ' وہ استعارا
وہ تاجدار علومِ فطرت کہ جس سے دنیا نے تازگی لی

والا قدر! وہ قدرت کا انتخاب تھا' علم وادب میں لاجواب تھا۔ اور پھر سب پر مستزاد نعت کی خوشبوئے جاں نواز سے زمانے بھر کو مہکایا جا رہا تھا اور پھر زمانے نے دیکھا کہ آپ کو زندگی ہی میں مجددِ دین وملت اور امام اہلسنّت کے خطابات سے نوازا گیا۔ چشتی' سہروردی' قادری' نقشبندی اپنے اپنے دائرہ تصوف میں اپنی سربلندیوں کے پھریرے اڑاتے ہوں مگر جب امام اہلسنّت احمد رضا خاں کی باری آئی تو سب نے بیک زبان کہا کہ آپ مجددِ ملت ہیں۔ آپ مفسر تھے' محدث تھے' شارح قرآن تھے' نورِ ایمان تھے' عشاقِ مصطفیٰ ﷺ کی جان تھے۔ تمام صفاتِ حسنہ اور علوم اپنی جگہ لیکن آپ نے اپنی نعت گوئی سے مردہ دل زندہ کر دیئے۔ فکر و عمل کو سلطانِ دو عالم ﷺ کی محبت عطا کی۔ مادیت کی ظلمتوں میں بھٹکنے والوں کو نعت کے انوار کی روشنی میں صلوٰۃ وسلام کا نغمۂ قدسی سنایا۔ حضور ﷺ کی غلامی نصیب ہوئی تو توحید کے دامانِ رحمت نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

والا قدر! لاکھوں سلام ہوں کاروانِ نعت کے حدی خواں امام احمد رضا خاں پر کہ جن کا نعتیہ کلام بھٹکنے والوں کو راہِ حق کا سراغ بخش رہا ہے کہ

ٹھوکریں کھاتے پھروگے ان کے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضا اول گیا' آخر گیا

اس نعت گوئی اور دربار رسول ﷺ میں زمزمہ پردازی کا انعام انہیں ان

کے ہی اس شعر کی صورت میں عطا ہو گیا کہ

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

جناب صدر! یقین جانئے جدھر بھی جایئے آپ کے نعتیہ کلام کا فیضان عام ہے۔ دلوں پر آپ کی نعت گوئی کا سکہ مسلم ہے۔ اور زمانے بھر میں چاروں طرف سے یہی صدا آ رہی ہے۔

خوف نہ رکھ تو اے رضاؔ تو تو ہے عبدِ مصطفیٰ
تیرے لئے امان ہے، تیرے لئے امان ہے

اکیسویں صدی تباہی و بربادی کا پیغام

جنابِ صدر اور معززین، حاضرین! مجھے آج کے معزز ایوان میں جس موضوع پر اظہارِ خیال کرنا ہے، وہ ہے۔ ''اکیسویں صدی تباہی و بربادی کا پیغام''

جناب صدر! آج اکیسویں صدی ہم پر مسلط ہو چکی ہے۔ یہ سوال ہر صاحبِ نظر کے ذہن میں ابھر رہا ہے کہ آئندہ کیا ہوگا؟ ہر آنے والی چیز کا استقبال ایک فطری امر ہے۔ مستقبل کے حادثات کو پہلے سے کون محسوس کر سکتا ہے؟ لیکن اصحابِ نظر و خبر کا زاویہ خرد عام انسانوں سے جدا ہوتا ہے۔ اسی لئے مغنی فطرت نے مدتوں پیشتر کہا تھا کہ

کھول کر آنکھیں مرے آئینہ افکار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

اگر وسعتِ نظر کو مزید کشادگی عطا کی جائے تو اکیسویں صدی کے تناظر میں آنے والے دَور کی تصویر دھندلی سی نہیں بلکہ نہایت واضح دکھائی دے گی۔ یہ تصویر بھیانک بھی ہے اور درد انگیز بھی۔ اس کے خدوخال خوش فہمیوں یا مصنوعی مسکراہٹوں نے ترتیب نہیں دیئے بلکہ یہ تو حالات کی تخلیق ہے۔ وہ حوادثِ زمانہ جو انسانی زندگی کا لہو چوس کر اسے بے جان ''مونا لیزا'' کا پرتو بخش رہے ہیں۔ قطرہ قطرہ رِستی ہوئی موت اور بوند بوند کا خراج لیتی ہوئی گردشِ زمانہ انسانی زندگی کا پیچھا اتنی آسانی سے چھوڑنے کو تیار نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آج جو ہم بوتے ہیں آنے

والے کل میں وہی کاٹتے ہیں۔ اندھیرے بو کر روشنی کے شجر کے پھوٹنے کی تمنا نہیں کی جاسکتی۔ غربت وافلاس کا جنگل اُگا کر خوشحالیوں کے ثمر کی آرزو کرنا دیوانے کا خواب ہے۔ ہم نے بیسویں صدی کو جس طرح عرصۂ ظلمات میں تبدیل کیا ہے' وہی تاریکیاں اکیسویں صدی کے تناظر میں مہیب تر بن جائیں گی اور عام آدمی کا کرب پہلے سے دوچند ہو جائے گا۔

جنابِ والا! ہمارے حالات کل بھی تلخ تھے اور آج بھی تلخ ہیں۔ عام آدمی کل بھی مر مر کے جیتا تھا اور آج بھی حوادثِ روزگار کا اسی طرح شکار ہے۔ اس لئے آنے والا کل اس کیلئے خوشحالی کی نوید نہیں بلکہ مزید بدحالی کا پیغام لے کر آئے گا۔ خدا کا کرم ہے کہ پاکستان ایٹمی قوت بن گیا اور جوہری توانائی کے استعمال کے حوالے سے خود کفیل ہو گیا۔ کمپیوٹر انٹرنیٹ نظام نے صدیوں کے فاصلے ہفتوں میں طے کرنے کیلئے اہم کردار ادا کیا ہے۔ روز افزوں ایجادات مستقبل قریب اور مستقبل بعید کے ظاہری خدوخال کو مزید حسن عطا کریں گی۔ فلک بوس عمارات کے جزیرے ابھریں گے۔ ٹیکنالوجی انتہا کو چھونے لگے گی اور یقیناً وہ بہت کچھ ہوگا جو آج نہیں ہے مگر سوال ایک عام آدمی کا ہے جو پیٹ بھرنے کیلئے کھانا' تن ڈھانپنے کیلئے لباس' سادگی سے زندگی بسر کرنے کیلئے مکان اور اولاد کیلئے رزق کے عام درجے کے ذرائع کا تمنائی ہے۔ جس کی آرزوؤں کی فہرست لامتناہی نہیں بلکہ نہایت مختصر ہے اور جو قسامِ ازل سے باعزت زندگی کا آرزومند ہے۔

صدرِ ذی جاہ! جب ہم عام آدمی کے مسائل کا جائزہ لیتے ہیں تو اکیسویں صدی اس کیلئے محض کیلنڈر کے تبدیل ہونے کا نام نظر آتی ہے۔ سالوں اور صدیوں کا نام بدلنے سے مقدر نہیں بدلا کرتے۔ خوراک کی فراہمی اور ضروریاتِ زندگانی کا مہیا ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جسے کسی حالت میں بھی جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ حالات

کی تصویر ناقابلِ یقین حد تک بھیانک ہے۔ دیہات کے باسیوں نے شہروں کا رخ کرلیا ہے اور پھر بھی دیہات کے پھیلاؤ میں کمی نہیں آ رہی۔ زرخیز زمینیں مکانات میں تبدیل ہو رہی ہیں۔ ایک امیر گھرانا جو بیس برس پہلے چار مرلے کے مکان میں زندگی گزارتا تھا اب اس کا ہر فرد چار چار کنال کی کوٹھی میں رہ کر بھی خود کو ناآسودہ سمجھتا ہے۔ شہروں کے چاروں طرف شہر آباد ہو رہے ہیں۔ بنجر زمینیں بدستور سیم و تھور کا شکار ہیں جبکہ زرخیز زمینوں پر آبادی کا حیرت انگیز حد تک پھیلتا ہوا جنگل اُگ رہا ہے۔

جنابِ والا! تمام ذرائع ابلاغ اور مستقبل کے اقتصادی اندیشوں سے بے نیاز خوش فکر سے اکیسویں صدی کا یوں استقبال کر رہے ہیں جیسے اس صدی کا سورج طلوع ہوتے ہی آسمان سے من وسلویٰ اترنے لگے گا۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی بربادی کی داستان رقم کرنے والے ذلت و رسوائی کے حقدار ہوتے ہیں۔ ایک عام آدمی کوئی اقتصادی ماہر یا معیشت دان نہیں ہوتا بلکہ وہ تو ان تراکیب کے مفہوم سے بھی ناآشنا ہے۔ اسے تو بس زندگی کا وسیلہ چاہیے۔ چاہے وہ کمزور ہی کیوں نہ ہو۔ محض نعرے اور جذباتی سلوگن کسی کو لیڈر تو بنا سکتے ہیں مگر دو وقت کی روٹی کی ضمانت مہیا نہیں کرسکتے۔ جہاں تک سیاسی قائدین اور لیڈروں کا تعلق ہے ہمارا ملک اس سلسلے میں آخری اندازے سے بھی زیادہ خود کفیل ہے۔ کاش ممکن ہوتا تو ہم سالانہ اپنے سیاسی لیڈروں کی ایک بڑی تعداد غیر ممالک کو برآمد کر کے زرِمبادلہ کما لیا کرتے۔

والا قدر! جب زرعی رقبہ کم سے کم ہو جائے تو عام آدمی کی زندگی کا دارومدار صنعتی ذرائع پر ہوتا ہے۔ ہم بجلی کے معاملہ میں بھی اتنے خوش قسمت نہیں ہیں۔ ہم اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود کالا باغ ڈیم نہیں بنا سکے۔ جب بھی کالا باغ ڈیم کو بنانے کے سلسلہ میں کوئی پیشرفت ہوتی ہے، صوبائی عصبیت کا اژدہا پھنکارنے لگتا

ہے اور ہمارے منصوبہ ساز وہیں ہتھیار پھینک دیتے ہیں۔ بجلی کی زیادہ سے زیادہ پیداوار ایک صوبے کا نہیں بلکہ پوری قوم کا مسئلہ ہے مگر اس عظیم منصوبے کو صوبائی تعصب اور سیاست نوازی کی بھینٹ چڑھا کر ہم اپنے ہی ہاتھوں سے اپنا مستقبل تاریک بنا رہے ہیں۔ اگر کالا باغ ڈیم اور دوسرے بجلی اور آبپاشی کے منصوبے پروان نہ چڑھائے گئے تو نئی صنعتیں لگانا تو دور کی بات ہے پہلے سے کام کرنے والی صنعتیں بھی ناکارہ ہو کر رہ جائیں گی۔ اب بھی مایوس کن اقتصادی بدحالی نے کارخانوں اور صنعتی پراجیکٹس کا مستقبل مایوس کن بنا دیا ہے۔ اس پریشانی کے عالم میں عام آدمی کو اپنے لئے جائے پناہ نظر نہیں آتی۔ زراعت جس پر پاکستان کی اسی فیصد آبادی کا انحصار تھا اس کا رقبہ سمٹتا جا رہا ہے۔

صدر محترم! اقتصادی وسائل پر قابو پانے کیلئے عام آدمی ملازمت کا سہارا لیتا ہے۔ سکول، کالج، بینک، کارخانے، سرکاری دفاتر اور درجنوں ادارے مگر دگرگوں اقتصادی صورتحال نے مسائل کے بارے میں ہمہ وقت سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ نوکریاں ایک خواب بن کر رہ گئی ہیں۔ اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرنیوالے بھی سڑکوں پر جوتیاں چٹخا رہے ہیں۔ ہمارے تاریک ماضی کے مکروہ صفت سیاسی قائدین کی بد اعمالیاں ہمیں نوشتۂ دیوار پڑھنے پر مجبور کر رہی ہیں۔ ان سیاستدانوں نے ملکی وسائل کو شیرِ مادر سمجھ کر ہضم کیا۔ بینکوں کو اس حد تک لوٹا کہ ملک دیوالیہ ہونے کی حد کو چھونے لگا۔ کواپریٹو سوسائٹیز کا جال بچھایا گیا۔ یہ جال اس قدر ترغیب انگیز تھا کہ خواص کی نسبت عوام نے بڑی تعداد میں اس کو مستقبل کا سہارا سمجھ کر اپنا سب کچھ ان کے حوالے کر دیا۔ جب عوام کے گھروں کی ایک ایک پائی ان کواپریٹو اداروں میں پہنچ گئی تو ان کے مالکان یوں روپوش ہو گئے جیسے ان کا وجود ہی نہیں تھا۔ ایک عرصہ بیت گیا۔ لوگوں کے آنسو ان "لوٹ سیل" کے اداروں کے کھنڈرات کا طواف

کر رہے ہیں مگر کہیں سے بھی زنجیرِ عدل کا سرا نہیں ملتا۔

کسے وکیل کریں، کس سے منصفی چاہیں
کسے دکھائیں کہ سینے پہ زخم کیا کیا ہیں

معزز حاضرین! نام نہاد قائدین کی اقتصادی لوٹ مار آج کے انسان کی زندگی کو مایوسیوں کی قبر کی جانب دھکیل رہی ہے۔ جب حکومت کو دیوالیہ کر دینے کی دانستہ کوشش کی جائے، سرکاری اداروں کو غلام اور حکومتی کارپوریشنوں کو کنیز بنا لیا جائے تو پھر عام آدمی کو روزگار کہاں سے ملے گا؟ اناج باہر سے آئے گا تو مہنگے داموں ملے گا۔ ضروریاتِ زندگی کی قیمتیں آسمان سے باتیں کریں گی۔ کارخانے کم اور مزدور زیادہ ہوں گے، ادارے کم اور ملازمت کے امیدوار بیشمار ہوں گے۔ تنخواہ کم سے کم اور پیٹ کا دوزخ بجھانے کیلئے اس کو ہی غنیمت جان کر اس کی جانب لپکنے والے ہجوم در ہجوم ہوں گے تو عام آدمی اس محشرستان میں نہ چاہتے ہوئے بھی کچلا جائے گا۔ عام آدمی کیلئے ایک اُمید کی کرن قرضہ جات کا حصول ہے۔ اداروں سے قرضہ لے کر چھوٹا موٹا کاروبار کرلے مگر قرضے تو وہ کھا گئے جو امپورٹڈ لیڈر تھے۔ جو پاکستان سے زیادہ اپنے سفید فام آقاؤں کے وفادار تھے۔ جو قرضہ ملنے سے پہلے ہی اسکی بندر بانٹ کرلیا کرتے تھے۔ سابق چیف ایگزیکٹو اسلامی جمہوریہ پاکستان جنرل پرویز مشرف اور ان کی حکومت نے ماضی کے سیاستدانوں کی بداعمالیوں کو بھرپور تحفظ دیا۔ لیکن تاریخ نے ان رسوائے زمانہ سیاستدانوں کو وقت کے آئینہ خانے میں لا کھڑا کیا ہے کہ ہر ایک محبِ وطن سوچ رہا ہے۔

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں
تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

والا قدر! اکیسویں صدی کا استقبال کرتے ہوئے بلند بانگ دعاوی کیے جا

رہے ہیں۔ گذشتہ حکومت نے تو ایک لمبا چوڑا پروگرام بھی ترتیب دے لیا تھا مگر چند عہدوں کی بندر بانٹ کے علاوہ تمام عرصے میں قوم کو کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ کیا قومی وسائل، قومی اور غیر ملکی قرضے اسلئے ہوتے ہیں کہ انہیں نام و نمود، نمائش، ذاتی تشہیر اور انجام نہ پانے والے کارناموں پر فخر و مباہات کے نام پر صرف کر دیا جائے۔ ایک عام آدمی تو اس تمام عرصے میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑا بلکہ ہر آنے والے بجٹ اور مہنگائی نے اسے ہر مہینے پیچھے کو دھکیلا ہے۔ عام آدمی جب طلوع ہونے والی صدی کے آئینے میں اپنے مستقبل کی تصویر دیکھنا چاہتا ہے تو اسے دھندلاہٹ اور شکوک و شبہات کے علاوہ کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔

صدر محترم! آنے والی صدی کو سائنس کی برتری، ایٹمی ٹیکنالوجی کی ہمہ گیری اور کمپیوٹر کے غلبہ سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ یہ کیسی کمپیوٹرائزڈ ذلت ہے کہ نئی صدی کے آغاز سے ہی کمپیوٹر نظام کے سرپرستوں کے چھکے چھوٹ رہے ہیں کہ یہ قوت الٹا ہم پر ہی دستِ ستم نہ آزما ڈالے۔

سورج، چاند، ستاروں کی تسخیر کے عزائم بجا۔ خلاؤں کو آباد کرنے کے جذبے بجا۔ لیکن ذاتی بالاتری کے نام پر دنیا کی سلامتی سے کھیلنا کہاں تک برحق ہے۔ عام آدمی مہر و ماہ کی تسخیر کا تمنائی نہیں، وہ تو شعراء کے "چندا ماموں" کو ہی دیکھ کر خوش ہے۔ اسے تو فاقہ کشی سے نجات چاہیے۔ پیٹ بھر کر خوراک چاہیے۔ آبرومندانہ زندگی کا تصور چاہیے۔ چادر اور چار دیواری کا تحفظ چاہیے۔ اس کا باطن چیخ اٹھتا ہے۔

چاند تسخیر کیا دل میں اتر کر دیکھ
اس خرابے میں کوئی رنگ تو بھر کر دیکھ

والا مرتبت! بیسویں صدی نے عالمِ انسانیت کے وجود کو داغ داغ کیا ہے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر برسائے جانے والے بموں سے پیدا ہونے والی تباہی کا

تصور اب بھی امن پسندوں کی نیندیں اڑا دیتا ہے۔ اس وقت دنیا بیسویں اور اکیسویں صدی کے سنگم پر کھڑی ہے کشمیر' قبرص' بوسینیا' چیچنیا' کوسووا فلسطین اور اپنے قبائلی علاقوں سمیت کتنے ہی مسائل اگلی صدی کو منتقل ہو رہے ہیں۔ عالمی ضمیر چیخ رہا ہے۔ اقوام متحدہ خاموش تماشائی ہے۔ عام آدمی کا حساس دل ان مسائل کی المناکی پر خون کے آنسو بہاتا ہے۔ مگر اس کیساتھ ساتھ وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ اگلی صدی کو جو ورثہ عطا ہو رہا ہے۔ وہ غربت' افلاس' مہنگائی' بھوک' غنڈہ گردی' انارکی' دہشت گردی' کرپشن' بے روزگاری اور ہر قسم کے وسائل سے محرومی کا ہے۔

جناب صدر! میرے وطن کا عام آدمی جسے شرافت' حیا اور اخلاقی روایات سے بے حد پیار ہے' وہ اکیسویں صدی کی مادر پدر آزاد ثقافتی یلغار سے خوفزدہ ہے' وہ انتہائی بے بسی کے عالم میں سوچ رہا ہے کہ بیسویں صدی نے غربت اور دہشت گردی کا تحفہ دے کر رزق اور سکون چھین لیا تھا' اگر اکیسویں صدی نے عظمت کردار کی آخری کرن بھی چھین لی تو پھر کیا ہوگا۔ یہ عام آدمی کا سوال بھی ہے اور انسانیت کا نوحہ بھی۔

یہ صدی ہے در حقیقت ذلت و خواری کا نام
اس صدی میں زندگی کی راحتیں ہم پر حرام
یہ صدی ہے یا کہ ہے شیطان کا ہم پر عذاب
موت نے اور بھوک نے ہے کر دیا خانہ خراب
چار جانب روتے بچوں کی صدائے درد ناک
کر رہی ہے صاحب ایمان کے سینے کو چاک

نعت- اِنعامِ خُداوندی

صدرِ والا قدر اور حاضرینِ والا تبار! آج کے ایمان آفریں ماحول میں میری تقریر کا عنوان ہے "نعت- انعام خداوندی"

جناب صدر! نعت وہ صنف ادب ہے جو بندگانِ خدا کو مدحتِ سرورِ کائنات ﷺ کی توفیق بخشتی ہے۔ نعتِ رسول ﷺ خدا کو بھی محبوب ہے اور بندگانِ خدا کو بھی۔ یہ سنتِ خداوندی بھی ہے اور خاصانِ خدا کا اِفتخار بھی۔ یہ توصیف ہے اس ذاتِ والا صفات کی جسے محمد و احمد کے اسمائے گرامی سے نوازا گیا۔ کتبِ سماوی میں آپ ﷺ ہی کا نامِ نامی فارقلیط، حمنا، طاب طاب اور حمطایا کی صورت عالمِ انسانی کا اعزاز بنا رہا۔ اپنے اپنے ادوار میں بعثتِ محمدی کا انتظار کرنے والے انبیاء و رسل سے لے کر جو حضور ختمی مرتبت کے محامد و محاسن بیان کرتے رہے۔ آج تک بے شمار مشتاقانِ عظمتِ مصطفیٰ نے دنیا کی مختلف زبانوں میں حضور نبی کریم ﷺ کو مدح و نعت کی صورت میں غیر معمولی خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

شرف اک کملی والے نے جنہیں بخشا ہے قدموں میں
وہ صحرا بن گئے ہیں گلستاں، ایمان ہے میرا

والا قدر! یہ حقیقت ہے کہ محبوب کی شخصیت جس قدر جامع ہوگی اسکا تذکرہ بھی اتنا ہی جمیل ہوگا۔ حضور نبی کریم ﷺ تو ممدوحِ کائنات ہی نہیں، ممدوحِ خدا بھی ہیں۔ مطلوبِ کائنات ہی نہیں، محبوبِ ملائک بھی ہیں۔ آپ افتخارِ آدم و بنی آدم

ہیں۔ تاجدار عرب وعجم ہیں۔ رحمت کل، ہادیٔ سبل، ختمِ رُسل ہیں۔ صورت وہ پائی کہ ازل سے لے کر ابد تک کی حسن آفرینی کا مرقع کھینچ گیا۔

جناب صدر! سیرت وہ ملی کہ انسانی سیرت و کردار کی سربلندیوں نے معراج کو چھولیا۔ گفتار ایسی کہ اعجازِ نطق نے پتھروں کو گویائی، مردہ دلوں کو زندگی کی رعنائی اور محروم اظہار لفظوں کو شان پذیرائی بخش دی، کردار ایسا کہ قرآن کے قدسی زمزموں میں ڈھل کر ''اسوۂ حسنہ'' کا خطاب پا کر ابدالآباد تک کیلئے باعثِ تقلید قرار پایا۔ شخصیت اتنی جاذبِ نظر کہ روحِ ارضی قدموں میں لوٹ لوٹ جائے۔ سراپا اتنا مطہر و مقدس کہ نہ تو دامانِ تخیل میں سمٹے اور نہ ہی حدود ادراک میں سمائے۔ مقام اتنا ارفع کہ سب غائتوں کی غائت اولیٰ کہلائے۔

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غائتوں کی غایتِ اولیٰ تمہی تو ہو

صدر عالی مرتبت! آج کے دور کا نعت گو شاعر اپنی پلکوں پہ عقیدت کے ستارے سجائے، دربار رسالت مآب ﷺ میں اپنے فکری تشخص اور روحانی تعلق کے حوالے سے مدحت و نعت کے گلہائے رنگا رنگ نذر کرنے کیلئے بے چین ہے۔ مختلف نظریات کی بھول بھلیوں میں الجھ کر تعلیماتِ مصطفوی کی ضیاء پاشیوں سے کٹ جانے والا مسلمان ذلت و خواری کی انتہائی حدوں کو چھو لینے کے بعد اس احساس سے سرشار ہو کر دربارِ رسولِ کریم ﷺ کی طرف لپک رہا ہے کہ حضور ﷺ کے دامانِ رحمت سے لپٹ کر ہی وہ دینی و دنیاوی سرخروئی کا حق دار بن سکتا ہے۔ دربارِ رسولِ خدا ﷺ کی طرف ملتجی نگاہوں سے لپکنے والا مسلمان، راہنمائی و دستگیری کی آس لگائے ''خاصۂ خاصانِ رسل'' کے رحمت آفریں پیغام کا منتظر ہے۔

ایک پیغام جو ہر دل میں اجالا کر دے
ساری دنیا کو سنانے کیلئے آپ آئے

نعت اظہارِ عقیدت اور بارگاہِ رسول ﷺ میں عاجزی کا تقاضا کرتی ہے۔

صدر والا تبار! اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے غیر معمولی عشق رسول، رفعتِ فکر وفن کیساتھ ساتھ ادب واحتیاط کے تمام تقاضوں کو بجالاتے ہوئے فنِ نعت گوئی کو مستقل ادبی حیثیت عطا کر دی۔ اس ضمن میں آپ کی یہ رائے آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

''حقیقتاً نعت لکھنا نہایت مشکل کام ہے، جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں، اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے، اس میں راستہ صاف ہے، جتنا چاہے آگے بڑھ سکتا ہے۔ غرض ایک جانب اصلاً کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے''۔

اسی لئے آپ فرماتے ہیں۔

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ
جن سا نہیں انسان، وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے، میری جان ہیں

جنابِ صدر! نعتِ رسول اللہ ﷺ کی بھی کیا شان ہے۔ عشق وعقیدت کے سہارے چلنے والا نعت کو آغاز میں نہایت آسان تصور کرتا ہے مگر جونہی ایک گام آگے بڑھتا ہے، دشواریاں اسکے اشہب قلم کو تھام تھام لیتی ہیں۔ وہ جمالِ نبوت کی ضیا پاشیوں کو دیکھتا ہے تو قلم گہرہائے آبدار پرونے کیلئے بے قرار ہو جاتا ہے۔ مگر

جب وہ ہیبتِ نبوی اور جلالتِ مصطفیٰ ﷺ کا تصور کرتا ہے کہ جہاں "جنید و بایزید" بھی نفس گم کردہ آتے ہیں تو اس کی آنکھیں فرطِ احترام سے بند ہونے لگتی ہیں۔ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ ایک طرف جلوہ ہائے جاں نواز کی کثرت ہے جس سے محسوسات تک منور ہو رہے ہیں اور دوسری طرف جلالِ تجلیاتِ حضور کی سطوت ہے جو مدحت نگار کو اس کی عجز سامانی اور فکری کم مائیگی کا احساس دلا رہی ہے۔ عرفی نے نعت کہتے ہوئے ایسی ہی صورتِ حال کی عکاسی کی ہے۔

عرفی مشتاب ایں رہ نعتست نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

والا قدر! حضور نبی کریم ﷺ کی مدحت نگاری ایک ایسے بحرِ بے کراں کی مانند ہے جس کی وسعتوں اور عظمتوں کا اندازہ تو کیا جا سکتا ہے لیکن اسے بیان کرنے سے کماحقہٗ عہدہ برآ نہیں ہوا جا سکتا۔ علماء، فضلاء، ادیب، خطیب اور شاعر صدیوں سے آپ کی توصیف وثنا میں مصروف ہیں۔ دانشورانِ عالم نے نظم ونثر کی صورت میں آپ کو جس قدر خراجِ عقیدت ادا کیا ہے، اتنا ہدیہ توصیف کسی اور شخصیت کے حصے میں نہیں آیا۔ مگر اس تمام فکری بادیہ پیمائی اور عشق وعقیدت کی انجمن آرائی کے باوجود آپ کی عظمت وجلالت کے تصور سے ہی مدحت نگار کو تنگیٔ دامانِ فکر کا احساس پریشان کرنے لگتا ہے یہ حقیقت ہے کہ ذات خداوندی کے علاوہ کوئی بھی آپ ﷺ کی مرتبت شناسی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اس عجز بیانی کے احساس کو مختلف شعراء نے مختلف طریقوں

جب بھی نعت حضور کہتا ہوں
ذرے ذرے کو طور کہتا ہوں
شام بطحا کی زرفشانی کو
مطلعِ صبحِ نور کہتا ہوں

جناب والا! آپ ﷺ کے چرچے زمین و آسمان پر ہر جگہ ہر آن ہیں آپ ﷺ کے تذکرے زندگی کی آبرو اور آپ ﷺ کی مدحت طرازیاں منشائے قدرت ہیں۔ چونکہ کائنات آپ کی خاطر تخلیق ہوئی اس لئے جملہ مخلوقات عالم کا مطلوب و مقصود بھی آپ ﷺ کی ذات والا صفات ہے۔

صدر محترم! جب شاعر نعت کہنے کا قصد کرتا ہے تو آپ ﷺ کی تخیلات سے فزوں تر شخصیت کا تصور کرتے ہی اس کا قلم لغزیدہ اور زبان لرزیدہ ہونے لگتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ تو رشد و ہدایت کے ماہ کامل ہیں۔ سپہر نبوت کے نیر اعظم ہیں۔ جود و کرم کا بحر بے کراں ہیں۔ لطف و عطا کا ابر گوہر بار ہیں۔ شاعر اسی احساس سے لرز لرز اٹھتا ہے کہ اس کے ذہن میں اتنی قوت' زبان میں اتنی طلاقت اور فکر میں اتنی بلند پردازی کہاں کہ وہ اس مینارۂ رشد و ہدایت کی تابانیوں کی مظہر ایک معمولی سی کرن بھی اپنے دامانِ ادراک پہ سجا سکے۔ ایسے عالم میں وہ اس بڑھیا کا تصور کرتا ہے جو مصر کے اصحاب ثروت کے مقابلے میں سوت کی اٹی لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے نکلی تھی۔ وہ بڑھیا اس حقیقت سے بہرہ ور تھی کہ اگرچہ یہ معمولی سی اٹی یوسف علیہ السلام کا مول نہیں لیکن مستقبل کے تذکروں میں یوسف علیہ السلام کے خریداروں میں اس کا نام بھی لکھا جائے گا۔

کرے گا مدح نبی کیا کوئی خدا کی طرح
خدا کی حمد کرے کون مصطفیٰ کی طرح

صدر مسند نشیں! نعت کہتے ہوئے شاعر کا دل عشق رسول ﷺ کی عظمتوں سے لبریز اور فکر ایمان و یقین کی طلعتوں سے منور ہے۔ حضور ختمی مرتبت کا نام ان کی نوک قلم سے ٹپکتا ہے تو دامان قرطاس پر گلزار کھل اٹھتے ہیں۔ ان کے احساسات حضور ﷺ کی یادوں سے آباد اور تخیلات آپ ﷺ کی نسبت سے مہکبار ہیں۔ دربار

رسول ﷺ میں حاضری کا تصور کرتے ہیں تو کبھی تو خوشی و فرحت سامان سفر بنتی ہے اور کبھی یہ فکر ستانے لگتی ہے کہ دربار رسول ﷺ میں کیا منہ لے کر جاؤں گا۔ ایسے عالم میں یہ تمنا انہیں عرض مدعا کا حوصلہ بخشتی ہے۔

سوئے طیبہ جو کوئی قافلہ جاتا دیکھا
ایک محشر دل پرشوق میں برپا دیکھا
مرحبا سیّدِ مکّی مدنیؐ العربی
ترے انوار میں اللہ کا جلوہ دیکھا

عالی مرتبت! نعت گوئی کی خوشبوئے جاں نواز لٹاتے ہوئے بعض اوقات شاعر حضور محمد مصطفیٰ ﷺ سے اپنی جذباتی وابستگی کے حوالے سے عشق و شیفتگی کا اظہار کرتا ہے اپنے گناہوں کا احساس کرتا ہے اور پھر ان کی رحمت بے کراں کا تصور کرتا ہے۔ ذاتی عشق و عقیدت کے نام پر وہ بہر پہلو خود کو دامان رسول ﷺ سے وابستہ رکھتا ہے۔ دوسرا انداز یہ ہے کہ شاعر اپنی ذات کو امت مسلمہ کا ایک حصہ تصور کرتے ہوئے خود کو ملت اسلامیہ میں گم کر کے حضور رسالت مآب ﷺ سے قومی مسائل، ملی مصائب اور اجتماعی مشکلات کی فریاد کرتا ہے۔ اشکوں سے وضو کرتا ہوا حضور ﷺ کو فسانہ غم سناتا ہے۔

منزلیں گم ہوئیں راستے کھو گئے زندگی ریت کی جیسے دیوار ہے
خود ہی روح محمد تو کر فیصلہ آج کتنی مدد تیری درکار ہے
وقت نے ٹھوکروں پر ہمیں رکھ لیا، تجھ سے ہٹ کر نہ کچھ بھی رہا
اب عطا کر ہمارا تشخص ہمیں، ہم کو پہچان اپنی بھی دشوار ہے

یہ حقیقت ہے کہ جملہ انبیائے کرام نے اپنے کردار سے زمانے کو مسخر کیا۔ ان سب کا مقصود حسن کردار سے بندگان ہستی کو خدا کا شعور بخشنا تھا۔ حضور ﷺ

ظاہر و باطن میں انوار الٰہی کے ترجمان تھے۔

حاضرین محترم! حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کا حسنِ صورت تجلیات ربانی کا مظہر تھا۔ تو آپ ﷺ کا حسن سیرت انسانی سیرت و کردار کی انتہائی سرفرازیوں کا محور۔ قرآن نے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کے جگمگاتے ہوئے الفاظ کی روشنی میں آپ ﷺ کی عظمت کردار کو عالم انسانیت کیلئے ایک ایسا مینارۂ نور قرار دیا ہے جس سے پھوٹنے والی روشنی صدیوں سے عرب و عجم کے ظلمت کدوں کو منور کر رہی ہے۔ آپ ﷺ کا اخلاق مایوس دلوں کا سہارا' بے کسوں کا چارہ اور مظلوموں کیلئے شمع امید تھا۔ روایت کی روشنی میں دیکھا جائے تو نعت جمال رسول ﷺ سے سدا روشن رہی ہے۔

جناب صدر! نعت غزل کے پیرائے میں کہی جائے یا نظم اور مسدس کے انداز میں کہی جائے غرضیکہ نعت عشق و عقیدت کا اظہار اور اس کا ہر پیرایہ سخن شاعر کو بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں قربت کا حوصلہ بخشتا ہے۔ اور یہی قربت اسے حوصلہ بخشتی ہے کہ بارگاہ مصطفیٰ میں اپنے جذبات نذر کر سکے۔ اس امید کے ساتھ کہ کب رحمت کی باد بہاری چلے اور اسکی عرض گزاری چشم رحمت کا اشارہ پا کر قبولیت کے موتیوں میں ڈھل جائے۔ میں ان اشعار پر اپنی تقریر ختم کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

در حبیب خدا پہ آؤ اے غم کے مارو اے بے قرارو
ہے سبز گنبد کی سبز چھاؤں میں چین دل کا سکون جاں کا
سفر ہے صحرائے زندگی کا' ہے سر پہ شدت کی دھوپ آئی
حضور! طالب ہے کل زمانہ تمہاری رحمت کے سائباں کا

رہ گئی رسمِ اذاں رُوحِ بلالی نہ رہی

صدر گرامی قدر اور معزز سامعین! آج کے اس معزز ایوان میں مجھے شاعرِ مشرق کے جس مصرع پر اظہارِ خیال کرنا ہے وہ ہے۔

"رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی"

صدرِ ذی وقار! آج کی تقریر کا عنوان عصرِ حاضر کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ اس میں شاعر مشرق نے منافقت کے پردے چاک کیے ہیں۔ ریاکاری اور مذہبی دوعملی کے بدترین جذبے کو ملتِ اسلامیہ پر واشگاف کیا ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ ہم لفظوں کے غازی ہیں اور حقائق سے آنکھیں چراتے ہیں۔ ہماری باتیں دلوں کو لبھاتی ہیں مگر ہمارا عمل انسانیت کو شرماتا ہے۔ ہم وہ مسلمان ہیں کہ جن کو دیکھ کر اسلامی روایات کو پسینہ آجائے۔ سیاست منافقت کا دوسرا نام ہے لیکن ہم نے مذہب کو بھی سیاسی عزائم کا اسیر بنا دیا ہے اور آج ہماری یہ کیفیت ہے کہ

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

والا قدر! مسجد و محراب اسلامی عظمت کے امین ہوتے ہیں۔ منبروں سے تقدیس ایمان کی خوشبو آتی ہے لیکن آج اسی مسجد و محراب اور منبر سے بوئے اسداللٰہی نہیں بلکہ مصلحت کی ریاکاری نظر آتی ہے۔ ہم لفظوں میں الجھ گئے مگر عمل کو فراموش کر دیا۔ ہم خطابت کے اسیر ہو گئے اور لفظوں کی اس بازیگری میں بھول گئے کہ ہم

قرآن و حدیث کے وارث ہیں۔ ہم نے فراموش کر دیا کہ ہم دینِ محمدی کے تقدس کے آئینہ دار ہیں۔ ہم اسلاف کا نام تو لیتے ہیں مگر ہم نے اسلاف کی قوتِ عمل سے آنکھیں چرا لیں' اور آج ہم اس بدترین حالت سے دوچار ہیں جس پر وقت کا مورخ مرثیہ لکھنا ہی پسند کرتا ہے' اور یہی صدائے دردناک وقت کے مغنی کے لبوں سے ابھرتی ہے۔

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

صدرِ ذی وقار! اگر آج ہم چشمِ بصیرت سے چند لمحوں کیلئے کام لیں تو یہی دکھائی دیتا ہے کہ مساجد میں اذانوں کی ترنم ریزی کا مقابلہ ہے مگر ان میں کوئی بلال رضی اللہ عنہ جیسا عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے جس کی آواز میں ترنم تو کم ہوگا مگر اس کا سوزِ دروں دلوں کی کائنات کو زیر و زبر کر دیتا ہوگا۔ آج کے خطباء اور مقررین اسلام کی عظمت کے موتی تو بکھیر رہے ہیں مگر ان موتیوں میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ' ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے جذبۂ ایمانی کی معمولی سی چمک بھی نہیں ہے۔ اسلام کے نام پر محافل اور مجالس سجانے والے تو بہت ہیں مگر ان کے لفظوں میں خلوص و ایمان کی ادنیٰ سی مہک بھی نہیں ہے۔ اسلام اور عشقِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر سر کٹا دینے کا نام تو سب لیتے ہیں مگر کسی میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا جذبۂ رندانہ نہیں ہے۔ ہم نے اسلام کے نام پر مسجدیں نہیں بلکہ اپنی دکانیں سجالی ہیں۔ ہم اس دینِ مبین کی تجارت کر رہے ہیں جس نے چند ہی سالوں میں عرب کے بدوؤں کو قیصر و کسریٰ کے مقدر کا وارث بنا دیا تھا۔ ہمارے پاس لفظوں کی جاگیر تو

ہے ایمان کی تنویر نہیں۔ ہم دعائیں تو بہت مانگتے ہیں مگر ان دعاؤں کا مدعا کوئی نہیں۔ ہم خدا سے شکوہ تو بہت کرتے ہیں مگر اپنے احتساب عمل کیلئے ایک لحظہ کو بھی تیار نہیں۔

والا قدر! اس بے بسی اور رنج واندوہ میں رسمِ اذان کیا کرے گی۔ رسم اذاں تو کسی بلال کیلئے تڑپ رہی ہے جو عرب کے میدان میں برہنہ جسم گرم ریت پر کوڑے کھا کر احد احد پکارتا تھا۔ قرآن، تاریخ کا سب سے بڑا معجزہ ہے لیکن ہم نے اسے قیمتی الماریوں میں مقید کر دیا ہے۔ دینِ اسلام سب سے بڑا انقلابی پیغام ہے مگر ہم نے اسے فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ ہماری بے بسی اور بے حمیتی کا اس سے برا عالم کیا ہوگا کہ ہم عشقِ محمد ﷺ کے نام پر آپس میں الجھ پڑتے ہیں۔

جنابِ صدر! روحِ بلالی کی تڑپ تو گورے اور کالے، اسود و احمر، امیر اور غریب، سربراہِ وقت اور ادنیٰ سے انسان کو ایک مقام پر جمع کر دیتی تھی۔ یہ آواز کیا تھی، احیائے اسلام کی پکار تھی جو مصلحتوں اور سیاسی بازیگری میں کھو گئی اور ہم نے ہمیشہ کیلئے خود فراموشی کا عزم کر لیا۔ آج کوئی تو ہو جو ہماری بے حسی کے خاتمے کیلئے پکار اٹھے۔

ابھی تو صبح کے ماتھے کا رنگ کالا ہے
ابھی فریب نہ کھاؤ بڑا اندھیرا ہے
وہ جن کے ہوتے ہیں خورشید آستینوں میں
انہیں کہیں سے بلاؤ بڑا اندھیرا ہے

صدرِ محترم! آج کا موضوع محض ایک مصرع نہیں، ایک عالمگیر حقیقت ہے۔ اسلامیانِ عالم کیلئے عبرت کا تازیانہ ہے۔ کفر اپنی تمام تر قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کرتے ہوئے ملتِ اسلامیہ پر فیصلہ کن ضربِ کاری لگانے کو تیار ہے مگر ہم نے

اذانوں کا خلوص اور ایمان کی تازگی بھی کھو دی ہے۔ یورپی استعمار ایک مرتبہ پھر صلیبی جنگ کا طبل بجا چکا ہے مگر ہماری صفوں میں کوئی صلاح الدین ایوبیؒ کوئی نور الدین زنگیؒ کوئی محمد بن قاسم وقت کے مطلع پر نمودار ہونے کو تیار نہیں۔ اگر وقت کسی کو حوصلہ بھی بخشتا ہے تو ملتِ اسلامیہ کے ارباب سیاست و تدبر اسے مصلحتوں کی نیند سلا دیتے ہیں۔

جنابِ والا! کوئی تو ہو جو پرچم حق اٹھا کر چلے' کوئی تو ہو جو شوکتِ اسلام کا تصور زندہ کرنے کیلئے میدانِ عمل میں اترے' کوئی تو ہو جو طوفانوں سے ٹکرانے کا حوصلہ پیدا کرے' کوئی تو ہو جو روحِ بلالی کی تڑپ سے ملتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی کا اہتمام کرے۔ سنیے سنیے ہر طرف سے یہی صدا ابھر رہی ہے۔

آگ ہے' اولادِ ابراہیم ہے' نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

مناصبِ رسول

صدر گرامی قدر اور معزز حاضرین! آج کے ایوان میں مجھے جس عنوان پر اظہار خیال کرنا ہے' وہ ہے۔

''مناصب رسالت''

جناب صدر! سیرت مصطفیٰ ﷺ وہ گلشنِ سدا بہار ہے کہ جس کی ہر کلی عطر بیز اور ہر غنچہ عنبر بار ہے۔ کتنی ہی صدیاں اور قرن گزر گئے' کتنے ہی زمانے بیت گئے' وقت نے کتنی ہی کروٹیں بدلیں مگر یہ سدا بہار گلزارِ محبتِ رسول ﷺ اسی شان سے مہکا ہوا ہے جیسے چودہ صدیاں قبل تھا۔ اگر بنظرِ تحقیق دیکھا جائے تو ہر آنے والا دن سیرتِ حضور ﷺ کے لافانی حسن و جمال اور خوشبوئے جاں نواز میں اضافہ کر رہا ہے۔ اور ہر لمحہ یوں محسوس ہوتا ہے۔

بادِ رحمت سنک سنک جائے
گلشنِ جاں مہک مہک جائے
جب چھڑے بات نطقِ حضرت کی
غنچۂ فن چٹک چٹک جائے

والا مرتبت! سیرت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لافانی شہرت' ہمہ گیریت' جامعیت اور تا ابد پذیرائی کی شان اس لئے عطا ہوئی ہے کہ خالقِ محمد مصطفیٰ نے عظمتِ رسول اکرم ﷺ کے پرچمِ نور کو ہمیشہ کیلئے سر بلند رکھنے کا ذمہ لے رکھا ہے ''وَرَفَعْنَا لَكَ

ذِکْــرَکْ'' کہہ کر خدائے کریم نے نبی کریم ﷺ کے سرِ اقدس پر رفعت و شوکت کا تاجِ زرنگار اس شان سے ٹکایا کہ کاروانِ ہستی اس کے جمالِ جہاں آرا سے روشنی لے کر منزلِ حق کی جانب گامزن رہے گا اور ہر آنیوالی ساعت سیرتِ رسول عالم ﷺ سے راہنمائی لے کر رفعتِ محمد مصطفیٰ ﷺ کے ترانہ ہائے شوق الاپتی رہے گی۔ شاعر' ادیب' دانش مند' مصنف' محقق' سیرت نگار' نثر تخلیق کرنے والے' مقرر' خطباء اپنی اپنی عقیدتوں کے گلاب ''شان وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكْ'' کے نام پر نچھاور کرتے رہیں گے' اور شاعر دربارِ رسول سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس شعر سے روشنی لے کر ''مناصبِ رسول ﷺ'' کی شمع فروزاں کرتے رہے گی۔

ما ان مدحت محمدا بمقالتی

لکن مدحت مقالتی بمحمدا

ہم نبی کریم ﷺ کی توصیف وثناء اس لئے نہیں کرتے کہ اس سے حضور سیّد عالم ﷺ کی شان میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ ہم تو اس لئے لکھتے ہیں کہ جب ہماری تحریروں میں ذکر محمد مصطفیٰ ﷺ آجاتا ہے تو انہیں جاودانیت مل جاتی ہے۔

شاہ احمد رضا کے لفظوں میں یوں کہیے۔

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحا عرب کے بڑے بڑے

کوئی جانے منہ میں زباں نہیں' نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

والا قدر! مدحتِ رسول عربی ﷺ سرمایۂ حیات ہے۔ اعزاز کائنات ہے اہل شوق کیلئے پیغام نجات ہے دنیا اور آخرت میں پیغامِ سرخروئی ہے' عظمت وشوق کی نوید ہے۔ جوں جوں صاحب ایمان مقاماتِ رسول اور مناصبِ محمد مصطفیٰ ﷺ سے آگاہ ہوتا جاتا ہے اس کے دل میں عشقِ محمد مصطفیٰ ﷺ کے چراغ پوری شدت سے فروزاں ہونے لگتے ہیں اور اس کا کردار سیرتِ رسول ﷺ کے سانچے میں

ڈھلنے لگتا ہے۔

سرمایۂ حیات ہے مدحت رسول کی
اعزازِ کائنات ہے مدحت حضور کی
شاعر کی آبرو ہے تو نثار کا وقار
تنویر شش جہات ہے مدحت رسول کی

محترم المقام! یوں تو ہر دور میں سیرتِ رسول اللہ ﷺ کو اصحابِ فکر و عمل نے بطورِ خاص اپنی علمی کاوشوں کا مرکز بنایا۔ ان کے سامنے دو مقاصد تھے۔ اولاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی اور ثانیاً پیغامِ رسالت مآب کی ترویج و اشاعت۔ وہ سمجھتے تھے کہ رضائے مصطفیٰ ﷺ ہی رضائے خدا ہے اور اگر حضور نبیٔ اکرم ﷺ کی نگاہِ لطف و کرم ادھر ہوگئی تو رحمتِ خداوندی خود بخود سایہ فگن ہو جائے گی کیونکہ خدا نے محبتِ رسول ﷺ کو اپنی محبت کا معیار اور اطاعتِ حضور سرورِ عالمین کو اپنی اطاعت کی پہچان قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ بھر کے علماء و فضلاء اور محققین نے آپ کی سیرت پاک پر اتنا زیادہ لکھا کہ انسانی بصیرت حیران ہے کہ فقط چودہ صدیوں میں ہر زبان میں صورت و سیرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اس قدر زیادہ کیسے لکھ لیا گیا' اور پھر ہر آنے والے دور کے مصنفین اور محققین اپنے پیش رووں سے بڑھ چڑھ کر لکھ رہے ہیں۔ اس تمنا کے ساتھ کہ خدا کرے ہمارا ارمغانِ عقیدت بارگاہِ رسول ﷺ میں مقبول ہو جائے' اور ایسا کیوں نہ ہو جب ممدوح اس قدر عظیم ہو کہ بزمِ ہستی اس جیسا کبھی دیکھ نہ پائے گی جو محاسنِ اوصاف میں تمام رسولوں کے کمالات کا مظہر بلکہ ان سے بھی بلند تر ہو' جس کو ایک نظر دیکھتے ہی خدا یاد آنے لگے۔

اس پر نظم و نثر میں لکھنے کو کس کا جی نہ چاہے گا۔

دیکھنے والے کہا کرتے ہیں اللہ اللہ
یاد آتا ہے خدا دیکھ کے صورت تیری
تیرے انداز یہ کہتے ہیں کہ خالق کو ترے
سب حسینوں میں پسند آئی ہے سیرت تیری

حضراتِ والا! ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) نام ہی سب سے نرالا ہے۔ یہ نام نعت بھی ہے، حمد بھی ہے، تعریف کی انتہا بھی ہے توصیف کا حاصلِ مدعا بھی ہے۔ ذکر کی سرفرازی بھی اور جذباتِ عقیدت کی نے نوازی بھی۔ عشق کا کمال بھی ہے اور محبت کا جمال بھی ہے۔ یعنی ایسی ہستی جس سے زیادہ کسی کی تعریف نہ کی گئی ہو اور حق تو یہ ہے کہ جس کا مدح خواں اس کا خالق ہو اس کی تعریف نگاری حاصلِ کائنات کیوں نہ ٹھہرے گی۔ قرآن مجید تعریف محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا ماخذ اور ربِ جلیل سب سے بڑا مداحِ حضور رحمۃ اللعالمین ہے۔ قرآن مجید کلام ربانی ہے اور سراسر توصیف محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کا گنجینہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کے محبوبِ ترین رسول ہیں۔ رب کریم نے قرآن و احادیث کے ذریعہ آپ کو جو مناصب قدسیہ عطا کئے وہ بے مثال و بے نظیر ہیں۔ آپ کی صورت کو یٰسین وطٰہٰ کہا گیا، آپ کے کلام کو کلامِ حق قرار دیا گیا۔ آپ کے دستِ اقدس کی قوت کو قوتِ حق کا ترجمان قرار دیا گیا۔ آپ کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوا، سورج واپس پلٹ آیا۔ قرآن مجید نے آپ کے شہرِ مقدس اور زمانے کی قسم کھائی۔ آپ کی عمر اور آپ کی اداؤں کی قسم کھائی۔ آپ کے ہر عمل کو قرآن اور ایمان کا حصہ بنا دیا گیا، فرمایا گیا کہ میرا حبیب اپنی مرضی سے کچھ بولتا ہی نہیں۔ آپ کو شاہکارِ ربوبیت کا درجہ دیا گیا۔ یعنی صورت ایسی کہ چاند سورج نثار ہو جائیں اور سیرت ایسی جو ایک بار آپ کے قدموں میں آجائے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے وہ آپ کا ہو جائے۔

صدرِ ذی وقار! شاہکارِ ربوبیت بنا کر خالقِ کونین نے آپ ﷺ کے اسوۂ عالی کو زمانے بھر کے انسانوں کیلئے تا ابد شمعِ ہدایت قرآن قرار دیا کہ اے زمانے والو کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتے پھرو گے۔ سکون کی تلاش میں کس کس در کا طواف کرو گے' آؤ اور دامانِ رسول ﷺ میں پناہ لے کر آپ کے کردارِ بے نظیر سے خوشہ چینی کرو کہ یہی وقت کا تقاضا ہے اور قدرت کا مدعا ہے۔

صدر ثریا جاہ! ربِ کریم نے حضور نبی کریم ﷺ کو جن مناصب قدسیہ پر فائز کیا ان کے تذکرہ سے قرآنِ حکیم کا بحرِ بیکراں مواج ہے۔ ایک صاحبِ نظر کو ان مناصب تک رسائی کیلئے مناصبِ رسول علیہ التحیۃ والثناء کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جب محبّ کو اپنے محبوب سے پیار ہوتا ہے تو وہ اس کی ہر ادا' اس کے ہر قولِ مبین اور ہر ایک منصب کو جان تمنا بنا کر رکھتا ہے۔ یہ مناصب عالیہ ہی ہیں جو ہمیں حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے فکری اور نظری کمالات سے آگاہ کرتے ہیں۔ انہی کی بدولت ہمیں مقامات محمد مصطفیٰ ﷺ تک رسائی کا موقعہ ملتا ہے۔ انہی کی بدولت ایک بالغِ فکر مسلمان کو احساس ہوتا ہے کہ ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقامِ ارفع کس قدر بڑا اعزازِ کائنات ہے۔

معزز حاضرین! آپ کو ان مناصب پر آپ کے ربِ کریم نے فائز کیا۔ تاریخِ تہذیب' قرآنِ حکیم اور سیرت پاک کے اوراق شاہد ہیں کہ آپ نے ان مناصب کو کماحقہ پورا کیا۔ اور ان مناصبِ جلیلہ کی عملی خوشبو ویسے ہی ہر دور کی زینت بنا دی جیسے آپ کا رب چاہتا تھا۔ آپ نے ان "مناصبِ قدسیہ" کا نور ایسے پھیلایا کہ کائنات کے ظلمت کدے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ضَو بار ہو گئے۔

ہم نے اصنام کئی دل میں بٹھا رکھے تھے
دل سے یہ بوجھ ہٹانے کیلئے آپ آئے

ہر نبوت کیلئے وقت پہ جانا ٹھہرا
آپ آئے تو نہ جانے کیلئے آپ آئے

جنابِ والا! اندھیرا جتنا گہرا ہو روشنی کی اتنی ہی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ تاریکیاں جس قدر زور آور ہوں' انوار کی طلب اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ عصرِ حاضر کی فکری بدقسمتی ہے کہ یہ ہر قسم کی مادی اور سائنسی ترقی کے باوجود نورِ حق سے بے بہرہ ہوتا جا رہا ہے۔ ایسے عالم میں ایسے مردانِ ایمان کی ضرورت کہ جو علومِ قرآن اور عشقِ مصطفوی ﷺ کے چراغ جلا سکیں۔

آپ ''قرآنِ ناطق'' ہیں۔ لہٰذا جب آپ پر گفتگو کی جائے تو بات خود بخود قرآن حکیم تک جا پہنچتی ہے۔ حضور ﷺ بولتا ہوا قرآن ہیں۔ آپ خدا کا کلام سنائیں یا اپنے اقوال سے دلوں کو منور کریں۔ یہ سب خدا ہی کی مشیت اور لطف و عطا کا تقاضا ہے۔

معزز حاضرین! خدائے دو عالم نے اپنے محبوب ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنایا' شفیع المذنبین کا اعزاز عطا کیا۔ آپ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہیں۔ قدرت نے آپ کو بلند ترین مناصب عطا کر کے اس سرزمین پر مبعوث فرمایا جو ظاہری طور پر بھی پتھریلی تھی اور جہاں بسنے والوں کے دل پتھروں سے زیادہ سخت تھے۔ یہ مناصبِ رسالت کی بجا آوری تھی کہ حضور ﷺ ہر آزمائش میں سرخرو ہوئے۔ پتھر کھا کر رحمت کی دعائیں دینے والے نے زمانے کو تسخیر کر لیا۔ کفر کی الزام تراشیوں' ظلم و شدائد' حالات کی ستم کاریوں' ''باطل قوتوں کے ہلاکت خیز منصوبوں'' اور دشمنانِ دین کی ہولناکیوں کے باوجود ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مناصبِ رسالت کے فکری اور روحانی تقاضوں کو پورا کیا۔

جناب والا! "مقامِ حمدیت" کو سمجھنے کیلئے "مناصب رسول ﷺ" تک رسائی ضروری ہے۔ حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیت اپنی جگہ' بھٹکی ہوئی مخلوق کو صراطِ حق پر گامزن کرنے کیلئے خالق نے آپ ﷺ کو رحیم و کریم بنایا' شفیق اور مہربان بنایا۔ معلمِ انسانیت کا شرف عطا کر کے صاحبِ خلقِ عظیم بنایا۔ صادق الوعد الامین کا تاج آپ ﷺ کے سرِ اقدس کی زینت بنایا۔ آپ کو دلوں کا پاک کرنیوالا اور تعلیماتِ الٰہی کو دلوں میں راسخ کرنے والا بنایا۔ آپ ﷺ کے عزائم کو کوہِ گراں کی بلندی اور سمندروں کی وسعت بخش دی اور پھر آپ نے خدا کی جانب سے عطا فرمودہ مناصب کا جس طور پر حق ادا کیا ہے اس پر اپنے' تو اپنے اغیار بھی رطب اللسان ہیں۔

والا قدر! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مناصبِ حقیقی اور مقاماتِ رسالت سے آگاہی ہر صاحبِ نظر کیلئے درجاتِ قدسی میں بلندی کا باعث بنتی ہے۔ شعور سے آگے اسے محبت و عشق کے آداب سکھاتی ہے۔ اس ضمن میں جس کی زبان' جس کا قلم' جس کا وجدان ذکرِ مصطفیٰ کیلئے وقف ہو جائے اس کے مقدر کا کیا کہنا! پھر تو بلندی ہی بلندی ہے۔ یہ نسبتِ رسول ﷺ کا فیضان ہے۔ محمد رسولِ خدا ﷺ کا انعام ہے۔ عشق سلطانِ دو عالم ﷺ کی سوغات ہے۔ جسکے قلب و جاں میں حضور ﷺ بس جائیں' جس کی فکر تذکارِ رسول سے آباد ہو جائے' جسکا ذوقِ مطالعہ سیرت رسول ﷺ سے ضو باری کا اہتمام کرتا رہے' جس کا قلم راہِ عشق و عقیدت میں محوِ سفر رہنے کا عادی ہو جائے' جس کے خیالات کے آئینہ خانے میں حسنِ حضور ﷺ کی جلوہ باری کا اہتمام ہو جائے' جس کی زبان اور جس کے قلم کی نوک سے عشق رسول کے گلاب مہکیں وہ بالیقین اپنے آقا و مولیٰ کی بارگاہ میں سرخرو ہو جائے گا' کیونکہ ربِ کریم نے اعلانِ عام کے ذریعے اپنی محبت کو محبت و اطاعتِ رسول ﷺ سے مشروط کر دیا ہے۔

بعد از خُدا بزرگ تُوئی قصہ مختصر

صدر محفل اور جملہ اصحابِ محفل! مجھے آج جس موضوع پر لب کشائی کرنا ہے وہ ہے۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جناب والا! حضور محبوبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ گرامی صدیوں سے اصحابِ فکر و دانش سے لافانی عظمتوں کا خراج لے رہی ہے اور صدیوں کا کیا تذکرہ یہاں تو ہر دور ہی دورِ مصطفیٰ ہے روز الست سے شامِ ابد تک سلطانِ مدینہ کے محامد و محاسن بیان ہوتے رہیں گے۔ ماضی ہو یا دورِ حال ہو یا عہدِ مستقبل تینوں ادوار کا وجود بلاشبہ تذکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عبارت ہے۔ حق تو یہ ہے کہ توصیف سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے جس نور آفریں سلسلے کا آغاز ربِ دو عالم نے خود کیا ہو تمام ارواحِ انبیاء سے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی برتری و بالاتری تسلیم کرنے کا عہد لیا ہو وہ سلسلہ کس طور اپنی جاودانی تب و تاب کھوسکتا ہے۔

جز ذاتِ خداوندی کوئی نہ انہیں سمجھا
سرکارِ دو عالم کا عرفان نرالا ہے

والا قدرا! جب سورج نصف النہار پر ہوتا ہے تو اصحابِ بصیرت کو اس کی جہانگیر ضیا پاشیوں کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ آفتابِ نبوتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام وقت کے مطلعٔ جاودانی پر اس شان سے جلوہ گر ہوا کہ اندھیروں نے ضیا پائی۔ ظلماتِ خرد کو عرفانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا شعور ملا۔ آپ کی صورت بے مثال تو آپ کی سیرت لازوال بنائی گئی۔ بے عیب ربِ جلیل نے اپنا بے عیب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تخلیق کر کے بزمِ ہستی کی

زینت بنا دیا کہ اے زمانے والو! عرب کا عجم کا جلال و جمال دیکھا مگر بتلاؤ تو کوئی میرے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا بھی ہے؟

کوئی ہے ماہ کوئی آفتاب کی صورت
نہیں ہے کوئی رسالت مآب کی صورت
نہ دیتی ہم کو سہارا جو آپ کی سیرت
تو لمحہ لمحہ گزرتا عذاب کی صورت

صدر ذی وقار! آپ کی صورت کو یٰسین وطٰہٰ کا مصداق ٹھہرایا گیا تو آپ کے کردار کو شامِ ابد تک کیلئے ہدایت کے طلب گاروں کیلئے نمونہ تقلید قرار دیا گیا۔ آپ نورِ خداوندی کے مظہر ہیں بلکہ عین عکس جمالِ خداوندی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے آپ کا جمالِ جہاں افروز دیکھا بلا تاخیر یہ کہتے ہوئے مسلمان ہو گیا کہ ''ایسا حسین چہرہ کسی ساحر یا کذاب کا نہیں ہو سکتا''۔ ربِ کریم نے اسی مظہرِ انوار کو ''حجابِ بشریت'' میں عالم انسانیت کا اعزاز بنا دیا۔

اس کی آنکھوں میں اُتر آتے ہیں ماہ و انجم
جس نے بھی خواب میں سرکار کی صورت دیکھی
جان بیتاب کی تسکین ہے حب احمد
فرش کیا عرش پہ آقا کی حکومت دیکھی

حاضرین محترم! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا جمال لوگوں کی آنکھوں سے اللہ نے غیرت کی وجہ سے چھپا رکھا ہے اور اگر آشکارا ہو جائے تو لوگوں کا حال اس سے بھی زیادہ ہو جو حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ہوا تھا۔

(درالثمین فی مبشرات النبی الامین ص ۷)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام محبوبِ خالق ہیں اور محبّ کی غیرت محبت کا تقاضا ہوتا ہے

کہ اس کے محبوب کو بشرح کمال سوائے اس کے اور کوئی نہ دیکھے۔ اسی وجہ سے ربِ کریم نے جمالِ حضور کو صرف اپنے دیکھنے کیلئے لوگوں کی نظروں سے چھپا رکھا ہے۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا حسن و جمال ہم پر ظاہر نہیں کیا گیا۔ اگر آپ کا پورا حسن و جمال ظاہر کیا جاتا تو ہماری آنکھیں آپ کے دیدار کی طاقت نہ رکھتیں۔

دل میں ہو یاد تیری جلوۂ زیبائی ہو
پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو
اک جھلک دیکھنے کی تاب نہیں عالم کو
وہ اگر جلوہ کریں کون تماشائی ہو

والا مرتبت! گویا خدائے جلیل نے اپنے محبوب کو انوار لافانی کی خلعتِ جاودانی عطا کر کے حجابِ بشریت کا ملبوس بخشا تا کہ حق و صداقت کی آرزو رکھنے والوں کیلئے آپ کی قربت آسان تر ہو جائے اور وہ جی بھر کے حجابِ بشریت میں جلوہ آرا انوارِ محمدی کی لمعہ افشانیوں سے مستنیر ہو سکیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت نگاری ہمیشہ سے ہر دور کے ادیبوں، مورخین، انشاء پردازوں، محققین، شعراء، دانشوروں اور اصحاب ذوق و جستجو کا موضوع خاص رہی ہے۔ سب نے ادب و احترام کو زادِ سفر بنائے رکھا کیونکہ وہ اس حقیقت سے آشنا تھے کہ

ہم چو تو نازنینے سر تا بپا لطافت
گیتی نشاں نہ دادہ ایزد نیا فریدہ

جنابِ والا! جسے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم محمد بن عبداللہ نظر آئے اور دوسرے وہ جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال و کمال میں لا الہ الا اللہ کی شانِ یکتائی دیکھی۔ یہی جماعت حق پرستوں کی ہے جنہوں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور

میں اللہ کا جلوہ دیکھا وہ ''محمد رسول اللہ ﷺ'' کہ جن کا حجابِ بشریت چاہنے والوں کو اپنا گرویدہ بنا کر ذاتِ الٰہ کا عرفان بخشتا رہا۔ حتیٰ کہ مزاج شناسِ رسول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر بھی اس حقیقت کا انشراح کمالِ عقیدت سے ہوا اور علامہ اقبال ان کی ترجمانی کیلئے پکار اٹھے۔

معنی حرفم کنی تحقیق اگر
بنگری با دیدۂ صدیق گر
قوت قلب و جگر گردد نبی
از خدا محبوب تر گردد نبی

جناب والا! حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ والا صفات بعد از خدا بزرگ تر ہے۔ اللہ کے بعد جو کچھ ہیں حضور ہیں۔ حمدِ الٰہی کے بعد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں سب کچھ کہنا روا ہے۔

بس کہ رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ' خلق کا مولا کہوں تجھے

جملہ انبیاء و رسل کو جس قدر معجزات اور محاسن عطا کیے گئے آپ کی ذات تنہا کے معجزات ان سے زیادہ ہیں۔ آپ تو سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک معجزہ ہیں۔ آپ کی صورت بذات خود جامع معجزہ ہے۔ آپ کی سیرت لازوال سدا بہار معجزہ ہے کہ جس نے عرب کے صحراؤں کو انسانیت نوازی کے چشمے عطا کیے۔ جنگ و جدل کے پرستاروں کو امن و سلامتی کا شاہکار بنا دیا۔ لاتعداد بتوں کے طلسم کو پارا پارا کر کے خدائے واحد کی حقانیت کا پرچم ہمیشہ کیلئے تاریخ کی بلندیوں پر لہرا دیا۔

صدر محترم! آپ خدا کے بعد سب سے زیادہ تعریف کے قابل کیوں نہ

ہوں کہ خدا خود آپ کی توصیف فرما رہا ہے۔ جملہ ادوار کے انبیائے کرام آپ کے محاسنِ قدسی کے آگے سرخمیدہ رہے ہیں۔ آپ کے کمالات قدسیہ کی آخری حد تو کجا آپ کے اس کا اولین کنارا بھی دستیاب نہیں ہو سکا۔ آپ کے افضل البشر ہونے سے انکار ممکن نہیں مگر کمال عشق و ارادت کا پیغام یہی ہے کہ حضور ﷺ بشر تو ہیں مگر کیسے بشر؟

جناب والا! جس کے شہر کی رب قدوس قسمیں کھائے۔ جس کی آنکھوں کو اپنے جلوۂ ذات سے مستیز کرے۔ جس کی عظمت آشکار کرنے کیلئے ازل سے ابد تک کے قافلوں کو دوام بخشے اور کور چشموں پر جس کی شان شفاعت اور شوکتِ محبوبی واضح کرنے کیلئے بزم محشر کا انعقاد کرے۔ جس کے غلاموں، نیاز مندوں، صحابہ کرام، اہل بیت اطہار، غازیوں، شہیدوں اور ابد کی ساعت آخریں تک ماننے والوں کو اعزازِ ہستی بنا دے، جس کی نورانیت کو قرآن و حدیث کے حوالے سے مسلمہ حقیقت بنا دیا جائے۔ اسے فقط بشر کہنا مظہرِ انوارِ خداوندی کے جمالِ جہاں افروز سے اغماض نہیں تو کیا ہے؟ اسی لئے آپ کے رب نے آپ کو مظہرِ قرآن ٹھہرا کر قیامت تک کیلئے یہ باور کرا دیا ہے کہ آپ ہی خدا کے بعد سب سے زیادہ محترم اور مکرم ہیں۔ آپ کے درِ رحمت پر دستک دیئے بغیر رحمتِ خداوندی کا تصور بھی محال ہے۔ یہی عقیدت ہم سے یہ کہلواتی ہے۔

ہر نفس پھوٹے لبوں سے اسم احمد کی مہک
آپ کے ناموس پر قربان ہونا چاہیے
بعد رب العالمیں ہیں آپ سب سے محترم
عاصیو اپنا یہی ایمان ہونا چاہیے
ہے اگر دل میں محبت سرورِ کونین سے
زندگی کا رہنما قرآن ہونا چاہیے

تقریب پذیرائی

ایم۔اے سالِ دوم کے طلبہ کی طرف سے سالِ اول کے طلبہ کے اعزاز میں

محترم اساتذہ وعزیز طلبہ وطالبات! زمانے نے ہمیشہ نئے سے نئے نشیب وفراز دیکھے ہیں۔رنج وآلام کی پرچھائیاں بھی دیکھی ہیں اور خوشی ومسرت کی جگمگاتی ہوئی کہکشائیں بھی دیکھی ہیں۔اس تغیر وتبدل سے قدرت کا مقصود ہمیں باور کرانا ہے کہ غموں کے تاریک موسم اور خوشی ومسرت کے جگمگاتے ہوئے ستارے فقط تقدیر کے طلسم کے اسیر ہیں۔اور تقدیر کے ہر لحظہ بدلتے ہوئے رنگ ہمیں زندگی کے حقائق سے نباہ کرنے' صداقتوں کا سامنا کرنے اور انمٹ سچائیوں سے زندگی کے ولولے کشید کرنے کا حوصلہ عطا کرتے ہیں۔

غم کی راتوں میں ستاروں کو چمکتے دیکھنا
وقت کی گردش میں راہوں کو دمکتے دیکھنا
رحمت خلاقِ عالم جس گھڑی ہو مہرباں
ہر خزاں رُت کے گلابوں کو مہکتے دیکھنا

اس وقت میرا مقصود ایم اے سال اول کا خیر مقدم کرنا ہے۔انہیں مبارک باد کہنا ہے کہ انہوں نے رزم گاہِ حیات میں کامیابیوں کے حصول کیلئے پامردی سے قدم رکھ دیئے۔ایم اے سال دوم کی کلاس ان کا استقبال کر رہی ہے اور اپنی

مسکراہٹوں کے گلاب ان کی نذر کر کے انہیں احساس دلا رہی ہے کہ تم نے کل کو ہماری ڈسیٹوں پر بیٹھنا ہے۔ تم نے ہمارے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہماری جگہ لینی ہے۔ جو حسین منزل ہمارے پیشِ نظر ہے وہی تمہارا بھی مدعا ہے اور جس دل افروز کامیابی کے خواب ہم نے اپنی آنکھوں میں سجا رکھے ہیں وہی تمہارا بھی مستقبل ہیں۔ چلے چلو! بڑھتے چلو! عزم و حوصلہ کو اپنا راہبر بنا کر علم کے ستاروں کی روشنی میں اپنی رفتار تیز تر کر دو کہ زمانے کو اسی طرح تسخیر کیا جاتا ہے۔ زندگی تم سے سرگوشیاں کر رہی ہے۔

بے خبر تو جوہرِ آئینہ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

آج سال اول کے طلبہ کے دلوں میں خوشی و مسرت کے سرچشمے ابل رہے ہیں' آنکھوں میں آنے والی تعلیمی کامرانیوں کے خواب رقصاں ہیں' عزائم میں فراخی اور حوصلوں میں جرأت و ہمت کی لگن' ایک فکری تازگی ہے جو لبوں سے فرحت کا احساس بن کر پھوٹ رہی ہے۔ کالج کے درودیوار سے مانوسیت کا اظہار ہو رہا ہے کہ ہم نے اسی مادرِ علمی سے سب کچھ حاصل کرنا ہے۔ ان کے قلم کی نوک صفحۂ قرطاس پر اپنی کامیابی کی داستان رقم کرنے کیلئے بے قرار ہے کہ

تو اپنی سرنوشت خود اپنے قلم سے لکھ
خالی رکھی ہے خامۂ حق نے تیری جبیں

ان کی خوشی عارضی' ہنگامی یا وقتی نہیں ہے بلکہ اسے رنگِ دوام حاصل ہے۔ وقتی ہنگامہ آرائیاں دیکھتے دیکھتے دم توڑ جاتی ہیں۔ ہنگامی ولولہ انگیزیاں دیکھتے ہی دیکھتے ماضی کی نذر ہو جاتی ہیں اور وقتی جذبے بہت جلد زندگی کی راہوں میں کھو جاتے ہیں۔ عمل وہی زندہ رہتا ہے جسے دوام حاصل ہے۔ وہی آرزوئیں اور امنگیں

خواب سے تعبیر کا رخ اختیار کرتی ہیں جن میں ہیشگی ہے۔ تاریخ میں وہی نقوش اپنے وجود چھوڑنے کے قابل ہوتے ہیں جو پائیداری اور دوامی عمل سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ جذبۂ دوام ہمیشہ خونِ جگر سے حیاتِ نو لیتا ہے۔ خونِ جگر نہ ہو تو مغنی کی نوا' شاعر کی صدا' اور زندگی کے ساحلوں پر جدوجہد کرنے والے طالب علم کا جذبۂ بے ریا محض خواب و خیال بن کر رہ جائیں۔ شاعرِ مشرق نے اسی لئے کہا تھا۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

اور پھر

رنگ ہو یا خشت و سنگ' چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

عزیز طالبات! میں دل و جان کی گہرائیوں سے اس کالج کے علم آفریں ماحول میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ جس طرح گلستاں کی زینت پھولوں سے' کتاب کی زینت مضامین سے' علم و حکمت کی زینت تازہ تر افکار سے ہوتی ہے۔ اسی طرح تم سے بھی اس مادرِ علمی کے فکر آفریں ماحول کی زینت ہے۔ تم تہی دامن نہیں آئیں بلکہ تمہارے دل و دماغ میں علم و حکمت کی دنیا آباد ہے۔ افکار کی ایک کہکشاں ضَوریز ہے جو کچھ تم نے گذشتہ ادوار میں پڑھا اسے اپنا اثاثۂ عمل بنا کر تم نے اس درسگاہِ علمی کا انتخاب کیا ہے۔ یہ درس گاہِ علمی اپنے ظاہری و باطنی ماحول کو کشادہ کرتے ہوئے تمہیں خوش آمدید کہتی ہے کہ آؤ! اور اس کشتِ علم کے نم سے فائدہ اٹھاؤ۔ یہاں جذبے بو کر تم کامیابیوں کی فصل کاٹو گے۔ ستارے بو کر ماہ و آفتاب کی فصل حاصل کرو گے۔

تمہاری مادر علمی یوں استقبال کرتی ہے
تمہاری نذر مستقبل اور اپنا حال کرتی ہے

تمہاری سرفرازی کو' تمہاری سربلندی کو
ہو جس سے تم کو عبرت پیش وہ احوال کرتی ہے

گورنمنٹ اسلامیہ کالج شاندار روایات کا امین ہے۔ اسکا ایم اے کا شعبہ اُردو اپنے دامان میں طلبہ و طالبات کی عظمت' درخشندگی کی حقیقت آفریں داستانیں لئے ہوئے ہے۔ ہمارے کالج نے سالانہ نتائج میں ہمیشہ قابلِ فخر اعزازات حاصل کئے ہیں۔ معاون نصاب اور ہم نصابی سرگرمیوں کی ترقی کیلئے بھرپور تقریری' تحریری مقابلہ جات کروائے جاتے ہیں۔ طلبہ و طالبات کی علمی اور تحقیقی سرگرمیوں کو فروغ دینے کیلئے ذہین طلبہ و طالبات سے تعلیمی مقالات لکھوائے جاتے ہیں اور معروف شخصیات کا انتخاب کر کے اور نئے نئے موضوعات کا انتخاب کر کے طلبہ و طالبات کے ذوقِ تحقیق کو جلا بخشنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اب تک ایم اے اُردو کے طلبہ و طالبات درجنوں ادبی' علمی' تحقیقی موضوعات پر سیر حاصل مقالات لکھ چکے ہیں یہ تعداد قابلِ فخر بھی ہے اور قابلِ اعزاز بھی۔ یہ ربِ دو عالم کا خصوصی کرم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ جس طرح چراغوں سے چراغ روشن ہوتے ہیں' شمعوں سے شمعیں روشنی حاصل کرتی ہیں' اسی طرح ہمارے طلبہ و طالبات تحقیق و جستجو کی شمعوں کی روشنی میں نئی شمعیں فروزاں کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس جذبے کے ساتھ کہ

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

سال دوم کے طلبہ تمہارے لئے ایک روشن مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان طلبہ و طالبات نے تعلیم و تعلم کے ساتھ ساتھ تحقیق و جستجو کا عمل بھی جاری رکھا۔ تعلیم' علم کی بلندیوں کا نام ہے اور بلندیوں کی کوئی آخری حد نہیں ہوتی' جس طرح

رہ نوردِ شوق کیلئے کوئی منزل متعین نہیں ہوتی بلکہ اس کیلئے ہر منزل نشانِ منزل ہوتی ہے، ہر آرزو سراغِ جستجو ہوتی ہے، ہر جذبہ نئے جذبات کو جنم دینے کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح تعلیم بھی ایک بحرِ بے کنار ہے جس کے کناروں پر خودرو برگ و بار کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا جبکہ مرادوں کے حصول کیلئے گہرے پانیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس لئے عزیز طلبہ و طالبات تمہیں علم کی حدوں کو چھونے کیلئے وقت کے صحرائے بسیط سے گزرنا ہوگا۔ گہرے پانیوں سے گزرنے کے چیلنج کو قبول کرنا ہوگا پھر کہیں جا کر تمہیں وہ منزلِ مقصود حاصل ہوگی جو تمہارے تصورات سے بھی ماورئی ہوگی۔ اس مقام پر تمہیں سوچنا ہوگا۔

وقارِ انجمن ہم سے، فروغِ انجمن ہم ہیں
سکوتِ شب سے پوچھو، صبح کی پہلی کرن ہم ہیں
ہمیں سے گلستاں کی بجلیوں کو خاص نسبت ہے
بہاریں جانتی ہیں رونقِ صحنِ چمن ہم ہیں

اور پھر تعلیم و تدریس کے علم افروز عمل کے ساتھ ساتھ تحقیق و جستجو کے گلاب چنتے جانا بھی تمہاری صلاحیتوں کا امتحان ہے۔ تم سے سینئر طلبہ و طالبات اس عمل سے گزر چکے ہیں، تمہیں ان سے مشاورت کرنا ہوگی۔ اپنے اساتذہ سے تحقیق کے ہمالہ صفت پہاڑوں کو کاٹنے کا حوصلہ مستعار لینا ہوگا۔ یاد رکھو! کسی بھی پہاڑ کو کاٹنے کیلئے پہلا پتھر ہی بھاری ہوتا ہے۔ کسی بھی ریت کے ٹیلے کو اس کی جگہ سے ہٹانے کیلئے پہلا سفر ہی دشوار ہوتا ہے۔ آگے عمل کی یکجائی اور فکر کی یکسوئی ہر عمل کو معمول کے سانچے میں ڈھال دیتی ہے۔ تمہیں بھی ان راہوں سے منزل تراشنی ہے۔ یاد رکھو! فطرت تمہارے محوِ سفر ہونے کی منتظر ہے۔ تم اپنے ذوقِ عمل کے نخلِ تناور کا ثمر خود ہی دیکھو گے۔

مضطرب باغ کے غنچے میں ہے بوئے نیاز
تو ذرا چھیڑ تو دے' تشنۂ مضراب ہے ساز
نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کیلئے
طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کیلئے

اس یادگار تقریب میں سال دوم کے طلبہ وطالبات کا میں خصوصی طور پر ممنون ہوں جنہوں نے کالج کی روایات دیرینہ کو برقرار رکھا۔ خلوص ومحبت کے ساتھ اس تقریب کا اہتمام کیا۔ اپنے جذبات کو عمل میں سمو کر سال اول کی پذیرائی کا انتظام کیا۔ انسان فانی ہے مگر جذبے لافانی ہیں۔ جن روایات کی بنیاد خلوص ومحبت اور چاہت پر ہو' وہ روایات ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔ سال دوم کے طلبہ وطالبات کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنے سے جونیئر کلاس کو اپنی نیک آرزوؤں سے نوازنے کا اہتمام کیا۔ ان کے اعزاز میں یہ تقریب منعقد کی' جس کا لحہ لحہ ہر صاحب نظر کو اپنی لافانی محبتوں کی امانت سونپ رہا ہے۔ میں اس آرزو کیساتھ سال اول اور سال دوم کے طلبہ وطالبات کے جگمگاتے مستقبل کیلئے دُعا گو ہوں۔

ہے تم سے علم کی زینت' وقارِ زندگی تم ہو
تمہی ہو رونقِ کالج' جمالِ آگہی تم ہو
تمہی سے جلوہ ریزی ہے چمن کے ذرّے ذرّے کی
چراغ علم و حکمت کی سراسر روشنی تم ہو
ہے تم سے ہی وقارِ علم اور حکمت کی رعنائی
کہ اس ماحول میں ذوقِ عمل کی تازگی تم ہو
رہو ضَو بار تم تعلیم کے روشن اجالوں سے
بہارِ علم تم' رحمت خدائے پاک کی تم ہو

ایم۔اے سال دوم کی رخصتی پر ایم۔اے سال اول کی طرف سے

تقریب الوداع

جناب صدر! طلبہ و طالبات! کالج کی فضاؤں میں اپنے جذبات کا اظہار کر کے روحانی فرحت کا احساس ہوتا ہے۔ کالج کے ماحول میں تعلیم و تدریس کی مہک رچی ہے۔ یہاں چاروں طرف علم و حکمت کا اجالا ہے۔ طلبہ و طالبات ہوں یا محترم اساتذہ سب کے دلوں میں علم کی روشنی کے چراغ جگمگا رہے ہیں۔ خوشی و مسرت کی فراوانی ہے۔ جذبات کو از خود کچھ کہنے کیلئے زبان مل جاتی ہے۔ احساسات مچل جائیں تو خاموشیوں کو بھی بہت کچھ کہنے کا حوصلہ مل جاتا ہے۔ ایسے عالم میں جب ذہن و فکر میں ایم۔اے سال دوم کی کلاس کی کالج سے رخصتی کی بات چلتی ہے تو جذبات بے اختیار اظہار کیلئے مچلنے لگتے ہیں اور زبانیں اپنی سوچوں کو ترجمانی عطا کرنے کے بہانے ڈھونڈنے لگتی ہیں۔ یہ خوشی و مسرت کا رنگ بھی ہے اور رنج و الم کی کیفیت کا اظہار بھی۔ تصور میں یہی احساس ہے کہ جن طالب علموں کے ساتھ ہم نے اتنا عرصہ گزارا' وہ اس کالج کے روشن ماحول سے بچھڑ رہے ہیں۔

اپنے پیاروں کا بچھڑنا ہے بہت اندوہ گیں
اب تلک ان کی جدائی کا یقیں آتا نہیں
ہوں گے یہ ہم سے جدا ایسا کبھی سوچا نہ تھا
اپنے پیارے ایسے بچھڑیں گے کبھی چاہا نہ تھا
ہیں دعائیں اب تو ان کی کامرانی کیلئے
آرزوئیں ہیں تو ان کی شادمانی کیلئے

عزیز طلبہ و طالبات! ایم۔ اے اردو سال اول اور سال دوم کے طلبہ و طالبات کی اہمیت اپنی اپنی جگہ مسلم ہے۔ جہاں سال دوم کے سینئرز کا جذبہ اور محبت و شفقت آنے والے طلبہ و طالبات کو بہت کچھ سکھانے پر آمادہ ہوتے ہیں' وہاں سال اول کے طلبہ و طالبات کے دلوں میں آگے بڑھنے کی امنگ ہوتی ہے۔ وہ سال دوم کو آزمائش گاہ سمجھتے ہیں جن کی بدولت انہیں کامیابی کی منزلوں کو سر کرنے کی توفیق عطا ہوسکتی ہے۔ یہ دوطرفہ جذبہ ہی حقیقی ذوقِ عمل ہے۔ شوق جستجو' فروغِ علم کا بہانہ ہے۔ عظمتِ تعلیم و تدریس کا دل نشیں انداز ہے۔ اس سے دلوں میں آگے بڑھنے کیلئے ولولے بیدار ہوتے ہیں۔ عزائم کو پختگی اور ارادوں کو شوکتِ عمل عطا ہوتی ہے۔ یہ اشتراکِ عمل کی ایمان افروز تصویر اور سیکھنے سکھانے کی تنویر ہے۔ یہ جذبہ عزائم کو بیداری اور ذوقِ تعلیم کو حکمت کی ضوریزی عطا کرتا ہے۔ آج سالِ اول کی جانب سے سالِ دوم کی تقریب الوداع کے نام پر خوبصورت پارٹی اور تقریب کا انعقاد اپنے سینئرز کے حضور ایک محبت آفریں جذبۂ عقیدت ہے۔ آج سب کے پیشِ نظر یہ حقیقت ہے کہ

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ ہنر کیا
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

عزیز طلبہ و طالبات! یہ ضربِ کلیمی علم کی قوت سے جنم لیتی ہے' تعلیم کے شکوہ سے پروان چڑھتی ہے' تدریس کے ذوق سے حیاتِ نو حاصل کرتی ہے۔ جب سیکنڈ ائیر کی کلاس یہاں آئی تھیں تو وہ بھی انہی کیفیات سے دوچار تھی جس سے آج سالِ اول دوچار ہے۔ دلوں میں وسوسے' بے نام سا خوف' بے نام سی

جھجک' یہ لمحہ یہ خیال کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے۔ مگر وقت کی درس گاہ میں زمانہ سب سے بڑا استاد ہوتا ہے جو سالوں کا تجربہ دنوں میں سکھا دیتا ہے۔ آج کی سالِ دوم جس حسنِ اعتماد اور عملی جذبوں کی تصویر بن کر کھڑی ہے شروع میں تو ایسی نہ تھی۔

یہ تو وقت کا بخشا ہوا ذوقِ عمل اور اساتذہ کرام کی شفقت ہے جس نے سالِ دوم کو اس قدر بھروسہ اور اپنی شخصیت پر اعتماد سکھا دیا کہ ان کا ہر نقشِ عمل سالِ اول کیلئے نشانِ عمل بن چکا ہے۔ اس موقع پر سالِ دوم کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے سالِ اول کے طلبہ و طالبات کے ذوق اشتراکِ عمل کو لفظوں کا خراج پیش کرنا چاہوں گا کہ وہ کسی قسم کی انا پسندی کا شکار نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اپنے سے سینئر طلبہ و طالبات سے راہِ حیات پر کامیابی سے چلنے کا عمل سیکھنے کی کوشش کی ہے اور بلاشبہ وہ اس میں کامیاب رہے ہیں۔ آج وہ خودی سے بڑھ کر خود آگاہی کی قوت سے آشنا ہو چکے ہیں کہ۔

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد
ناچیز جہانِ مہ و پرویں ترے آگے
وہ عالم مجبور ہے تو عالمِ آزاد
موجوں کی تپش کیا ہے فقط ذوقِ طلب ہے
پنہاں جو صدف میں ہے وہ دولت ہے خداداد

عزیز طلبہ و طالبات! مجھے خوشی ہے کہ کچھ عرصہ پہلے سالِ دوم نے سالِ اول کے اعزاز میں پروقار تقریبِ اعزاز کا انعقاد کیا تھا' جس میں خلوصِ فکر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا۔ اور ان کی اس درس گاہ میں آمد پر خوشی و مسرت کا بھرپور اظہار کیا تھا۔ ایک مرتبہ پھر خوشی و مسرت کے جذبات سے اپنے محسوسات کو منور کر رہا ہوں کہ سالِ اول نے سالِ دوم کیلئے

الوداعی تقریب کا اہتمام کیا ہے۔ اس طور انہیں احساس دلایا ہے کہ دنیائے تعلیم میں سینئر یا جونیئر کی کوئی تفریق نہیں ہوتی بلکہ ہم علم و عمل کی منزلوں کے راہی ہیں' ہماری منزل ایک ہے' راستہ ایک ہے' اساتذہ کی شفقت ہم پر ایک جیسے انداز میں کرم بار ہو رہی ہے۔ منزل تو مشترک ہے' اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کوئی ایک سال پہلے منزل پر فائز ہوگیا اور کوئی ایک سال بعد اسی منزل کو چھونے میں کامیاب ہوسکا۔

میرے لیے تم سب لائقِ تحسین ہو' باعث رشک علم و ادب ہو۔ تعلیم کے بہتے ہوئے بحرِ بے کنار میں ہر سال جذبۂ عمل کی کشتیوں پر سوار نئے سے نئے مسافر آتے ہیں' ہم اپنا تعلیمی و تدریسی تجربہ انکی نذر کر دیتے ہیں' علمی شکوہ کے پھولوں سے ان کا دامنِ مراد بھر دیتے ہیں۔ منزل کا سراغ دے کر انہیں آگے کو روانہ کر دیتے ہیں تاکہ علم و ہنر کی مسافتوں کے نئے راہی ان کی جگہ لے سکیں۔

علم کی توقیر تم ہو' تم سے حکمت کا وقار
شان ہے کالج کی تم سے' تم ہو فطرت کا نکھار
میری تو ہر ایک پل' ہر آن خواہش ہے یہی
ہر گھڑی تم پر رہے' لطفِ خدائے کردگار

طلبہ و طالبات! تاریخ شاہد ہے کہ علم کا قافلہ کبھی رکا نہیں' تھما نہیں' ہر آنے والا دور اس کی رفتار کو تیز کر دیتا ہے۔ علم کے تیز تر قافلے کی رفتار سے کہیں غزالی و رومی کی صدائیں آتی ہیں۔ کہیں ابنِ خلدون اور ابنِ رشد کی آوازیں ابھرتی ہیں۔ کہیں بوعلی سینا' جابر بن حیان اور ابوالقاسم زہراوی کے کارناموں کی صدائے باز گشت سنائی دیتی ہے۔ کہیں رازی' فارابی اور شاہ ولی اللہ کی صدائے علم آفریں ابھرتی ہے۔ کہیں جلال الدین سیوطی' جامی و سعدی کے کارناموں سے ایک جہان آباد نظر آتا ہے۔ عصر حاضر میں اقبال' حالی اور شبلی کے پیغام کا حسن جلوہ ریز نظر آتا ہے۔ یہ سب اسی تعلیم و تحقیق کے درخشندہ ستارے ہیں۔ اگر یہ ستارے اپنی

روشنی نہ بکھیرتے تو جانے کاروانِ وقت ظلمتوں میں کہاں کہاں بھٹک رہا ہوتا۔

عزیزانِ محترم! عصرِ حاضر تعلیم و تعلم کی روشنی سے جگمگا رہا ہے لیکن ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ تمہارے حوصلے جوان اور ارادے فراخ ہیں۔ تم میں عمل کی شدت کارپوشیدہ ہے۔ گزرتے ہوئے وقت کا لمحہ لمحہ تمہاری کارگزاری کا شاہد ہے۔ قدرت نے تمہیں موقع عطا کیا ہے۔ علم کی دولتِ لازوال بخشی ہے۔ ظلمتوں میں نئے سورج ابھارنے کا حوصلہ بخشا ہے۔ خدائے کریم کے اس لطفِ کریمانہ کی خوشبو کو دل و جان میں بسالو اور نئے حوصلوں کے ساتھ بحرِ علم و حکمت کے ساحلوں پر نئے شہر آباد کرنے کیلئے میدان عمل میں آگے بڑھنے کا عزم کرو۔ وقت تمہارا منتظر ہے۔ سال اول ہو یا سال دوم میں دونوں کلاسز کے طلبہ و طالبات سے کہنا چاہتا ہوں کہ طلسمِ زماں و مکاں توڑ کر اپنی خداداد صلاحیتوں کو کام میں لاؤ۔ آنے والا زمانہ اور وقت تمہارا ہے۔ میں ان حسین جذبات کے ساتھ اس گفتگو کو تمام کرتا ہوں۔

آسمانِ وقت کے روشن ستاروں کو سلام
مطلعِ ایمان کے رخشندہ تاروں کو سلام

سوئے منزل جب چلو تو اک زمانہ ساتھ ہو
اور تمہاری فکرِ روشن کے نظاروں کو سلام

فخر ہے کالج کو تم پر تم سے ہے اس کی بہار
جن سے تم گزرو سدا ان رہگزاروں کو سلام

جو لکھو جو کچھ کہو وہ وقت کی پہچان ہو
شوکتِ تحقیق کے سب شاہپاروں کو سلام

اِتحادِ ملتِ اسلام

صدر گرامی قدر اور حاضرین والا قدر! ملت سے مراد چند افراد یا ایک وطن میں بسنے والے دو چار قبائل نہیں بلکہ ملت ایک نبی کے ماننے والوں پر مشتمل ہے۔ ہم نبی آخر الزماں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہادی و رہبر اور رسول مانتے ہیں۔ ہم آپ کے امتی ہیں۔ اسی طرح ایشیاء' افریقہ' امریکہ سمیت جس براعظم یا شہر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسول ماننے والے ہیں' وہ سب ایک ملت پاک ہیں۔ گورا ہو یا کالا' حبشی ہو یا ایشیائی کسی کو کسی پر فضیلت نہیں بلکہ اس میں فضیلت کا معیار زمانے بھر سے جدا ہے۔ ارشاد قرآنی ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

تم میں فضیلت والا وہ ہے جو اللہ سے ڈر گیا۔

صدر محترم! گویا اس پوری کائنات میں جنہوں نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے دامان نور میں پناہ لے رکھی ہے۔ وہ سب ایک ملت پاک ہیں۔ اس میں رنگ' نسل' قبیلے یا جغرافیائی حدود کی قید نہیں۔ ہر طرف کلمہ طیبہ کی ایمان افروز چھاؤں تلے اتحاد امت کا پرچم رحمت لہرا رہا ہے۔ خدائے کریم نے امتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتحاد کا درس دیا کہ اگر تم الگ الگ ہوئے تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

رب ذوالجلال نے فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ برپا نہ کرنا۔

جناب صدر! حضور ﷺ کی خطۂ عرب میں آمد سے پہلے ساری دنیا جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی مگر آپ کے آنے سے رحمت حق کی بہار آ گئی۔ آپ نے قبیلوں کو بھی ملایا اور ان کے دل بھی ایک کر دیئے اور پھر اسلام کی کشور کشائی کا پرچم جدھر جدھر بھی گیا امت اسلام کو ملت واحدہ کے آداب سکھاتا گیا۔ یہ اتحاد ملت ہی کا فیضان تھا کہ وہ عرب کے بدو جنہیں کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج کے وارث بن گئے۔ اتحاد امت نے حیرت انگیز معجزہ رونما کر دیا کہ ہر خطۂ زمین میں اسلام کے انوار پھیلتے گئے مگر کمال یہ تھا کہ اگر جزائر سراندیپ کی مسلمان لڑکی کی عزت پر ہندوستان کا راجہ داہر ہاتھ ڈالتا تھا تو عرب کا محمد بن قاسم اسلامی اخوت کا علمبردار بن کر اس کی امداد کو پہنچ جاتا تھا۔ اب اتحاد ملت کی بدولت ساری امت اسلام ایک رشتے میں پیوست ہو چکی تھی۔ یہ اسی اتحاد کا ثمر تھا کہ مسلمانوں کی مجاہدانہ یلغار کے تصور سے باطل کے ایوانوں پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔

صدر ثریا جاہ! امت کے اس اتحاد نے ہمیں ہر بلندی سے نوازا۔ صدیوں تک ایشیاء سے یورپ اور یورپ سے افریقہ تک یہ امت تہذیب و تمدن، سائنس، فلسفہ، طب و جراحت سے لے کر آسمانی علوم کے مطالعہ تک روشنی کا مینار بنی رہی مگر جونہی ملت اسلام اتحاد و اشتراک سے دور ہوئی اور جغرافیائی، لسانی، قبائلی تعصبات نے سر ابھارا تو ہم زمانے کی ٹھوکروں پر آ گئے۔ جس اتحاد نے تمام ملت اسلام کو ایک تسبیح کے دانوں میں پرو رکھا تھا وہی اتحاد قصۂ پارینہ بن گیا اور شاعر مشرق علامہ اقبال کا حساس دل چیخ اٹھا۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
تو گردوں نے ثریا سے زمیں پر ہم کو دے مارا

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارا

حاضرین والا تبار! آج اگر ہم اپنے ماضی پر ایک نظر دوڑائیں تو ایک طرف اتحاد امت اسلام کی بدولت عظمت و سربلندی نظر آئے گی اور دوسری طرف نااتفاقی کی بدولت ذلت وخواری کے مہیب سائے نظر آئیں گے۔ آج ہم ڈیڑھ ارب کی تعداد میں ہونے کے باوجود ہر لحاظ سے پسماندہ ہیں۔ وہی قومیں جو کبھی ہماری شان وشوکت کے قصیدے پڑھا کرتی تھیں۔ آج ہمارے زوال وادبار کا تماشا دیکھ رہی ہیں۔

ذلت وخواری کی بجلی ہم پر راتوں رات نہیں گری۔ قدرت نے ہمیں سنبھلنے کے بہت مواقع دیئے مگر ہم نے آنکھیں بند کرلیں۔ قومی ترقی سے منہ موڑ لیا۔ ہمارے پاس قرآن مجید کا سرچشمۂ نور تھا۔ اسوۂ رسول ﷺ کا پیغام عالمگیر تھا مگر ہم فقط مصلحت کے پجاری ہو کر رہ گئے۔

جناب والا! آج بھی حساس دل شوکتِ اسلام کی خاطر چیخ رہے ہیں۔ امتِ مسلمہ کی بیداری کا خواب دیکھنے والے باضمیر لوگ موجود ہیں۔ قرآن حکیم جیسا نسخۂ کیمیا موجود ہے مگر بدقسمتی سے ہم نے تاریخ سے سبق لینا چھوڑ دیا۔ اگر ہم اتحاد امت کے داعی ہیں اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں اس حکم ربانی کو پیش نظر رکھنا ہو گا کہ

ان اللہ لایغیر ما بقوم حتی یغیرو ما بانفسھم

بیشک خدا نے اس قوم کی حالت نہیں بدلی جسے اپنی حالت کے بدلنے کا سلیقہ نہ ہو۔

گویا ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کو بدلنے کا

حضرات محترم! اگر ہم امت اسلام کو پھر سے ترقی و عروج کی بلندیوں تک لے جانا چاہتے ہیں تو ہم میں سے ہر فرد کو اپنی حالت کو بدلنے کا عزم کرنا ہوگا۔ قطرے قطرے سے دریا اور ذرے ذرے سے صحرا جنم لیتا ہے۔ اگر ملت اسلام کا ہر باضمیر فرد خدائے کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائے تو زمانہ ایک بار پھر اتحاد امت کے نام پر اسلام کی لافانی عظمت کا منظر دیکھے گا۔ اقبال نے یہ کہہ کر ہمیں خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تیری
مرے درویش خلافت ہے جہاں گیر تیری
ماسوی اللہ کے لئے آگ ہے تکبیر تیری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیری تیری
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

جناب صدر! پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ اس لئے اس میں بسنے والی ملت کا اتحاد دوقومی نظریہ پر عمل پیرا ہونے ہی میں مضمر ہے۔ دوقومی نظریہ ہمیں اندھیروں میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عشق خداوندی کے چراغ روشن کرنے کی توفیق بخشتا ہے۔ یہ نظریہ اس قوم کی اساس ہے جس نے ۱۹۴۷ء میں آگ اور خون کے سمندر عبور کر کے سرزمین ہند کے اندر پاکستان کو وجود بخشا تھا۔ اتحاد ملت وقت کا تقاضا بھی ہے اور وطن کی بقا کا راز بھی۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے چٹا گانگ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

''ایک خدا۔ ایک کتاب۔ ایک نبی تو ایک ملت کیوں نہیں۔ یہی وہ پیغام ہے جو ہمارا ماضی بھی ہے اور مستقبل بھی ہے۔ یہ وہ چٹان ہے۔ یہ وہ لنگر ہے۔ وہ کشتی ہے کہ جب تک اس سے وابستہ رہو گے تمہیں دنیا کی کوئی قوت آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتی''۔

ایک نظر اپنے گردوپیش کو دیکھئے۔ مولانا حالی کہتے ہیں۔

مکھیوں میں اتحاد اور مچھروں میں اتفاق
آدمی کا آدمی دشمن' خدا کی شان ہے

جناب والا! یہ وہ ملت ہے جو اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے۔ دوستوں کو سینے سے لگاتی اور دشمنوں کے سامنے سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار بن جاتی ہے۔ ضرورت فقط اس امر کی ہے کہ ہم ذاتی اغراض سے بالاتر ہو کر ملی اتحاد کو خضر راہ بنائیں۔ ملت کے اتحاد کا تقاضا ہے کہ

- ہم اپنی ذات' اپنے مفادات اور ذاتی فائدے سے بے نیاز ہو کر فقط ملت کے مفادات کو مدنظر رکھیں۔
- اپنے اندر قوت برداشت پیدا کریں۔ جہاں دوسروں تک اپنا مؤقف پہنچائیں وہاں ان کی تنقید برداشت کرنے کا بھی حوصلہ پیدا کریں۔
- ایک خدا' ایک کتاب' ایک نبی (ﷺ) کے تصور کو عملی طور پر ملت کی ترقی کی بنیاد بنائیں۔
- فقط لفظوں کے پرستار نہ بنیں بلکہ راہ عمل پر چلتے ہوئے اپنا فکری قبلہ بھی درست رکھیں۔
- دو قومی نظریہ کو حاصلِ حیات بنائے رکھیں۔
- اگر ایک مردِ مومن کو کانٹا چبھے تو پوری ملت اسلامیہ اس کانٹے کی چبھن کو

محسوس کرے۔

- اپنی تاریخ کو اپنے اسلاف کے کارناموں کو پیشِ نظر رکھیں کیونکہ جو قوم تاریخ سے سبق نہیں سیکھتی' وقت اس کا جغرافیہ بدل دیتا ہے۔
- ہم طالب علم ہیں یا معلم' صحافی ہیں یا ادیب' بزنس مین ہیں یا کاشتکار' مزدور ہیں یا کارخانہ دار' عام انسان ہیں یا حکمران' ہر حالت میں قومی اتحاد کو پیش نظر رکھیں۔
- فوج کا کام ہماری جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت ہے۔ ہمارا کام ملت کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت ہونا چاہیے۔

یہ وہ راہنما اصول ہیں جو ہمیں اتحاد ملت کیلئے کام کرنے کی توفیق بخش سکتے ہیں۔ آخر میں مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے۔

اللہ کی راہ اب بھی ہے کھلی' آثار ونشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا

''معاشرتی بگاڑ کے ذمہ دار کون''

صدر ذی وقار اور حاضرین گرامی! مجھے آج کے اس علم پرور ماحول میں جس موضوع کو الفاظ کے پیراہن میں سجانا ہے' وہ ہے ''معاشرتی بگاڑ کے ذمہ دار کون''

جناب والا! معاشرہ افراد سے ترتیب پاتا ہے اور افراد ہی کسی قوم کی شیرازہ بندی کرتے ہیں۔ جب معاشرہ بگڑتا ہے تو یک لخت تہذیب و تمدن کے محل زمین بوس ہو جاتے ہیں۔ معاشرتی وقار اور ملی عظمت کے ستارے زمین کی پستیوں میں غروب ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں ایک حساس دل سوال کرتا ہے کہ ہمارے اس معاشرتی بگاڑ کے ذمہ دار کون ہیں؟ جنہوں نے ہمیں اوج ثریا سے اٹھا کر ذلت و خواری' ناخواندگی و لاچاری اور بے بسی و مجبوری کے گہرے غاروں میں دفن کر دیا۔

جناب والا! ہم ایک نظریاتی مملکت کے امین ہیں۔ ہماری رگوں میں ان اسلاف کا خون ہے جن کے کردار کی پاکیزگی اور دینی دنیاوی ترقی کی قسمیں سورج اور چاند کھایا کرتے تھے۔ مگر آج کس کی نظر بد ہمیں کھا گئی۔ شاید یہ ہم خود ہی ہیں جو اپنا لاشہ اپنے ہی کندھوں پر اٹھائے اپنی قبریں ڈھونڈ رہے ہیں۔ ایک صاحب نظر کے بقول

میں سیہ بخت ہوں تو پھر روز سیہ یہ مجھ کو
اپنے ہی گھر کے چراغاں نے دکھایا یہ مجھ کو

صدر والا مرتبت! نہ تو قومیں چند دنوں میں بگڑا کرتی ہیں اور نہ ہی ان کے

بگاڑ کے ذمہ دار ایک دو افراد ہوتے ہیں۔ جب قوم معاشرتی بگاڑ کی آخری حدوں کو چھوتی ہے تو اس کے پس منظر میں کتنے ہی تباہ کن عناصر جاگ رہے ہوتے ہیں اور پھر ہماری غفلت ان عناصر کو اس قدر طاقت ور بنا دیتی ہے کہ ہمارا وجود ان کے بوجھ تلے دب کر کرچی کرچی ہونے لگتا ہے۔

جناب والا! آج اگر ہم اپنے معاشرتی ماحول کا جائزہ لیں تو چاروں طرف ظلم و بربریت ہے۔ جوانوں کی جوانی اور بزرگوں کا بڑھاپا سر عام گولیوں کی نذر کر دیا جاتا ہے۔ خودکش حملوں کی بدولت اسلام کی تصویر بگاڑ دی جاتی ہے۔ مائیں اپنے بچوں کو درسگاہوں میں بھیجنے سے گھبراتی ہیں کہ شاید یہ چھٹی کے بعد واپس نہ آ سکیں۔ مکروہ چہروں نے اغواء برائے تاوان اور حوا زادیوں کے تقدس سے کھیلنے کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ تھانوں کی قیمت لگ جاتی ہے۔ عدالتوں کی بولی دی جاتی ہے۔ جو حرص و ہوس اور تشدد کا کھیل سرحدوں پر کھیلا جا رہا تھا۔ اب اس کے بارود کی بو ہر شہر اور قصبے میں محسوس ہو رہی ہے۔ لوگ سڑکوں پر بکھرے لاشے دیکھتے ہیں۔ مگر کوئی اس کربلا کا گواہ بننے کو تیار نہیں۔ عدالتوں کے ایوانوں میں خون کا کھیل رچا دیا جاتا ہے۔ ڈرگ مافیا کمیشن مافیا اور موت مافیا سمیت گلی کوچوں میں یہ فرعون حکومت کے مقابلے میں اپنی حکومت بنانے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ اتنا معاشرتی بگاڑ۔ قائداعظم محمد علی جناح نے تو ہمیں امن و سلامتی کا گہوارہ دیا تھا۔ لیاقت علی خاں نے اس کیلئے اپنے خون کا نذرانہ دیا تھا۔ اقبال نے اس کی عظمت کے سنہرے خواب دیکھے تھے۔ سیاست دانوں کو جنگ اقتدار سے فرصت نہیں۔ میں یہ کہنے پر مجبور ہوں۔

مجبور ہوں میں، مجبور ہو تم، مجبور یہ دنیا ساری ہے
اس دور میں جینے کی قیمت یا دار و رسن یا خواری ہے

جناب والا! معاشرتی بگاڑ کی ایک مکروہ ترین شکل دیکھئے کہ جب تیل کی قلت' لوڈ شیڈنگ اور اپنی ہی سرزمین سے عطا ہونے والی سوئی گیس خواب بن جائے۔ جب زبردستی مسلط کی گئی لوڈ شیڈنگ دن کے اجالوں کو رات کے اندھیروں میں بدل دے۔ جب مہنگائی اس قدر ہو کہ باپ اپنے ہاتھوں سے بچیوں کا گلا گھونٹ رہا ہو اور ماں اپنے نونہالوں کو فروخت کر رہی ہو' اور یہ سب کچھ ان کی سرپرستی میں ہو رہا ہو جن سے ہمیں مرادوں کے پھول ملنے کی امید ہو۔ تو پھر سسکتے ہوئے عوام کس کے دروازے کی زنجیر عدل کو کھٹکھٹائیں گے اور بچیوں کی عفت سرعام نیلام ہو رہی ہو۔ عورتوں کو زندہ درگور کر کے مکے کی قدیم وحشی تہذیب کا نمونہ پیش کیا جا رہا ہو۔ جب بہانے تراش کر کاری کرنے کو غیرت کا نشان سمجھا جائے۔ پھر معاشرے کا حسین چہرہ ابلیس کا نقاب اوڑھ لیتا ہے اور ہم سوچتے رہ جاتے ہیں۔

کسے وکیل کریں کس سے منصفی چاہیں
کسے دکھائیں کہ سینے پہ زخم کیا کیا ہیں

والا قدر! یہ سارا معاشرتی بگاڑ ہے جس نے عام آدمی سے لے کر مقتدر اعلیٰ تک سب کو اپنی اپنی قیمت لگانے پر مجبور کر دیا۔ جب میں معاشرتی بگاڑ کے ذمہ داروں کا راستہ ڈھونڈنے نکلتا ہوں تو مجھے ہر راستہ سرمایہ داروں' ملت فروشوں' ملک کی مٹی کو نیلام کرنے والے بے حیاؤں اور تہذیب و تمدن کے حسن اور تعلیم کے وقار کو قدموں تلے روندنے والے ان پالیسی ساز اداروں کے سربراہوں کے محلات کی طرف جاتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جہاں خلوت کدوں میں تہذیب و تمدن کی بولیاں لگائی جاتی ہیں۔ معاشرتی بگاڑ کے نام پر قہقہے برسائے جاتے ہیں۔ مگر عوام کے سامنے یہ اپنے چہروں پر تقدس کا غازہ مل کر پھر ایک نئی صبح روشن کی جھوٹی امید دے جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں معاشرتی بگاڑ کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

ہماری قوم کی ذلت سے ان کو کام ہوتا ہے

انہی کے ہاتھ قوت کا سنہرا جام ہوتا ہے

مٹے ملت یا تہذیب و تمدن خاک ہو جائے

وطن میں جو بگاڑ آئے وہ ان کے نام ہوتا ہے

وطن بگڑے تو ان کے قلب کو تسکین ملتی ہے

کلی ان کی وطن کی ذلت و خواری سے کھلتی ہے

جناب والا! اس کے ساتھ ہی میں ان باضمیر صحافیوں کی غیرت کو جوش میں لانا چاہتا ہوں جو بکتے نہیں بلکہ برائی کو ٹھوکر سے اڑاتے ہیں۔ میں ملت کے پاسدار پولیس افسران کو بھی سلام کہتا ہوں۔ قدرت نے ہمیشہ برائی کو مسلط نہیں کیا بلکہ کانٹوں کے ساتھ گلاب بھی اگائے ہیں۔ میں وطن کی ناموس کو اپنے ماتھے کا جھومر بنانے والے سیاست دانوں کے جذبۂ رندانہ کو بھی عزم و عمل سے آراستہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں ان محترم اور معزز ماہرین تعلیم کی غیرت فکری کو بھی خراج عقیدت پیش کرتا ہوں جو سرزمین وطن سے ہر قسم کے معاشرتی بگاڑ کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ میری دعا ہے خدا ان اصحاب علم و حکمت کو غزالی کا علمؒ بوعلی سینا کی حکمت' ابن خلدون کی دانائی اور رازی کی فکری بصیرت عطا کرے۔ آپ ان قوتوں کو اپنے بزرگوں کی امانت سمجھ کر ایک علمی انقلاب برپا کر دیجئے۔ یقین جانئے ہمارا معاشرہ ایک مرتبہ پھر قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی عظمت کا امین بن جائے گا۔ انشاء اللہ

میں اس پیغام کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں کہ

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے

پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

اقبال اس چمن کی رگوں میں سما گیا

جناب صدر و معزز حاضرین! آج مجھے جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے۔ اقبال اس چمن کی رگوں میں سما گیا

جناب والا! شاعر مشرق علامہ اقبال بلاشبہ ملت اسلامیہ کی دعاؤں کا جواب تھے۔ آپ کی حکیمانہ شاعری کی شمع روشن نے بے شمار دلوں میں اجالا کر دیا اور برصغیر پاک و ہند کے وہ مسلمان جو غلامی کو تقدیر کا تقاضا سمجھ رہے تھے' جرأت و ہمت کے پیکر بن کر اٹھے اور احیائے اسلام کی نئی داستان رقم کر دی۔ شاعر مشرق نے اس وقت مسلمانوں کی عظمت رفتہ کے واپس لوٹنے کا خواب دیکھا جب تباہ حال مسلمانوں کی عظمت و سربلندی کا احساس بھی دلوں سے ختم ہو چکا تھا اور اقبال کا درد مند دل چیخ رہا تھا کہ

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

علامہ محمد اقبال کے افکار قرآن حکیم اور ارشادات مصطفوی ﷺ سے عبارت تھے۔ ان کی آنکھوں میں محبت رسول ﷺ کی تجلیات جگمگا رہی تھیں۔ انہی تجلیات سے بہرہ ور ہو کر انہوں نے اسلام کی حیات ثانیہ کے حوالے سے برصغیر کے صنم کدوں میں پاکستان کی صورت میں ایک عظیم اسلامی مرکز کا خواب دیکھا۔ تاریخ شعر و ادب میں علامہ اقبال واحد خوش بخت فلسفی شاعر ہیں کہ جنہوں نے پاکستان

کے حوالے سے عظمت اسلام کا جو خواب دیکھا وہ ان کی وفات کے فقط نو سال بعد قائداعظم محمد علی جناح کی جدوجہد کی بدولت شرمندۂ تعبیر ہو گیا۔

والا مرتبت! علامہ محمد اقبال کو مصور پاکستان کہتے ہیں کہ انہوں نے دوقومی نظریہ کے حوالے سے پاکستان کا تصور پیش کیا۔ یہی تصور ان کا خواب اور ان کے خیالات اور نظریات کا مرکز تھا۔ ان کے اس خواب میں نظریۂ اسلام کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

اور پھر مسلمانوں کو نظریۂ اسلام کا پیغام دیتے ہوئے فرمایا کہ

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

صدر ذی وقار! یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ اقبال پاکستان اور اسلام کو لازم وملزوم سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک اسلام ہی پاکستان کی بنیاد ہے۔ اگر بنیاد مضبوط نہ ہو تو عمارت مستحکم نہیں ہو سکتی۔ اقبال کے مطابق پاکستان جسم ہے تو اسلام اس کی روح' اس لئے انہوں نے اسلامیانِ ہند کو تلقین فرمائی کہ وہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اور قرآن کو مشعلِ راہ بنا کر ہی پاکستان کے خواب کو تعبیر سے ہمکنار کر سکتے ہیں۔ وقت نے ثابت کر دیا کہ علامہ اقبال کی فکر درست اور ان کی سوچ کا ہر زاویہ درست تھا۔ پاکستان تو معرض وجود میں آ گیا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اقبال ہند کے ظلمت کدوں میں پاکستان کی صورت میں بلند ہونے والی شمعٔ نور کی تب وتاب کس انداز سے دیکھنے کے تمنائی تھے۔ علامہ اقبال کی آرزو تھی کہ عصر حاضر کا مسلمان پھر سے جادۂ حق پر گامزن ہو جائے۔ فرنگی دانش کے بجائے

قرآن وسنت کو خضر راہ بنائے' وہ اس تمنا کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس دشت کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے
پھر وادی فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے
پھر شوق تماشا دے پھر ذوق تقاضا دے

علامہ محمد اقبال پاکستان کو صرف ایک ملک نہیں بلکہ شوکت دین کا انتہائی مضبوط قلعہ بنانا چاہتے تھے ان کی آرزو تھی کہ ہم ایک ایسا خطہ زمین حاصل کریں جہاں مکمل طور پر خدا کی حاکمیت ہو۔ جہاں اسلامی قوانین اور اصولوں کا اس طور کامیاب تجربہ کیا جائے کہ اس کا پیغام پوری دنیائے اسلام تک پھیل جائے۔ یہاں سے اتحاد عالم اسلام کا پیغام ابھرے اور عرب و عجم کے تمام مسلمان آہستہ آہستہ ایک بڑے پاکستان کے قالب میں ڈھل جائیں۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے اپنے مضامین اور خطبات میں بھی کیا ہے۔ وہ پاکستان کو اسلامی قوت کا مرکز دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ وہی پیغام ہے جو آج سے چودہ صدیاں قبل حضور محمد مصطفیٰ ﷺ نے دیا تھا۔

اقبال کے حسین خواب کی ایک کرن یوں انوار بکھیرتی ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

جناب صدر! اقبال تصورات کی دنیا کے نہیں بلکہ عمل کی دنیا کے آدمی تھے۔ وہ لفظوں پر نہیں بلکہ عمل کی قوت پر ایمان رکھتے تھے۔ مگر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ لفظوں کا شکوہ ہی مردہ قوموں کو حیات نو عطا کرتا ہے' اس لئے وہ ملت پاک کے جوانوں سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کے ذہن میں مستقبل کے پاکستان کا جو نقشہ تھا

اس کے خدوخال اسلام کے پہلے سنہری دور کے حکومتی ڈھانچے میں بخوبی دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کا خواب عمل اور جدوجہد کا علمبردار ہے۔ وہ جوانان اسلام سے محبت کرتے ہیں' انہیں مسلمانوں کی شوکت رفتہ کے چھن جانے کا احساس دلاتے ہیں۔ وہ جوانانِ قوم کے اندر شاہینی پرواز دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ پاکستان کی باگ دوڑ ان ہاتھوں میں دیکھنا چاہتے ہیں جو وقت کی بلندیوں پر کمند ڈالنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تو
فروغ دیدۂ افلاک ہے تو
ترے صید زبوں افرشتہ و حور
کہ شاہین شہ لولاک ہے تو

معزز حاضرین! شاعر مشرق پاکستان کے معاشرہ کو اخلاق و کردار کی سر بلندیوں کا نقیب دیکھنا چاہتے ہیں۔ انہیں احساس ہے کہ ایسا مثالی معاشرہ وہی افراد تخلیق کر سکتے ہیں جن کی نگاہ بلند ہو' سخن دل نواز اور جان پرسوز ہو۔ جو مردِ مومن کے معیار پر پورے اترتے ہوں' ایسا مردِ مومن جو زمین پر رہتے ہوئے افلاک کی خبر رکھتا ہے۔ جو قاری ہے مگر حقیقت میں قرآن نظر آتا ہے۔ ایسا مرد مومن جو خودی کی بلندیوں کا امین ہے' جو کسی کے سامنے جھکتا نہیں بلکہ وقت کی فرعونی طاقت کو جھکانا جانتا ہے' وہ پاکستان کے ہر فرد کو غیرت وحمیت کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ

تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی' نہ رہی تو روسیاہی

حضرات محترم! آج ہم وقت کی ٹھوکروں پر ہیں۔ استحصالی قوتیں پاکستان کے مستقبل سے کھیل رہی ہیں۔ ہماری زندگی شرمندگی بنا دی گئی ہے۔ ایک آزاد

قوم کی حیثیت سے ہماری باعزت قومی زندگی کا تصور ہم سے چھینا جا رہا ہے۔ ہم پر ایسے فیصلے مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جو ہماری شہ رگ کیلئے خنجر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان لمحات میں اقبال حرمت و غیرت اور خودی و خودداری کا سبق دیتے نظر آتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ بن جائے۔ ایسا ستارا کہ جس کی روشنی وقت کے فرعونوں کے تاریک دلوں کو مسلمانوں کی قوت و غیرت کی تب و تاب سے منور کر دے۔ اقبال یہ کہہ کر ہمیں جھنجھوڑتے ہیں کہ

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

جناب والا! اور پھر وہ یہ کہہ کر خواب غفلت میں مدہوش مسلمان کو باطل قوتوں کے سامنے ڈٹ جانے کا پیغام دیتے ہیں کہ

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج وہ قوم جس نے اتحاد کی بہترین مثال قائم کر کے پاکستان حاصل کیا تھا' ٹکڑوں میں بٹ رہی ہے۔ جغرافیائی' صوبائی' لسانی اور فرقہ وارانہ تعصبات پیدا کر کے دشمن ہمیں خاک میں ملانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہم اس قرآن کے داعی ہیں جس نے پیغام دیا تھا کہ

انما المومنون اخوۃ

بیشک تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

جناب صدر! ہم اس رسول ﷺ کے امتی ہیں جس نے عربی و عجمی کو ایک کر دیا تھا۔ جس نے ایشیائی اور افریقی کا فرق مٹا دیا تھا۔ جس نے تمام کلمہ گو

مسلمانوں کو ایک پرچم نور تلے جمع کر دیا تھا مگر آج مسلمان کے ہاتھ سے مسلمان کا بہتا ہوا لہو ہمیں خون کے آنسو رلا رہا ہے۔ ایک خدا ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک کتاب پر ایمان رکھنے والی پاکستانی قوم دشمنی اور نفرت کی بھینٹ کیوں چڑھ رہی ہے۔ ہم نے خدائے واحد کو فراموش کر کے حرص و آز اور ذاتی مفادات کے بت تراش لئے ہیں۔ اس دردناک صورتِ حال میں پاکستان کا خواب دیکھنے والے کی صدا ابھرتی ہے۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی، ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

حضرات والا تبار! اقبال کے خواب کے حوالے سے بات کو جس قدر پھیلانا چاہیں پھیلتی چلی جائے گی۔ سچ پوچھیے تو آج ہم اقبال کی روح سے شرمندہ ہیں۔ کیونکہ اس مردِ عظیم نے جو ایمان افروز خواب دیکھا اور قائداعظم نے جسے پاکستان کے نام سے عملی روپ عطا کیا، ہم اسے اقبال کی آرزوؤں کا رنگ عطا نہیں کر سکتے۔ ہم اقبال کا نام لے کر اپنی مجالس کی رونق تو بڑھاتے ہیں مگر ہمارے دل اس کے پیغام اور فکر کی حقیقی روح سے خالی ہیں۔ ہم اقبال کا نام تو احترام سے لیتے ہیں مگر احترام صرف جملوں سے نہیں بلکہ عمل سے جنم لیتا ہے۔

ہماری بے علمی اور بے حسی اپنی جگہ اقبال کا پیغام تو زندۂ جاوید ہے۔ یہ پیغام چاند سورج کی طرح جگمگا رہا ہے۔ میرے وطن کی فضاؤں میں "بانگ درا" کے لاہوتی

نغمے گونج رہے ہیں۔ "بال جبریل" اور "ضرب کلیم" سے لیکر "اسرار ورموز" اور "جاوید نامہ" تک علامہ محمد اقبال کے شاعرانہ فرمودات ہمیں پاکستان کو مضبوط تر بنانے اور ہر پاکستانی کو ملت اسلام کی سرفرازی کا نقیب بنانے کا حوصلہ عطا کر رہے ہیں۔

اگر اقبال کے خواب کے حوالے سے مجھے کہا جائے کہ اقبال پاکستان کے تصور کو عمل کی کس میزان پر دیکھنا چاہتے تھے تو بحر بیکراں کو کوزہ میں سمیٹتے ہوئے میں یہ ضرور کہوں گا کہ اقبال کے تمام تصورات اور فرمودات اپنی جگہ محترم ہیں مگر وہ اسلامیان پاکستان کو عشق رسول اللہ ﷺ کی قوت سے آراستہ دیکھنا چاہتے تھے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ علامہ اقبال کا خواب پوری دنیا کے مسلمانوں کیلئے امن و راحت اور غیرت و خودداری کا مرکز بن جائے تو ہمیں حضور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کو عملی زندگی میں مشعل راہ بنا کر وطن کی سربلندی کیلئے کام کرنا ہوگا۔ جب محبت رسول ﷺ آدم خاکی میں پوری قوت کیساتھ جلوہ گر ہو جاتی ہے تو استعماری اور استحصالی قوتیں اپنی موت آپ مر جاتی ہیں اور وطن کی سربلندی کا سورج پوری ایمانی تب و تاب کیساتھ وقت کے افق پر اپنی شعاعیں بکھیرنے لگتا ہے۔ میں اپنی گزارشات کا اختتام اسی حوالے سے کرنا چاہوں گا کہ

کشتی حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عصر نورات ہے دھندلا سا ستارا تو ہے

کفایت شعاری

جناب صدر اور معزز حاضرین! آج کے ایوان میں مجھے جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے۔ کفایت شعاری

جناب صدر! اسلام نے بندوں کی ہدایت کیلئے جو چراغ روشن کئے ہیں ان میں سے ایک کفایت شعاری ہے۔ کفایت شعاری کیا ہے؟ اسلام کا پیغام ہے۔ رب دو عالم کا بندوں پر انعام ہے۔ اس کی بدولت قومی زندگی ترقی کی معراج کو چھوتی ہے۔ کفایت شعاری تعلیمات محمد مصطفےٰ ﷺ کا ثمر ہے۔ نیک اعمال کا اجر ہے۔ کفایت شعاری کا مطلب کنجوسی یا ضروریات زندگی کی نفی نہیں ہے بلکہ یہ تو بندگان خدا کو ضروری حد تک خرچ کرنے کا پیغام دیتی ہے تا کہ جو بچ جائے وہ تم نیک ضروریات اور ضروری کاموں پر صرف کر سکو۔

ارشاد ربانی ہے۔

کلو واشربوا ولا تسرفوا

"یعنی (اے مسلمانو) کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو"۔

والا قدر! اسراف کیا ہے؟ یہ ایک گھریلو اور قومی لعنت ہے۔ انسان اپنی جیب یا وسائل کو نہیں دیکھتا بلکہ اپنی شان بڑھانے کیلئے اور دوسروں کو نیچا دکھانے کیلئے مسلسل خرچ کئے جاتا ہے۔ جہاں دس روپے سے کام چلتا ہو وہاں سینکڑوں روپے صرف کرتا ہے۔ بچے کی پیدائش ہو یا بیٹی کی منگنی، شادی بیاہ کا موقع ہو یا اور کوئی

تھوا‘ وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ فقط اپنی ناک کو اونچا رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ خواہ اس ناک کی بلندی کیلئے اسے اپنے گھر کو ہی رہن رکھنا پڑے۔

کسی شاعر نے اس ابدی صداقت کو یوں بیان کیا ہے۔

کفایت شعاری وقار زماں ہے
اسی سے خدا اور نبی مہرباں ہے
جو حکم خدا کو بجا لاؤ گے تم
تو ہر اک بلندی کو پا جاؤ گے تم

جناب والا! قرآن حکیم نے درجنوں مقامات پر کفایت شعاری کا درس دیا ہے اور ہمیں سمجھایا ہے کہ اپنی ضروریات سے زیادہ خرچ کرنا نمائش ہے‘ ریا کاری ہے‘ دکھاوا ہے۔ اس سے افراد کیا قومیں تک ذلت کا شکار ہو جاتی ہیں۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم پر یہ حقیقت پوری طرح سے آشکارا ہوتی ہے کہ اسراف اور نمائش نے مسلمان قوموں کا مستقبل تباہی کی نذر کر دیا۔ جبکہ کفایت شعار قوموں پر ہمیشہ رحمت خداوندی کے انوار نازل ہوتے رہے۔

یہ سچ ہے۔

وہی قوم پاتی ہے عزت زیادہ
جو کرتی ہو ہر پل کفایت زیادہ
کفایت شعاری میں ہے نور ایماں
ہدایت کے اس سے ہیں مہکے گلستاں

محترم حاضرین! ہمارے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ قیامت تک کیلئے نور ہدایت ہے۔ آپ دو عالم کے شہنشاہ تھے۔ لاکھوں مربع میل کے حکمران تھے

مگر آپ کے لباس میں پیوند لگے ہوتے تھے' اپنے جوتے خود مرمت فرماتے' اپنے لباس میں خود پیوند لگاتے' کوشش کرتے کہ اپنے کام کیلئے دوسروں کو تکلیف نہ دیں اور گھر میں جو کچھ آتا دوسروں میں تقسیم فرما دیتے۔ فرمایا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کفایت شعار سے بے پناہ پیار کرتا ہے۔ آپ جس مسلمان کو کفایت شعاری کے راستے پر چلتے دیکھتے اس پر مہربانی کا اظہار فرماتے۔ ایک حدیث شریف میں ہے۔

''ایک بار کفایت شعاری کی بات چلی تو صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اگر ندی یا نہر بہہ رہی ہو اور ہم نے وضو کرنا ہو تو کیا اس سلسلہ میں بھی ہم کفایت کریں گے''؟

آپ نے فرمایا: ''بیشک کفایت اصل ایمان ہے اور تمہارے لئے امتحان ہے''

جناب والا! حضور سرور دو عالم ﷺ نے صحابہ کرام کو کفایت شعاری کا سبق اس شان پڑھایا تھا کہ وہ شادی بیاہ سمیت کوئی تہوار مناتے ہوئے اللہ اور رسول کی رضا کو مدنظر رکھتے تھے اور جو کچھ بچتا وہ اللہ کی راہ میں خیرات کر دیتے تھے۔ ان غلامان رسول کے دلوں میں قرآن حکیم اور اسوۂ رسول کی شمعیں جل رہی تھیں۔ وہ قرآن پاک کی تعلیمات کی عملی تفسیر تھے مگر ہم نے جونہی کفایت شعاری کو چھوڑا تو رحمت خداوندی نے ہم سے منہ موڑ لیا۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

اسلام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسراف اور فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ مگر ہم نے خدا اور قرآن کے احکام سے بغاوت کر کے یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں کی رسوم کو اپنا لیا۔ انہی نام نہاد مسلمانوں کیلئے علامہ محمد اقبال نے کہا تھا۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

والا مرتبت! اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیجئے جب تک مسلمان کفایت شعاری پر پابند رہے' نمود و نمائش اور غیر مسلمانوں کی تقلید سے بچتے رہے۔ ان کی شان و شوکت کا پرچم وقت کی بلندیوں پر لہراتا رہا۔ مگر جونہی ہم نے کفایت شعاری کو چھوڑ کر نمود و نمائش کو اپنایا تو دشمنوں نے ہمیں ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ سلطنت عباسیہ ہو یا امویہ' سلطنت اندلس ہو حکومت ہند۔ جب غلامان رسول ﷺ غیروں کے غلام بن گئے۔ ان کی ظاہر پرستی کافروں سے بھی بڑھ گئی تو تاریخ نے انہیں مٹا کر رکھ دیا۔

ذی وقار! آج پھر ہم پر مشکل وقت ہے۔ مسلمان ممالک کی بہت بڑی تعداد ہے۔ قدرت نے ہمیں ہر قسم کے وسائل سے نوازا ہے مگر نہ تو ہم متحد ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی معاملہ میں کفایت شعاری سے کام لیتے ہیں۔ مسلمان حکمران قرآن حکیم کو چھوڑ کر شہنشاہ بن گئے ہیں۔ ان کی زندگی عیش و عشرت کا نمونہ نظر آتی ہے۔ انہوں نے عوام کے وسائل نمود و نمائش پر خرچ کر دیئے ہیں۔ وہ سوچنے کو تیار ہی نہیں ہیں کہ وہ کفایت شعاری جیسے قرآنی اصول کو چھوڑ کر اپنی قبر خود اپنے ہاتھوں سے کھود رہے ہیں۔ آج وقت پکار رہا ہے کہ تمہارے سنبھلنے کیلئے آخری مہلت ہے۔ ایمان اور قرآن کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو ورنہ تم بھی عبرت کا تماشا بن جاؤ گے۔

بے خبر تو جوہرِ آئینہ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

ہم سب ایک قوم ہیں

صدر گرامی قدر اور حاضرین ذی وقار! میرا آج کا موضوع تقریر ہے۔

ہم سب ایک ہیں

والا قدر! بلاشبہ ہم سب ایک قوم ہیں' فکری طور پر بھی اور نظریاتی طور پر بھی' ہماری قومیت زمان و مکان کے تصور سے ماورئی ہے۔ ہم نے ایک ہو کر بنایا تھا۔ تاکہ ہم اتحاد ایمان کا پرچم بلند کر کے اتحاد باہمی سے رہ سکیں۔ ہماری بنیاد کوئی جذباتی نعرہ یا وقتی تصور نہیں تھا بلکہ ہم تو شرار بولہبی کے مقابلے میں چراغ مصطفوئی صلی اللہ علیہ وسلم فروزاں کر کے ہمیشہ ایک رہے ہیں۔ جغرافیائی سرحدوں سے ماورئی ہو کر نظریاتی سرحدوں نے ہمیں ایک رشتے میں پرو رکھا ہے۔ ایشیاء کا گندمی رنگ کا مرد مومن ہو یا افریقہ کا سیاہ فام' ہم سب توحید و رسالت کے انوار کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں اور ہر حال میں ایک قوم ہیں کیونکہ

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے

صدر محترم! طوفانوں کے آنے سے حقائق نہیں بدل جاتے اور باطل تصورات کی یلغار ہماری یکجائی پر ضرب نہیں لگا سکتی۔ ہمیں کسی مصلحت اندیشی یا مادی تصور نے تو ایک نہیں بنایا۔ بلکہ یہ تو چودہ صدیوں پہلے کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیضانِ عالم ہے جنھوں نے حبش کے بلال' روم کے صہیب' فارس کے سلمان کو خطۂ حجاز کی

برادری کا نامور رکن بنا کر انمٹ قومیت کا تصور دیا۔ آنے والے ادوار میں مسلم مدبرین سے لے کر دانشوران ملت اسلامیہ تک اس کو اصحاب ایمان کے دلوں کی دھڑکنوں میں سموتے رہے اور شاعر علامہ محمد اقبال کے قلم نے ایک قوم کے تصور کو یوں زندگی بخشی کہ راس کماری سے لے کر خیبر کی بلندیوں تک مسلمانوں کے ایک قوم ہونے کا تصور آوازۂ فطرت بن گیا۔

جناب والا! اقبال آواز عالم انسانیت کے عظیم حُدی خواں کا کردار ادا کر گئی ان کا یہ فرمان لوح ہستی پر نقش ہو گیا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

والا قدر! یہ تصور محض خواب نہیں حقیقت تھا۔ یہ آوازۂ فطرت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ قدسی کی صدائے بازگشت تھا۔ اسلئے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے مسلمانوں کی منجمد رگوں میں ایک ہونے کا تصور شعلۂ جوالا کی صورت بھر دیا اور پھر قائداعظم محمد علی جناح کی تاریخ ساز قیادت نے اشرار باطل کو اپنی قوم کے ایک ہونے کا عملی منظر دکھلا دیا۔ تاریخ پاکستان کا ورق ورق گواہ ہے کہ پاکستان بناتے ہوئے مسلمان ایک قوم کی حیثیت سے پاکستان کی فیصلہ کن جنگ لڑے۔ وہ فرقہ واریت سے بلند تھے' لسانی' جغرافیائی اور مسلکی تعصبات سے پاک تھے۔ اتحاد ان کی قوت تھا' عشق رسول ان کی ڈھال تھا' شوکت توحید ان کی زرہ تھی' کلمۂ توحید کی شمشیر انہیں قوت بخش رہی تھی۔ ان میں کوئی غیر نہیں تھا۔ سب اپنے تھے۔ کلمۂ طیبہ کی چھاؤں میں ان کی زندگی قرار پاتی تھی اور پھر اسی بے مثال جذبۂ قومیت نے فرنگی آقاؤں اور ہندو سامراج سے ٹکرا کر عالم اسلام کی تمناؤں کے مظہر پاکستان کو وجود بخشا۔

وہ ارض پاک جس کے سائے میں توقیر ملتی ہے
جہاں پر اتحاد عام کی تصویر ملتی ہے
جہاں پر ایک ہونے کی حسین تنویر ملتی ہے
جہاں قومیت اسلام کی تاثیر ملتی ہے
ہزاروں آندھیاں آئیں' نہ ہرگز ڈگمگائیں گے
ہمیشہ ایک ہونے کا نظارا ہم دکھائیں گے

صدر ذی وقار! پاکستان ہماری آرزوؤں کا گہوارا ہے۔ ہماری امیدوں کا مرکز اور عزم و ہمت کا ماہپارا ہے۔ ہم نے پاکستان بناتے ہوئے ثابت کر دیا کہ ہم ایک قوم ہیں اور آج اس کی ترقی کیلئے ہم نے عملی طور پر ثابت کرنا ہے کہ ہم ایک قوم ہیں۔ مسالک میں اختلاف ہوسکتا ہے مگر اسلام ہمیں قوت برداشت سکھاتا ہے کیونکہ آخر کو ہم ایک قوم ہیں۔ ہم نے مسلم قومیت کے پرچم کو ایک ہو کر تھام رکھا ہے۔ یہی اتحاد اور مسلم قوم کے ایک ہونے کا تصور باطل کی نیندیں اڑا رہا ہے۔ حکم ربانی ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔

حضور سلطان دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ''اے کعبہ! تو مجھے بہت پیارا ہے مگر ایک انسان کا لہو مجھے تجھ سے بھی زیادہ عزیز ہے'' تو پھر تفرقہ کیسا؟ دوری کیسی؟ اختلاف کیسا ہے؟ ہم قرآن کی عظمت اور رسالت محمدی کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ایک قوم تھے اور ایک قوم ہیں۔

جناب محترم! جونہی پاکستان ترقی کی منزلوں کو چھونے لگتا ہے۔ اسلام دشمن قوتیں ہماری صفوں میں گھس آتی ہیں۔ یہ قوتیں ہمارے جذبات سے کھیلتی ہیں۔

مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگاتی ہیں۔ گرم خون مچلنے لگتا ہے۔ یاد رکھئے ہمارا راہنما قرآن ہے۔ ہمارا معبود رب جلیل ہے۔ ہمارے محبوب رسول خدا ہیں۔ ہمارا مذہب سلامتی کا مظہر اسلام ہے۔ تو پھر ہمارے ایک ہونے میں کیا کلام ہے۔

اے ارضِ پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم
ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا
سالارِ کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

جناب والا! قومیں تقریروں سے نہیں بلکہ عمل کی قوت سے تعمیر ہوتی ہیں اور قومی ترقی تقاضا کرتی ہے کہ ہمیں ہر لحظہ حالت عمل میں رہنا چاہیے۔ عمل کے راستے پر چلیں تو فرقہ واریت نہیں ہوتی بلکہ ہر سو محبت ہوتی ہے۔ لسانی' قبائل تفرقے نہیں ہوتے بلکہ ایک قوم ہونے کے عملی زمرے ہوتے ہیں۔ دل جدا جدا نہیں ہوتے بلکہ سب خدا اور رسول خدا پر فدا ہوتے ہیں۔ یہاں اپنوں میں گروہ بندی نہیں ہوتی بلکہ اشرار باطل کے خلاف مکمل صف بندی ہوتی ہے۔

جناب والا! آج وطن عزیز پر باطل قوتوں کی آندھیاں منڈلا رہی ہیں۔ عراق' فلسطین اور افغانستان کے بعد اب ان کی نظریں پاکستانی پر جمی ہیں۔ ہمیں ہراساں کرنے اور ہر سو موت کا بازار گرم کرنے کیلئے شیطانی حربے آزمائے جا رہے ہیں۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم میں سے ہی کچھ اس کے آلہ کار بن گئے۔ وطن کے وہ علاقے جو سیاحوں کی جنت کہلاتے ہیں۔ آج وہاں کے در و دیوار اور بارود اگل رہے ہیں۔ شیطانی عزائم رکھنے والے تعداد میں مختصر ہیں مگر بے پناہ وسائل سے لیس نہیں۔

جناب والا! ہم تعداد میں ایک سیل بے کراں ہیں۔ ضرورت فقط اس امر کی

ہے کہ ہم خود کو ہر لحاظ سے ایک قوم سمجھیں۔ ایک کو کانٹا چبھے تو دوسرے کو اس کا درد محسوس کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنا چاہیے۔ ایک قوم ہونے کا مطلب وطن عزیز کیلئے ہر قربانی دینے کیلئے تیار رہنا ہے۔ ہمیں اپنا وجود ہے مگر دوسرے کا احترام بھی کرنا چاہیے' مساجد ہو یا امام بارگاہ' مذہبی مراکز ہوں یا روحانی علم کدے ہمیں سب کو محفوظ رکھنا ہے۔ ہماری معمولی سی غفلت دشمن کے ناپاک عزائم کو کامیاب کر سکتی ہے۔ اگر ہم فرقہ بندی اور تعصبات میں الجھ گئے تو اجڑے ہوئے بغداد اور اندلس کی طرح کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ کیونکہ

اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

نہیں نہیں' جناب ذی وقار! ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ ہم شمع توحید کے پروانے ہیں۔ محمد عربی ﷺ کے دیوانے ہیں۔ مسلم قومیت کے چاہنے والے ہیں۔ ہم ہر لحاظ سے مسلم قوم ہیں۔ رب محمد کی قسم! ہم نے جھکنا نہیں جھکانا سیکھا ہے۔ ان شاء اللہ جب بھی مشکل وقت آیا غیر مسلم اقلیتیں بھی ہمارے ساتھ ہوں گی۔ کیونکہ

ہم سب ایک قوم ہیں
انہی جذبات کے ساتھ میں تقریر ختم کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔
پاکستان زندہ باد

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے

صدر عالی مرتبت اور معزز حاضرین! مجھے آج کے ایوان میں جس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ہے۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے

جناب والا! میرا آج کا موضوع تقریر حضرت علامہ محمد اقبال کے ایک ایمان آفریں شعر کا اولین مصرعہ ہے۔ شعر کیا ہے۔ عبرت و نصیحت کا پیغام ہے۔ شاندار ماضی اور پریشان کن عہد کی تصویر ہے۔ علامہ فرماتے ہیں۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

حاضرین محترم! علامہ اقبال کے دور میں دنیا بھر کے مسلمان ذلت و خواری کا شکار تھے۔ عظیم اسلاف کے کارنامے ان کیلئے بے مقصد کہانی بن گئے تھے۔ شاندار ماضی محض خواب بن کر رہ گیا تھا۔ وہ فراموش کر چکے تھے کہ ان کا تعلق اس قوم سے ہے جو نظریہ اسلام سے جنم لیتی ہے۔ وہ مدہوشیوں میں کھو کر یہ سوچنے کو تیار ہی نہیں تھے کہ ان کے آباؤ اجداد نے قیصر کی خدائی اور کسریٰ کی فرعونیت کے طلسم کو پارا پارا کر دیا تھا۔ فرنگی آقاؤں نے ان کے ذہنوں سے احساس زیاں چھین لیا تھا۔ وہ حال کی رنگینیوں میں گم تھے۔ ماضی کے جاہ و جلال کو وہ قصہ پارینہ سمجھ بیٹھے تھے اور مستقبل کی تابناکیوں کے بارے میں وہ سوچنے کو تیار ہی نہی تھے۔ ایسے

دور المناک میں شاعر مشرق کا حساس ذہن چیخ اٹھا۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

جناب والا! اقبال محض لفظوں کے سوداگر نہیں تھے بلکہ بے حمیتی کے طلسم کو توڑ کر مسلمانوں کو عمل کی شاہراہ پر گامزن کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ان کا پرشکوہ ماضی یاد دلایا۔ انہیں احساس دلایا کہ وہ تمہارے ہی آباؤ اجداد تھے جو عرب کے صحراؤں سے اٹھے اور زمانے بھر کو زیروزبر کر ڈالا۔ کائنات کو تسخیر کرتے کرتے بحرظلمات کو اپنے گھوڑوں کے سموں سے روند ڈالا۔ توحید خداوندی اور عشق مصطفوی کا پرچم اٹھا کر جب وہ آگے بڑھے تو فتوحات ان کے قدم چومتی گئیں۔ پہاڑوں نے اپنے سر جھکا لئے' صحراؤں نے اپنے وجود کو سمیٹ لیا۔ کائنات کی وسعتیں ان کے قدموں تلے اپنا وجود کھو بیٹھیں۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کے ہیبت سے رائی

جناب صدر! اقبال کی آواز بانگ درا تھی جو درماندہ قافلوں کو بیدار کر گئی۔ وہ ملت اسلام کے حدی خواں تھے جن کی فکر انگیز شاعری نے بالآخر قیامت کی نیند سونے والوں کو بیدار کر دیا۔ اقبال نے مسلمانوں کو محبت رسول کا لافانی درس دیا۔ عظیم المرتبت اجداد کے کارناموں کے حسن کو ماضی سے بے بہرہ مسلمانوں کے دلوں میں اتار کر انہیں طاغوتی قوتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر شہادت کو سینے سے لگانے کا حوصلہ بخش دیا۔ چشم فلک حیرت میں گم ہو گئی کہ اپنے وجود سے

بہرہ مسلمان ایشیا سے افریقہ تک باطل قوتوں سے نبرد آزما ہونے کیلئے تیار ہو گیا ہے۔ یہ فقط ترجمانِ اسرار فطرت اقبال ہی جانتے تھے کہ

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کرلیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

والا قدر! اقبال نے مسلمانوں کو شاہین شہ لولاک بنایا۔ انہیں آزادی قوم و وطن کیلئے جینا سکھایا۔ زمین کی پستیوں سے ابھر کر مہر و ماہ کی بلندیوں پر آشیانہ بنانا سکھایا۔ غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر آزادی کے ماہتاب کو جگمگانا سکھایا اور پھر زمانے نے دیکھا کہ بے بسی و لاچارگی کی زندگی بسر کرنے والا مسلمان برصغیر پاک و ہند کے سفید فام آقاؤں ہندوؤں اور انکے کاسہ لیسوں سے ٹکرا رہا تھا۔ اقبال کا خواب اپنی تعبیر دیکھ رہا تھا۔ قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت اپنی قوم کو تحریک پاکستان کی آزادی کی داستان رقم کرتے دیکھ رہی تھی۔ یہ معجزوں کا زمانہ نہیں تھا مگر معجزہ ہو گیا اور پاکستان عالم اسلام کی امیدوں کا مرکز بن کر وقت کے افق پر عشق کی قوت بن کر ابھر آیا۔ کیونکہ

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی
دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسداللّٰہی

جناب والا! پاکستان وجود میں آیا ایشیاء سے افریقہ تک کے مسلمان غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کیلئے اپنے اسلاف کی عظمت و شجاعت کی داستانوں کو دہرانے لگے۔ زمانہ اس حقیقت کا شاہد ہے کہ مسلم قوم نے جب بھی تدبر سے کام لیا۔ جب بھی اپنا رشتہ حالات کی تن آسانیوں سے توڑ کر قرون اولیٰ اور قرون وسطی سے جوڑا

تو رب کائنات نے اپنی رحمتوں کے پھول ان پر نچھاور کر دیئے۔ چنگیز خان کے مسلم کش حملوں سے لیکر صلیبی جنگوں کے خوفناک منصوبوں تک یورپی استعماریت سے لے کر برصغیر پر انگریزوں کے ظلم و تشدد تک مسلمانوں نے اس وقت شکست کھائی جب انہوں نے قائد انسانیت حضور محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے جانثاروں کے کارناموں سے منہ موڑ کر غلامی کو لبیک کہا۔ مگر جونہی ان کے افکار میں اسلاف کا جذبۂ شجاعت انگڑائی لے کر اٹھا تو انہوں نے پھر باطل قوت کو قدموں تلے روند کر رکھ دیا۔

آج پھر عالم اسلام ایک نئی قیامت سے دوچار ہے۔ مسلمان ایک مرتبہ پھر اپنے ماضی سے رشتہ توڑ بیٹھے ہیں۔ ہم نے اتحاد عالم اسلام کے تصور کو چھوڑ دیا ہے اور مصلحت کوشی کو پسند کرلیا ہے۔ باطل قوتوں نے اسے ایک سنہری موقع جان کر ہم پر ضرب کاری لگائی تو اقبال کا ''نوجوان مسلم'' پھر تدبر اور فکر و بصیرت سے بیگانہ ہوگیا اور بھول گیا کہ

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سردارا

حضور نبی کریم ﷺ نے جن بتوں کو پاش پاش کر دیا تھا۔ ہم نے انہیں پھر سے زندہ کرلیا ہے۔ حرص و ہوس، جغرافیائی اور علاقائی تعصب، لسانی اور رنگ و نسل کے بتوں سے ہم نے دلوں کے صنم کدے آباد کر لئے ہیں۔ قدرت نے عالم اسلام کو ہر قسم کے معدنی اور قدرتی وسائل سے نوازا ہے۔ ہم زمانے بھر سے ٹکرا سکتے ہیں مگر ہم نے بزدلی اور کم ہمتی کو ایک بار پھر اپنا شعار بنالیا ہے، اغیار ہماری ہڈیوں سے غیرت کے لہو کا آخری قطرہ بھی نچوڑنے کیلئے بے قرار ہیں۔

جناب والا! قدرت ہر قوم کو سنبھلنے کا ایک موقع ضرور دیتی ہے۔ ہمارے

لئے بھی خواب غفلت سے بیدار ہو کر فکر و تدبر سے کام لینے کا آخری موقع ہے۔ خدارا اسے رائیگاں نہ جانے دیجئے۔ باطل قوتوں سے ہراساں ہونا چھوڑ دیجئے۔ شرار بولہبی ہمیشہ چراغ مصطفوی سے ستیزہ کار رہا ہے۔ پاکستان ہو یا افغانستان' فلسطین ہو یا عراق' خدارا اپنے اسلاف سے رشتہ جوڑ لیجئے' ان کے کارناموں سے حیات نو حاصل کیجئے۔ یقین جانئے آنے والا وقت' آپ کی لافانی صبح آزادی کا انتظار کر رہا ہے۔

تری فطرت امیں ہے ممکنات زندگانی کی
جہاں کے جوہر مضمر کا گویا امتحان تو ہے
یہ نکتہ سرگزشت ملت برضا سے ہے پیدا
کہ اقوام زمین ایشیاء کا پاسباں تو ہے

صدر ثریا جاہ! اقبال جب جوانانِ اسلام سے خطاب کرتے ہیں تو ان کا خطاب محض ایک پہلو یا چند امور پر مبنی نہیں ہوتا۔ وہ تو مرد مومن کو عالم اسلام کی قیادت کرنے کا پیغام دیتے ہیں۔ اسے صداقت' عدالت' شجاعت کا بھولا ہوا پیغام یاد دلاتے ہیں تاکہ یہ پھر سے اقوام عالم کی امامت اور سیادت کا فریضہ انجام دے سکے۔ اقبال جوانان ملت کو عفت و عصمت کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں۔ انکی خواہش ہے کہ انکی جوانی بے داغ ہو۔ ان کی شاہینی پرواز زمان و مکان سے آگے جا سکے۔ ان میں خودی اور خودداری کی صفات پیدا ہوں تاکہ یہ خداشناسی کی منزل پر فائز ہوسکیں اور پھر ان کیلئے وہ وقت آجائے کہ

بڑھے جا یہ کوہ گراں توڑ کر   طلسم زمان و مکاں توڑ کر
ہر اک منتظر تیری یلغار کا   تری شوخیٔ فکر و کردار کا